بیادگار
بانی تنظیم المکاتب
مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

بمناسبت چہاردہ صد سالہ
رحلت رسولؐ اکرم و شہادت معصومہؑ عالم

کتاب عصمت

فاطمة بضعة منی (رسولؐ اکرم)

تنظیم المکاتب۔ گولہ گنج لکھنؤ ۱۸ (ہندوستان)

باسمہ سبحانہ

فون نمبر
235115

تنظیم المکاتب!

تاریخ قیام: ۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۱؍اگست ۱۹۶۸ء

مقصد: بچوں، جوانوں، لڑکوں، لڑکیوں، تعلیمیافتہ اور ناخواندہ افراد کی مذہبی تعلیم کا بندوبست کرنا۔

خدمات: (۱) ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۰ء تک ہندوستان کے ۱۱ صوبوں میں ۶۰۶ مکاتب قائم ہو چکے ہیں جن میں ۹۲۳ مدرسین ۲۴۷۱۸ لڑکے لڑکیوں کو تعلیم دے رہے ہیں (۲) بچوں اور جوانوں کے لئے ہندی، اردو، گجراتی اور بنگالی میں دینیات کا کورس چھپ چکا ہے انگریزی دینیات زیر طباعت ہے (۳) ہر مکتب کو کم از کم اس کے خرچ کی ۳۳ اور ۴۰ فیصد امداد دی جاتی ہے امداد کے علاوہ طلاب، مدرسین کو انعامی وظیفہ الاؤنس اور امدادی وظیفے دیئے جاتے ہیں (۴) بہتر نتیجہ پر مکتب کو انعام دیا جاتا ہے (۵) مدرسین کی ٹریننگ کا انتظام ادارہ کے خرچ پر کیا جاتا ہے اب تک ۲۸۷ مدرسین کو ٹریننگ دی گئی ہے جس میں ۲۴۴ کامیاب ہو چکے ہیں (۶) مردوں کی اعلیٰ دینی تعلیم کیلئے ایک جامعہ جولائی ۱۹۸۳ء سے قائم ہے (۷) خواتین کی اعلیٰ دینی تعلیم کیلئے ۱۸؍جنوری ۱۹۹۰ء کو جامعۃ الزہراؑ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ (۸) ادارہ کا ترجمان پندرہ روزہ "تنظیم المکاتب" ہر ماہ کی ۵ اور ۲۰ کو شایع ہوتا ہے جس کا زر اعانت چالیس روپیہ ہے اور دائمی زر اعانت چار سو روپیہ یکمشت ہے۔

منصوبہ: (۱) مکاتب کی تعداد میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا (۲) زیادہ سے زیادہ مدرسین کی ٹریننگ کا انتظام کرنا (۳) جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب میں طلاب اور مدرسین کا اضافہ کرنا اس کے لئے تعمیر جدید کرنا (۴) جامعۃ الزہراؑ کی عمارت کی تعمیر (۵) مراسلاتی کورس کو عام کرنا (۶) انگریزی میں دینیات کی تکمیل (۷) دینیات بالغان ہندی کی تکمیل۔

تنظیم ادارہ: ہر شخص دائمی یا عمومی ممبر بن سکتا ہے۔ دائمی ممبر کی فیس ایک ہزار روپیہ ہے جو سو روپیہ سالانہ کی قسط کی صورت میں بھی ادا ہو سکتی ہے۔ عمومی ممبر کی فیس پچیس روپیہ سالانہ ہے۔ ہر تیسرے سال مجلس انتظامیہ کا انتخاب ہوتا ہے جس کے اٹھارہ ممبر ہوتے ہیں جن میں ایک ایک نمائندہ مدرسین، منتظمین اور لوکل سکریٹریز کا ہوتا ہے۔

مستقل آمدنی: صرف رکنیت دائمی اور سرمایہ مستقل کی رقوم فکسڈ ڈپازٹ کی جاتی ہیں اس وقت تیرہ لاکھ روپئے فکسڈ ڈپازٹ ہے۔ اسی رقم پر بینک سے ملنے والا منافع مستقل آمدنی ہے۔ باقی خسارہ کو پورا کرنے کے لئے آپ کی مدد درکار ہے۔

امداد کے طریقے: فیس ممبری، خمس، زکوٰۃ، فطرہ، امام ضامنؑ، چرم قربانی، عقیقہ اور دیگر رقوم شرعیہ جس کی اجازت آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی مدظلہ، آیۃ اللہ العظمیٰ اراکی مدظلہ، آیۃ اللہ العظمیٰ گلپائگانی مدظلہ اور دیگر مراجع عظام و علمائے کرام سے حاصل ہے آپ ہر اجازہ کا عکس طلب فرما سکتے ہیں۔

اکزمشن: ادارہ کو انکم ٹیکس سے استثنا حاصل ہے لہٰذا زیادہ سے زیادہ امداد فرما کر انکم ٹیکس کا فائدہ حاصل کیجئے۔

حسابات: تمام رقوم بینک میں "تنظیم المکاتب" کے نام سے جمع ہیں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ آڈٹ کرتا ہے لہٰذا کوئی رقم کسی شخص کے نام نہ بھیجی جائے بلکہ چک، ڈرافٹ، منی آرڈر وغیرہ پر صرف "تنظیم المکاتب" لکھئے۔

مکتب کا طریقۂ کار: ہر مکتب کی مقامی انتظامیہ ہوتی ہے جو مکتب کی تنظیم، تعلیم و مالیات کا انتظام کرتی ہے۔ ادارہ کے انسپکٹر ہر مکتب کی تعلیمی، تنظیمی، مالی نگرانی کرتے ہیں، امتحان لیتے ہیں۔ نتیجۂ امتحان کی بنیاد پر طلاب و مدرسین کو انعامات دیے جاتے ہیں تفصیلی معلومات کے لئے قواعد و ضوابط ملاحظہ کیجئے۔

اپیل: اعانت اور ہر قسم کی شرعی رقوم ادارہ کو دے کر تحریک کی بقا و اشاعت میں مدد دیجئے، کتابوں کی فہرست طلب کیجئے، مکتب قائم کیجئے۔ ورنہ اردو، ہندی، گجراتی، بنگالی، انگریزی جس زبان سے آپ کا بچہ واقف ہو اس زبان کی دینیات میں خود تعلیم دیجئے۔ مراسلاتی کورس کے ذریعہ خود دینی معلومات حاصل کیجئے اور اپنے اہل خاندان و احباب کو بھی متوجہ کیجئے

والسلام

سید صفی حیدر سکریٹری

خط و کتابت کا پتہ: **تنظیم المکاتب، گولہ گنج لکھنؤ ۱۸**

۱۹۹۰-۹۱ء کا بجٹ ۲۸۵۰۰۰۰ روپئے ہے۔ رقوم شرعیہ اور اعانت سے اسے پورا کیجئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاطمۃ بضعۃ منی
(رسول اکرمؐ)

بمناسبت چہاردہ صدسالہ

رحلتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشہادت معصومہؑ عالم

کتابِ عصمت

بیادگار سنہ ۱۴۱۱ھ

سربراہِ تحریک دینداری بانی وحید تنظیم المکاتب خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری اعلی اللہ مقامہ

کے ازمطبوعات

تنظیم المکاتب

ترتیب کار

سید ذیشان حیدر جوادی — سید کرار حسین واعظ

سالانہ زرِ اعانت — Rs. 40/-

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	مصنف	صفحہ
۱	اداریہ	ادارہ	۳
۲	خاتم النبیین	از تبرکات ظفر الملت طاب ثراہ	۶
۳	مرسل اعظم قوم گری کی سنگلاخ وادی میں	از تبرکات خطیب اعظم طاب ثراہ	۱۴
۴	حیات مرسل اعظم کے امتیازی خطوط	علامہ سید ذیشان حیدر جوادی	۲۲
۵	نصرت رسول میں جناب ابو طالبؑ کی خدمات	سید کرار حسین واعظ	۳۰
۶	پیغمبر اسلام اور انتظام مملکت	سید اولاد حیدر فوق بلگرامی	۴۲
۷	ہادی عالم کی زندگی کے آخری لمحات	سید مظاہر علی واعظ	۴۷
۸	اعجاز نبوت	سید احسان حیدر	۵۶
۹	خطبۂ فدک	(ترجمہ علامہ جوادی)	۶۱
۱۰	خصائص الزہراؑ	〃	۶۵
۱۱	فاطمہؑ بعد پیغمبرؐ	ڈاکٹر پیام اعظمی	۷۲
۱۲	سیرت فاطمہؑ کے تعلیمی پہلو	سید علی اختر رضوی گوپالپوری	۷۷
۱۳	تحریک امامت اور فاطمہ الزہراؑ	سید شبیر الحسن (لندن)	۷۹
۱۴	سیرت فاطمہؑ نمونۂ عمل	شفیق حسین	۸۲
۱۵	تسبیح زہراؑ	ناظم علی خیرآبادی	۸۶
۱۶	فاطمہؑ پیغمبرؐ کی نظر میں	محمد علی صفوی	۹۰
۱۷	وہ شادی اور شادیاں	ابن جعفر	۹۳
۱۸	ہمیں انصاف چاہئے	سید احسان حیدر رضوی	۹۶
۱۹	فاطمہؑ اپنے گھر میں	سید کرامت حسین جعفری	۹۸
۲۰	فاطمہؑ سیرت کے آئینہ میں	سید محمد باقر مسند	۱۰۰
۲۱	فاطمہؑ معاون نبیؐ و محافظ علیؑ	سید کمیل اصغر	۱۰۳
۲۲	اگر روشن دنوں پر پڑتے غم	سید محمد جعفر رضوی ہلی	۱۰۸
۲۳	ہنگام وفات سرور کائنات وفات حضرت فاطمہ زہراؑ تک	سید کاظم رضا واعظ	۱۱۱
۲۴	مدح پیغمبرؐ	پیام اعظمی	۱۲۱
۲۵	مدح معصومہؑ	پیام اعظمی	۱۲۲
۲۶	ہوئی بس ایک ہی معصومہ ایک ہی مولا	قاسم شبیر نصیر آبادی	۱۲۳
۲۷	بیٹیاں	دبیر سیتاپوری	۱۲۴
۲۸	مرسل اعظم	فروغ کاظمی	۱۲۸
۲۹	محسوسات شارب	شارب لکھنوی	۱۲۹
۳۰	آئینہ سیرت و کردار فاطمہؑ	ابن علی واعظ	۱۳۰

اے رسولؐ! قرابت داروں کو ان کا حق دے دو (ارشادِ الٰہی)

۲۰ر دسمبر ۹۰ء مطابق یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ ۵ر جنوری ۹۱ء مطابق ۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آج عجب وقت پڑا ہے

اے اللہ کے آخری نبیؐ! آج آپؐ کی اور آپ کی پارۂ جگر فاطمہ زہراؑ کی وفات کے چودہ سو سال پورے ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر ہم آپ کی بارگاہ میں بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ آپؐ کی اور آپؐ کے اہلبیتؑ کی محبت کا نذرانہ لے کے حاضر ہوئے ہیں۔

آقا! آپ کے غلاموں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے۔

اے رحمتِ عالم! لبنان سے لے کر ہندوستان تک ہر جگہ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔

اے فخرِ کائنات! آپ کے کلمہ گو آج ذلت و رسوائی کی پستیوں میں سسک رہے ہیں۔

اے ہمارے سید و سردار! امت کے خود ساختہ رہنماؤں نے آپ کی امت کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لا کے کھڑا کر دیا ہے۔ اب آپ کی نظرِ رحمت ہی اسے ہلاکت سے بچا سکتی ہے۔

اے اللہ کے حبیب! آج ہم اپنے وطن میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اے خلقِ مجسم! آج ہماری پڑوسی قومیں ہمارے خون کی پیاسی ہو چکی ہیں۔

اے شفیع المذنبین! کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہو بہرحال آپ کی شفاعت ہی ہمارا آخری سہارا ہے۔

اے غریبوں کے والی! ہمارے لیے زمین سخت سے سخت تر اور آسمان دور سے دور تر ہوتا جا رہا ہے

اے بیکسوں کے مولا! بزمِ حیات ہمارے لیے قید خانہ بن رہی ہے اور گھر مقتل بن رہا ہے۔

اے رحمۃ اللعالمین! ہماری مدد کیجئے، جلدی مدد کیجئے۔ آپؐ کو آپؐ کی اولاد کے مقدس خون کا واسطہ۔

اور۔ اے پارۂ قلبِ پیغمبر! اے سیدۂ عالم! ہمارا اسلام قبول کیجئے۔ آج ہم آپ کے چہاردہ صد سالہ یومِ وفات کے موقع پر آپ کی بارگاہ میں آنسوؤں کا نذرانہ لے کے کھڑے ہیں۔

آج سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے ہجرتِ پیغمبرؐ کے بعد آنے والا گیارہواں سال آپ کے لیے غم و اندوہ کا پیغام لے کے آیا تھا اسی سال آپؑ اپنے اس باپ کے سایہ سے محروم ہو گئیں جس کے سایہ میں قدرت نے انسانیت کو نجات کا پیغام دیا تھا۔ آپ کو آپ کے پدرِ بزرگوار کی وراثت سے محروم کر دیا گیا

بیٹیوں کو باپ کی میراث سے محروم نہ کرو۔

اللہ نے دو دریا بہائے جو باہم مل جاتے ہیں (ارشاد الٰہی)

آپ کے اس گھر کو جلانے کی کوشش کی گئی جو منزل وحی الٰہی تھا۔ آپ کا پہلو زخمی کر دیا گیا۔ آپکے سبب سے چھوٹے فرزند محسنؑ کی شہادت ہو گئی۔ آج بھی آپ کا اجڑا مزار امت کی بے وفائی پر فریاد کر رہا ہے۔ آج بھی بقیع کی ویران سرزمین سے گذر کے جب ہوائیں آتی ہیں تو گوش احساس کو صبت علیؑ کی درد بھری آواز سنائی دیتی ہے۔

اے ہماری مظلوم شہزادی! آپ کی وفات حقیقتاً شہادت ہے اس لیے کہ آپ دست ظلم وجفا سے شہید کی گئیں۔ آج ہم آپ کا چہاردہ صد سالہ یوم شہادت منا رہے ہیں۔ مگر ہم آپ سے شرمندہ ہیں کہ ہم خود آپ کے احکام پر پوری طرح عمل نہ کر سکے۔ بی بی! ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے، ہم دعویٰ محبت کے باوجود آپ کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکے۔

حجاب اور پردہ جو آپ کی چھوڑی امانت ہے ہماری بہنیں اور بیٹیاں پوری طرح اس کی حفاظت نہ کر سکیں آپ کو پیغمبر کی وراثت سے محروم کیا گیا۔ آج خود ہمارے معاشرے میں یہ ظلم ہو رہا ہے۔ اور کتنی ہی بیٹیاں حق دختری سے محروم کر دی جاتی ہیں۔

"خمس"، جو آپ کا حق ہے غیروں کی طرح اس کو ادا کرنے میں ہم نے بھی کوتاہی کی ہے۔

"اوقاف" جو عزائے حسینؑ اور دینی امور کے لیے مخصوص تھے۔ ہمارے متولی اسے مال مفت سمجھ کے برباد کر رہے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہمارا نام بھی غاصبین کی فہرست میں نہ شامل ہو جائے۔

شاہزادی! ہمیں معاف کر دیجیے ہم انتہائی ندامت کے ساتھ آپ کی چہاردہ صد سالہ یادگار منا رہے ہیں۔ کاش یہ آپ کے شایانِ شان ہو۔

اور

اے فاطمہؑ کی غلامی کا دم بھرنے والو! اے زہراؑ کی کنیزی کی دعویدارو! فاطمہ زہراؑ کی اس یادگار کے موقع پر عہد کرو کہ ہم اپنے معاشرے سے بے پردگی اور بے حجابی کے سارے اثرات کو مٹا کے دم لیں گے اور پردے کی حفاظت کریں گے اس لیے کہ زہراؑ کی امانت ہے۔

آج ہی طے کر لو کہ خمس ہر سال پابندی سے نکالیں گے تاکہ ہمارا نام حق زہراؑ غصب کرنے والوں کی فہرست میں نہ شامل ہونے پائے۔ عہد کر لو کہ اب ہمارے سماج میں کوئی عورت حق دختری یعنی باپ کی وراثت سے محروم نہ ہو گی اور سقیفہ میں ہونے والے اس ظلم کا اعادہ نہ ہونے دیں گے۔

اس لیے کہ فاطمہؑ کی یاد منانے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ ہم ان کے مقصد کی حفاظت پر کمربستہ ہو جائیں یاد رکھو! کہ آج ساری دنیا میں مسلمان جو ذلت و رسوائی سے دوچار اور مصیبت و پریشان میں گرفتار ہیں یہ سب اولاد پیغمبر سے بغاوت کی سزا ہے جو اسے مل رہی ہے۔ اللہ ہمیں ایسے عمل کی توفیق دے جس سے فاطمہؑ راضی ہوں کیونکہ شہزادی اگر ناراض ہو گئیں تو ہمیں

گھر کو جنت بنانا ہے تو علیؑ و فاطمہؑ کی طرح ایک ہو کے رہو

اے اہل بیتؑ! اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے
(ارشاد الٰہی)

تمہیں پناہ نہیں مل سکتی اور اگر فاطمہؑ راضی ہیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

کچھ اس نمبر کے بارے میں

کتاب غدیر اور کتاب کربلا کے بعد کتاب عصمت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تنظیم المکاتب سے شائع ہونے والا یہ تیسرا خاص نمبر ہے، جسے ہم چہاردہ صد سالہ یاد رسولؐ و بتولؑ کے مشترکہ نمبر کی حیثیت سے شائع کر رہے ہیں۔ ادارے کی گوناگوں مصروفیات کے علاوہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ دونوں واقعات آپس میں لازم و ملزوم ہیں یعنی وفات فاطمہؑ وفات پیغمبرؐ ہی کا لازمہ تھا یوں بھی سرکار دو عالم کے ارشاد "فاطمہؑ بضعۃ منی" کی روشنی میں وجود فاطمہؑ وجود پیغمبرؐ ہی کا جز ہے۔ وفات فاطمہ زہراؑ کے تاریخی پس منظر پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ واقعات نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ وفات پیغمبرؐ کا ذکر وفات زہراؑ کی یاد دلاتا ہے اور وفات زہراؑ کا تذکرہ وفات پیغمبرؐ کا منظر پیش کرتا اس لیے ادارہ کتاب عصمت کی شکل میں باپ اور بیٹی کی بارگاہ اقدس میں یہ مشترک نذرانہ عقیدت پیش کر رہا ہے۔

زراعانت میں اضافہ

چند ماہ پہلے ہم نے کتاب غدیر جیسا ضخیم شمارہ آپکی خدمت میں پیش کیا اور اس کے بعد بلا فاصلہ کتاب کربلا پیش کی۔

اور اب چہاردہ صد سالہ وفات حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و شہادت حضرت معصومۂ عالم صلوات اللہ علیہا کی یاد میں "کتاب عصمت" بلا قیمت آپکے ہاتھوں میں ہے۔

ایسے میں اگر خداوند عالم کی توفیق اور وارث نبوت و امامت حضرت ولی عصر (عج) کی مدد شامل نہ ہو تو ہم حوصلہ ہار جائیں اس کے ساتھ ہی ہمدردان تنظیم ہم پر جسقدر اعتماد فرماتے ہیں وہ ہمارے حوصلوں کو بلند سے بلند تر کرتا رہتا ہے۔ بڑھتی ہوئی گرانی کے ساتھ کاغذ طباعت اور اس کے لوازم میں اضافہ ہو چکا ہے۔ ڈاک خرچ بھی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بنا بریں ہم آپکی خدمت میں گذارش کر رہے ہیں کہ تنظیم المکاتب کا زراعانت جنوری سنہ ۱۹۹۱ء سے تیس ۳۰ روپے سالانہ سے بڑھا کر چالیس ۴۰ روپے سالانہ اور دائمی زراعانت چار سو روپے کرنا پڑ رہا ہے۔

پچھلی گرانی کے دور میں یہ زراعانت پندرہ ۱۵ روپیہ سے بڑھا کر تیس ۳۰ روپے یعنی دوگنا کر دیا گیا تھا اور آپ نے بخوشی برداشت کیا تھا۔ اب موجودہ اضافہ بہرحال اس نسبت سے کم ہے اور ہمیں پوری امید ہے کہ آپ اسے بھی برداشت کریں گے اور ہمارے حوصلوں کو مزید بڑھائینگے۔

(ادارہ)

اہل بیتؑ کا دامن تھامے ہو تو کردار کے دامن پر گناہ کے دھبے کیوں؟

خاتم النبیینؐ

از تبرکات ظفر الملت الحاج مولانا
سید ظفر الحسن صاحب قبلہ طاب ثراہ

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب)

تمہید: مسئلہ ختم نبوت ہمیشہ اسلام کے "اصول مسلّمہ" میں رہا۔ اور قرآن و احادیث کے ماننے والوں نے کبھی اس میں اختلاف نہیں کیا، لیکن خودغرضی اور ہوس پرستی نے کچھ لوگوں کو اس طرح گمراہ کر دیا کہ انھوں نے قرآن مجید کے بعض آیات کو غلط توجیہات کے ساتھ پیش کر کے سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرنا اپنا نصب العین قرار دے لیا ہے۔

چنانچہ انھیں "مساعی غیر مشکورہ" میں مذکورہ بالا آیت کی بے جا تاویل بھی داخل ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ بے شک پیغمبر اسلامؐ خاتم النبیین ہیں۔ مگر خاتم المرسلین نہیں ہو سکتے کیونکہ نبوت خاص ہے اور رسالت عام۔ خاص چیز کے ختم ہو جانے سے عام شے کا خاتمہ ضروری نہیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی تو ہو نہیں سکتا مگر رسول بن سکتا ہے۔ اس مغالطے کی بنیاد نبوت اور رسالت کے "مسلّم مفہوم" کو پلٹ کر قائم کی گئی ہے۔ اس لیے کہ صدر اوّل سے دنیا کا ہر مسلمان یہی جانتا اور مانتا چلا آیا ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص۔ یعنی ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں ہے مگر ہر رسول کا نبی ہونا لازم ہے چنانچہ علماء محققین نے اس مطلب کو اپنی کتابوں میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ:

نبی ہمیشہ رسول کا تابع ہوتا ہے۔

"نبوۃ الرسول متقدمۃ علی رسالتہ وولایتہ النبی متقدمۃ علی نبوتہ لان النبوۃ بدون الولایۃ ممتنعۃ وکذلک الرسالۃ بدون النبوۃ ممتنعۃ ولہذا کل رسول نبی وکل نبی ولی ولا عکس ... فلا یکون الولی اعظم من النبی ولا النبی اعظم من الرسول لان کل واحد منہم تابع للاٰخر فالولی تابع النبی دائما والنبی تابع للرسول دائما وھذہ قاعدۃ لاخلاف فیہا"۔

(مسلک الافہام معروف بہ مجلی ص۲۳)

رسول کو مرتبہ نبوت، رسالت سے پہلے ملتا ہے اور نبی کو مرتبہ ولایت نبوت سے پہلے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نبوت بدون رسالت ممتنع ہے اسی طرح رسالت بدون نبوت محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر اس کا عکس نہیں ہوتا (کہ ہر ولی نبی ہو جائے یا ہر نبی رسول بن جائے۔) ... تو ولی نبی سے اور نبی رسول سے بڑھ کر نہ ہوگا کیوں کہ ان میں ہر ایک اپنے مافوق کا تابع ہوتا ہے۔ ولی ہمیشہ نبی کا تابع اور نبی ہمیشہ رسول کا مطیع ہوتا ہے اور یہ ایک عام قاعدہ ہے اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

اسی ذیل میں علماء اور ائمہؑ کے وہ ارشادات بھی قابل توجہ ہیں جن میں نبوت و رسالت کی تعریفیں مذکور ہیں۔

اے رسولؐ ہٹ دھرمی کرنے والوں سے مباہلہ کرو اور جھوٹوں پر لعنت بھیجو (ارشادِ الٰہی)

نبوت اور رسالت کی تعریفیں اور عملی فرق

النبوۃ ھی الاخبار عن معرفۃ الذات والصفات والاسماء والافعال والرسالۃ مع ذالک تبلیغ الاحکام والتادیب بالاخلاق والتعلیم للاحکام والقیام بالسیاسات۔ (مجلی ص ۲۳۷)

حقائق و معارف ربانیہ کی خبر دینا نبوت ہے مذکورہ بالا کار نبوت کے ساتھ ساتھ احکام و اخلاق کی تعلیم اور نظام سیاست کو قائم کرنا رسالت ہے۔

اگرچہ یہ تعریفیں اشکال سے خالی نہیں ہیں تاہم ان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول کا میدان عمل نبی سے زیادہ وسیع ہے اور نبوت رسالت کے ایک جز کی حیثیت رکھتی ہے۔

نبی اور رسول کی تعریفیں اور عملی فرق

زرارہ ابن اعین جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے نبی و رسول کا فرق دریافت کرتے ہیں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ "النبی الذی یریٰ فی منامہ و یسمع الصوت ولا یعاین الملک والرسول الذی یسمع الصوت و یریٰ فی المنام ویعاین الملک۔"

(اصول کافی)

نبی وہ ہے جو ملک کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اور اس کی آواز سنتا ہے مگر اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ رسول وہ ہے جو مذکورہ بالا امور کے ساتھ اپنی آنکھوں سے ملک کو دیکھتا بھی ہے۔

اس مضمون کی اصول کافی وغیرہ میں بہت سی حدیثیں موجود ہیں۔ اور خود قرآن مجید بھی انھیں مراتب کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ:

وَما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراءِ حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشآء (پ ۲۵ ـ ع ۶)

کسی بشر کے لئے یہ (قابلیت) نہیں ہے کہ خدا اس سے باتیں کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا کسی آڑ سے یا کسی قاصد (ملک) کو بھیج دیتا ہے اور وہ ذریعہ وحی بنتا ہے۔

اس مختصر بیان سے واضح ہو گیا کہ علماً و عملاً ہر طرح رسول نبی سے افضل ہوتا ہے اور ہمیشہ نبوت کے بعد ہی منصب رسالت ملتا ہے چنانچہ واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً قدرت نے جناب ابراہیم کو سب سے پہلے عبد بنایا پھر نبی کیا، اس کے بعد رسول قرار دیا، پھر خلیل کہا اور آخر میں امام بنایا۔ (الحدیث سفینۃ البحار جلد اول ص ۲۶) یہاں پر مسئلہ امامت زیر بحث نہیں ہے تاکہ اس کی بعدیت پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے البتہ ایک ایسی حدیث تحریر کر دیتا ہوں جس سے امامت کی توضیح کے ساتھ طبقات انبیاء کی تفصیل بھی معلوم ہو جائیگی۔ صادق آل محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

طبقات انبیاء اور امام کی منزل

الانبیاء والمرسلون علی اربع طبقات فنبی منبا فی نفسہ لا یعدو غیرھا ونبی یریٰ فی النوم ویسمع الصوت ولا یعاینہ فی الیقظۃ ولم یبعث الی احد وعلیہ امام مثل ما کان ابراہیم علی لوط ونبی یریٰ فی منامہ ویسمع الصوت ویعاین الملک وقد ارسل الی طائفۃ قلوا او کثروا کیونسؑ قال اللہ تعالیٰ یونسؑ وارسلنا الی مائۃ الف او یزیدون قال یزیدون ثلثین الفا وعلیہ امام والذی فی منامہ

کردار کو پاکیزہ بناؤ تاکہ دشمن پر فتح پاؤ

آدم عؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھے (ارشاد الٰہی)

و یسمع الصوت و یعاین فی الیقظۃ وھو امام مثل اولی العزم وقد کان ابراھیم بنیا ولیس بامام حتیٰ قال اللہ تعالیٰ ذکرہٗ انی جاعلک للناس اماماً وقال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین من عبد صنماً او وثناً لایکون اماماً۔ (اصول کافی)

انبیاء و رسل کے چار طبقے ہیں (اول) وہ نبی جو صرف اپنی ذات کے لئے نبی ہوتا ہے (دوم) وہ نبی جو خواب میں فرشتوں کو دیکھتا ہے اور کسی پر مبعوث نہیں ہوتا اور اس پر ایک امام (حاکم) ہوتا ہے جیسے جناب لوطؑ پر حضرت ابراہیمؑ امام تھے (سوم) وہ نبی جو خواب میں فرشتوں کو دیکھتا اور اس کی آواز کو سنتا ہے اور بیداری میں بھی اس کو دیکھتا ہے اور کسی گروہ کی ہدایت پر مامور ہوتا ہے خواہ وہ گروہ کم ہو یا زیادہ جیسے حضرت یونسؑ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ ہم نے (یونس) کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجا۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں 'زیادہ سے تیس ہزار کی تعداد مراد ہے اور اس پر بھی امام (حاکم) ہوتا ہے (چہارم) وہ نبی جو ملک کو خواب میں دیکھتا ہے اور آواز سنتا ہے نیز بیداری میں اسے دیکھتا ہے اور خود امام بھی ہے جیسے انبیاء اولوالعزم (پہلے) حضرت ابراہیمؑ نبی تھے اور امام نہ تھے تاآنکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں (حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کی کہ میری اولاد میں سے؟ ارشاد ہوا کہ جو ظالم ہوں گے ان کو میرا عہدہ نہ پہونچے گا (حضرت فرماتے ہیں کہ) جو شخص بت پوجے گا وہ امام نہیں ہوگا۔

اس مختصر بیان کی روشنی میں ارباب فہم غور فرمائیں کہ قرآن مجید نے اپنی شان "ایجاز" باقی رکھتے ہوئے خاتم النبیین کا لفظ استعمال کر کے کس خوبی سے نبوت کے تمام اقسام کا دروازہ بند کر دیا جس کی ایک قسم رسالت بھی ہے بلکہ آخری حدیث سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ رسالت ہم مرتبہ نبوت ہے بالجملہ رسالت کو ہم مرتبہ نبوت قرار دیجئے۔ یا کم رتبہ یا زیادہ بہرطور نبوت کے ساتھ رسالت کا خاتمہ ضروری ہے ورنہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص لہٰذا عام کے خاتمہ سے خاص کا خاتمہ از خود لازم آتا ہے۔ کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں جس طرح ذی روح کی نفی سے انسان کی نفی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ اس مطلب کے اثبات کے لئے قرأتوں کا اختلاف مضر نہیں ہے۔

خاتم النبیینؐ کی قرأتوں کا اختلاف مضر نہیں ہے

اور نہ لفظ "ختم" کے طرق استعمال مخل ہیں۔ اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ خاتم النبیینؐ کو قاریوں نے تین طرح سے پڑھا ہے (۱) خاتم النبیین (اسم آلہ) بروزن عالم، یعنی جس سے کسی کو جانا جائے اسی طرح خاتم جس سے کسی چیز کو چھاپا جائے۔ (۲) خاتم النبیین (اسم فاعل) یعنی تمام نبیوں کا آخر۔ (۳) خاتم النبیین (فعل ماضی) یعنی حضرتؐ پہ تمام نبیوں کا خاتمہ ہوا۔ اسی طرح صاحب قاموس نے لفظ ختم کے استعمال کے تین طریقے تحریر کئے ہیں۔ (۱) خَتَمَہٗ اَیْ طَبَعَہٗ یعنی کسی چیز کو چھاپ دیا (۲) خَتَمَہٗ اَیْ بَلَغَ آخِرَہٗ یعنی کسی چیز کے آخری حصہ پہ پہونچا۔ (۳) خَتَمَ عَلَیْہِ یعنی کسی چیز پہ مہر کر دیا۔

مذکورہ بالا قرأتوں میں سے جس قرأت کو بھی اختیار کیا جائے پیغمبر اسلامؐ پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ لازم آتا ہے۔ حتیٰ کہ خاتم (مہر) قرار دینے کی صورت میں بھی۔ اس لئے کہ مہر کسی چیز کو ختم کر دینے کے بعد ہی کی جاتی ہے تاکہ اب اس ملفوف اور محدود شئی میں کوئی اپنی طرف سے اضافہ نہ کر سکے باقی دو معانی تو خود انتہاء اور خاتمہ پر صراحتہً دلالت کر رہے

آدمی ہو تو دین سیکھو

ہیں۔ اسی طرح لفظ ختم کے موارد استعمال بھی اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ حضرت پر سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا۔

احادیث سے ختم نبوت کا واضح ثبوت

قرآنی ثبوت کے بعد احادیث کا ایک طولانی سلسلہ ہے جس سے ختم نبوت کا مسئلہ بلا اشکال واضح ہو رہا ہے۔

(۱) سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یزعم انه نبی الله وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (مشکوٰۃ ص ۴۶۵)

(۲) مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه ترک منه موضع لبنة فطاف بها النظار یتعجبون من حسن بنیانه الا موضع تلک اللبنة فکنت انا سددت موضع تلک اللبنة ختم بی البنیون وختم بی الرسل۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۱)

(۳) انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدهٗ نبی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۵)

(۴) قال رسول الله لعلیؑ انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۳ چھاپ لکھنؤ)

(۱) میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی خدا ہونے کا دعویدار ہوگا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

(۲) میری اور تمام نبیوں کی مثال اس قصر کی ہے جس کی بناوٹ بہت خوب ہو مگر ایک اینٹ کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے اس کا طواف کرتے ہوئے کلمہ تحسین و آفرین زبان پر جاری کر رہے ہوں مگر وہی اینٹ کی خالی جگہ (کو دیکھ کر متحیر ہو جاتے ہیں) میں نے آکر اس خالی جگہ کو پر کر دیا۔ میری ذات پر انبیاء و رسل کا خاتمہ ہوگیا۔

(۳) میں ہی حاشر ہوں یعنی وہ شخص ہوں کہ تمام لوگ میرے سامنے محشور ہوں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

(۴) پیغمبر اسلامؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ "انہ" کی ضمیر کا مرجع علیؑ کی ذات نہیں ہے بلکہ یہ ضمیر شان ہے اسی لئے حضرت نے لاء نفی جنس استعمال کیا ہے ورنہ لیس استعمال فرماتے کما لا یخفی

پیغمبر اسلام کی کامل ترین شریعت خود ختم نبوت کا ثبوت ہے :— احادیث

مذکورہ بالا میں جس شد و مد سے حضرت کے بعد مدعیان نبوت و رسالت کی تردید کی گئی ہے وہ اہل عربیت سے مخفی نہیں۔ لیکن ہمارے پیغمبر کی ہمہ گیر اور کامل ترین شریعت کا وجود ارباب عقل اور صاحبان فکر کو خود سمجھا رہا ہے کہ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے سابق کے تمام انبیاء و رسل اسی شریعت کاملہ "اسلام" کی تمہید تھے جس طرح عالم تکوین چھ دور کے بعد حد کمال کو پہنچا عالم تشریع بھی چھ دور کے بعد اوج کمال پر پہنچا۔ عالم تکوین میں عالم اصغر کی مثال ہمارے سامنے ہے اس کے وجود کا پہلا نقطہ نطفہ[1] ہے پھر علقہ[2] پھر مضغہ[3] پھر عظام[4] پھر اکتساء اللحم[5] پھر خلق آخر[6] غرضیکہ انسانی وجود ان منازل ستہ کو طے کرنے کے بعد مرتبۂ کمال

پہونچا اور مرکز روحانیت قرار پایا (ملاحظہ ہو سورہ مومنون آیت ۱۳) ھکذا عالم اکبر کے تغیرات ستہ کی طرف یہ آیت مشعر ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ۔ (کما فی التفسیر)

صاحبانِ شریعت کے چھ دور

بس اسی انداز پر قدرت نے "عالم شریعت" کو بھی چھ دور کے بعد کامل بنایا آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسٰیؑ عیسٰیؑ۔ محمد مصطفٰےؐ۔ یہی چھ حضرات صاحبان شریعت تھے اور ان کی بعثت "تاسیسی" حیثیت رکھتی تھی ورنہ انبیاء و مرسلین تو اور بھی گذرے ہیں لیکن ان کی بعثت صرف تبلیغی پہلو رکھتی تھی اور وہ انھیں چھ حضرات میں سے کسی ایک شریعت کے تابع اور مبلغ تھے۔ جیسے جناب لوطؑ کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ ان لوطا من المرسلین (یقیناً لوط کا شمار مرسلین میں ہے) اور پھر انھیں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے فامن لہ لوط (پس ابراہیمؑ پر لوط ایمان لائے) معلوم ہوا کہ لوط درجہ رسالت پر فائز ہونے کے بعد بھی مؤسس شریعت نہ تھے بلکہ شریعت ابراہیمی کے تابع تھے۔ اسی طرح قرآن کا فرمان ہے کہ "اِنَّا اَنزلنا التوراۃ فیھا ھدًی ونور یحکم بھا النبیون" (ہم نے توریت کو نور و ہدایت دیکر نازل کیا اسی توریت کے مطابق سب نبی حکم کرتے تھے) یعنی موسٰی کے بعد اور عیسٰی سے قبل کے کل انبیاء توریت کے مبلغ تھے۔ قرآن کے بعد احادیث میں بھی اس دعوٰی کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ:

عن سماعۃ قال قلت لابی عبد اللہ قول اللہ عز وجل فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل فقال نوحؑ وابراھیم وموسٰی وعیسٰی ومحمد قلت کیف صاروا اولوالعزم قال لان نوحًا بعث بکتاب وشریعۃ ومنہاج حتی جاء ابراھیم بالصحف وبعزیمۃ ترک کتاب نوح لا کفرا بہ فکل نبی جاء بعد ابراھیم اخذ بشریعۃ ابراھیم ومنہاجہ حتی جاء موسٰی بالتوراۃ وشریعتہ ومنہاجہ وبعزیمۃ ترک الصحف لا کفرا بہ فکل نبی جاء بعد موسٰی اخذ بشریعۃ موسٰی ومنہاجہ حتی جاء المسیح بالانجیل وبعزیمۃ ترک شریعۃ موسٰی فکل نبی جاء بعد عیسٰی اخذ بشریعۃ عیسٰی ومنہاجہ حتی جاء محمد فجاء بالقرآن وبشریعتہ ومنہاجہ فحلالہ حلال الی یوم القیٰمۃ وحرامہ حرام الی یوم القیٰمۃ۔

(بحار جلد ۶ ص ۲۳۹)

سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے آیۃ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل کی توضیح چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ "اولوالعزم" نوح و ابراہیم و موسٰی و عیسٰی اور محمد مصطفٰے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ حضرات کس وجہ سے الوالعزم ہوگئے فرمایا اس لئے کہ نوح ایک کتاب و شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے اور ان کے بعد جو بھی آیا انھیں کی کتاب و شریعت و دستور العمل پر گامزن ہوا تا اینکہ ابراہیم صحیفوں کو لے کر کتاب نوح کے ناسخ بن کر آئے مگر وہ کتاب نوح کے منکر نہ تھے پھر ابراہیم کے بعد جو نبی آیا وہ شریعت ابراہیم اور ان کے دستور العمل پر عامل رہا یہاں تک کہ موسٰی توریت لے کر صحف ابراہیمی کے ناسخ بن کر آئے مگر وہ صحف ابراہیمی کے منکر نہ تھے پھر موسٰی کے بعد جو نبی آیا

فاطمہ سیرت کے آئینہ میں

سید محمد باقر تھینتھکوری،
متعلم جامعۂ امامیہ تنظیم المکاتب لکھنؤ

تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اچھی طرح اندازہ اور احساس ہو جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا سرفرازی بخشی ہے، پوری تاریخ انسانیت اس بات کی شاہد ہے کہ اسلام کے آنے سے پہلے پوری دنیا میں عورت کو لوگ ذلت و رسوائی کا سرچشمہ سمجھتے تھے اور حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے، لڑکی کی ولادت کو خانوادہ کی تباہی تسلیم کرتے تھے اور یہاں تک کہ یہ لڑکی کی ولادت نہیں بلکہ ہمارے گھر میں ایک مصیبت نازل ہو گئی ہے یعنی رحمت کو زحمت سمجھتے تھے اگر باپ کو بیٹی کی ولادت کی خبر معلوم ہوتی تھی تو نہ صرف چہرہ مرجھا جاتا تھا بلکہ آنکھوں میں خون اتر آتا تھا قرآن مجید جاہل عربوں کی اس حرکت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (الخ)

اور جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جائے تو رنج کے مارے اس کا منھ کالا ہو جاتا ہے اور وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے "شرم کے مارے" اس خوش خبری پر اپنی قوم کے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے" اور سوچتا ہے" کہ آیا اس و ذلت اٹھا کے زندہ رہنے دے یا " زندہ ہی" اس کو زمین میں گاڑ دے دیکھو تو یہ لوگ کس قدر برا حکم لگاتے ہیں (سورۂ نحل) قرآن مجید کی ان آیتوں سے یقینی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جاہل عرب لڑکی کی ولادت پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے تھے اور اس کا زندہ رہنا بھی ذلت کا سبب سمجھا جاتا تھا اور اس قدر بیٹی کو ذلیل و پست سمجھا جاتا تھا کہ باپ اپنی قوم کے لوگوں میں جانے سے شرماتا اور اپنی توہین سمجھتا تھا یہاں تک کہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، مگر اسلام عورت کے لئے سایۂ رحمت اور آغوش شفقت بن گیا، اس جہالت و نادانی اور ظلم و ستم کے خلاف ایسا مضبوط محاذ قائم کیا کہ عورت رسوائی کی علامت کے بجائے عزت کا نشان بن گئی، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ:- اولاد کو قتل نہ کرو "کیوں کہ" ان کو اور تم کو "سب" تو ہم ہی رزق دیتے ہیں بے شک اولاد کا قتل کرنا بہت سخت گناہ ہے اور جس جان کا مارنا خدا نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (بفتوائے شرع) اور جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو قاتل پر قصاص کا قابو دیا ہے لیکن خون کا بدلہ لینے اور قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے) اس طرح اللہ نے عربوں کو ان کی وحشیانہ حرکتوں سے روکا، مرد و عورت کے حدود کو پہنچوایا وہ عورت جس کے ذہن سے عزت نفس کا احساس محو ہو چکا تھا اور جو خود کو ہمیشہ مردوں کے مقابلہ میں پست سمجھتی تھی اسے احساس کمتری کے غار سے نکال کر نئے حوصلوں کی بلند چوٹی پر پہنچا دیا، اور پیغمبر اسلام نے بھی زبانی ہی عورت کے وقار کی بات نہیں کی بلکہ اپنے عمل سے بھی عورت کو اس کا صحیح مقام عطا فرمایا۔ تاریخ کے صفحات پر آج بھی یہ بات محفوظ ہے کہ اللہ نے آپ کو جو بیٹی عطا کی تھی اور جسے سیدۂ نسائے عالمین کے خطاب سے نوازا تھا پیغمبر جب بھی اپنی اس بیٹی کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ پر رک کر پہلے سلام کرتے تھے اس کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے تھے نہیں بلکہ جناب فاطمہ زہرا آپ کی

جنت پابندِ دین کے لئے ہے اور دوزخ نافرمان کے لئے۔ (امام چہارم)

خدمت میں آتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی پوری زندگی اگرچہ مصائب و آلام میں بسر ہوئی مگر ان کی زندگی کا ہر پہلو دنیا کی عورتوں کے لئے بے مثال نمونۂ عمل ہے ایک ایرانی مصنف کے بقول "فاطمہؑ امتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ہر جگہ آزادی و حق پسندی انصاف کے قیام اور ظلم و ستم و نسل پرستی کے خاتمہ کیلئے جد و جہد کرنے والوں کے لئے وسیلۂ الہام رہی ہیں" جناب فاطمہ زہراؑ نے جیسی زندگی بسر کی تاریخ میں کسی نے اس طرح زندگی نہیں گزاری، آپ کی زندگی کا ایک دور جناب پیغمبر اسلامؐ کے تمام ہونے کے ساتھ تمام ہو گیا اور آپ کی زندگی کا دوسرا دور وفات پیغمبرؐ کے بعد شروع ہوتا ہے، آپ مظلوموں اور ستم رسیدہ مرد و زن کے لئے ایک سہارا تھیں۔ طاقت اور فریب کے ہاتھوں پامال ہونے والے حقوق کا ہر مرد و زن کو احساس دلایا، اسی لئے تاریخ اسلام میں آزادی و عدالت کے لئے جد و جہد کرنے والے تمام افراد کے دل میں فاطمہؑ کی یاد اور ان کی محبت صدیاں گزرنے کے بعد بھی باقی رہی اور ظالم حکومتوں کے بے رحم تازیانوں کے سایہ میں پلتی اور پروان چڑھتی رہی۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی زندگی پر روشنی ڈالنا بہت دشوار کام ہے، فاطمہؑ ایک عورت تھیں ایسی عورت جیسی اسلام چاہتا ہے شوہر کے سامنے ایک عظیم المرتبت اور کامیاب زوجہ، بچوں کے لئے ایک بہترین ماں کا نمونہ اور عورتوں کے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہیں، جناب معصومۂ عالمؑ نے اپنے باپ کے گھر میں اور اپنے شوہر کے گھر میں اپنی زندگی اپنے کردار، اخلاق اور افکار سے دنیا کی تمام عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل پیش کیا آج کی کوئی عورت اس طرح حق زوجیت ادا کر سکتی ہے جس طرح فاطمہ زہراؑ نے ادا کیا جس کی ترجمانی مولاؑ کا یہ قول کرتا ہے کہ جب جناب فاطمہ زہراؑ شادی کے بعد علیؑ کے گھر گئیں اور پیغمبر اسلامؐ نے پوچھا یا علیؑ تم نے فاطمہؑ کو کیسا پایا تو مولائے کائناتؑ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے فاطمہؑ کو عبادات اور ذکر الٰہی میں مددگار پایا۔ حضرت علی علیہ السلام فاطمہ زہراؑ کا بیحد احترام کرتے تھے لیکن احترام صرف اس بنا پر ہی نہیں کرتے تھے کہ فاطمہؑ آپ کی زوجہ تھیں بلکہ اس لئے احترام کرتے تھے کہ فاطمہؑ کے وجودِ مبارک میں ایک مخلص دوست اور درد مند ساتھی، عظیم دینی و روحانی ہم سفر کا مشاہدہ کرتے تھے وہ پیغمبر اسلامؐ کی نظر میں اللہ کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز اور آپ کے نور کا ٹکڑا تھیں، کائنات کی عورتوں کی سردار تھیں، آپ کا نسب بھی ارفع و اعلیٰ، روحانیت و تقویٰ کے اعتبار سے بھی بلند و بالا عبادت و علم و دیانت و زہد، ذاتی اور شخصی اعتبار سے بھی عند اللہ بزرگ و برتر، اس کے علاوہ اور بھی لامحدود فضائل ہیں جن کو قلم کرنے کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے غرض کہ ان تمام فضائل و کمالات کا مجموعہ تھیں کہ جن میں سے کوئی ایک فضیلت بھی اگر کسی عورت میں پائی جاتی تو وہ مستحقِ تعظیم ہو جاتی وہ سارے فضائل فاطمہؑ کی ذات میں جمع تھے جو کسی شخصیت کو قابلِ احترام بناتے ہیں جناب مولائے کائناتؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں کبھی بھی فاطمہؑ سے ناراض اور خفا نہیں ہوا اور نہ فاطمہؑ کا کوئی فعل مجھ کو ناگوار ہوا یہاں تک کہ فاطمہؑ اس دنیا سے رحلت کر گئیں اس حالت میں کہ نہ مجھ کو ناراض کیا نہ میری کبھی نافرمانی کی جب بھی فاطمہؑ کو دیکھتا تھا تو میرا حزن و ملال دور ہو جاتا تھا۔

فاطمہ زہراؑ کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی کو نمونۂ عمل بنا لیا جائے تو ایک خوشگوار، مطمئن اور کامیاب زندگی بسر کی جا سکتی ہے

جو دنیا میں پابندِ دین ہوں گے وہی جنت کے مکین ہونگے۔

لیکن اپنے اردگرد کے ماحول کا مشاہدہ کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ قبل اسلام کی برائیوں نے پھر جنم لے لیا ہے رسم و رواج کی زنجیروں نے پھر جکڑ لیا ہے، بے پردگی بلکہ بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ باپ بیٹی کو بے پردہ ساتھ لے کر شارع عام پر نکل سکتا ہے، ایک ساتھ سینما ہال میں یا ویڈیو پر گھر میں فلمیں دیکھی جاتی ہیں ماں بیٹی کے ساتھ سڑک پر چلی جا رہی ہے چلنے کا انداز بھی نرالا ہے کہ بوڑھی ماں کے سر پہ برقعہ ہے لیکن ساتھ میں جوان بیٹی بے پردہ ہے اور ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کہ ہم فاطمہ زہراؑ کے ماننے والے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم فاطمہ زہراؑ کی سیرت کو صرف پڑھتے اور سنتے ہیں مگر اسے قابل عمل نہیں سمجھتے جب شہزادی کونین ع تو یہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو پردہ سب سے زیادہ محبوب ہے اور آپ کی محبت کا دم بھرنے والے پردہ سے نفرت کرتے ہیں آخر یہ کیسی محبت ہے۔ سوچنا چاہئے کہ آج تک جب کہ فاطمہ زہراؑ کی وفات کو چودہ سو سال پورے ہو گئے ہیں کوئی بھی آپ کی زندگی میں نقص نہیں نکال سکا بلکہ آپ کی زندگی کو ایک بہترین نمونۂ عمل تسلیم کیا گیا۔ کیا زمانے کی دوری کے ساتھ ہی ہم بارگاہِ زہراؑ سے دور نہیں ہوتے جا رہے ہیں؟ ہماری بداعمالیاں بڑھتی نہیں جا رہی ہیں؟ اور کیا یہ محبت فاطمہؑ سے بغاوت نہیں ہے؟ ــ اگر دنیا کی عورتیں اپنے مقام و منزلت کو پہچاننا اور دنیا سے اپنا وقار تسلیم کرانا چاہتی ہیں تو ضروری ہے کہ زندگیٔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مطالعہ کریں اور ان کی حیات طیبہ کی روشنی میں قدم آگے بڑھائیں۔

بقیہ صـ ۹۷ کا

کافی ہے لہذا آپ نے بھی کتاب خدا سے استدلال پیش کیا اور حدیث کا سہارا نہیں لیا تاکہ انکا وہ دعویٰ بھی کھل کر سامنے آجائے اور قرآنی احکام پر بھی ان کا ظلم دنیا دیکھ لے ــ اور دنیا نے دیکھا بھی کہ کتاب خدا کو کافی کہنے والا حدیث کا سہارا لیتا ہوا نظر آیا اور خود صاحبِ حدیث کی بیٹی نے قرآنی احکام کے ذریعہ احتجاج کیا۔ اور دربار میں آکر فرمایا کہ تو میرے باپ کی میراث سے مانع ہے جبکہ قرآن کہتا ہے کہ "سلیمان داؤد کے وارث ہوئے"۔ سورہ النمل[۱۶]۔ اور اس کے بعد آپ نے ایک دو نہیں بلکہ پانچ آیات قرآنی کے ذریعہ ثابت کیا کہ میرے باپ کا سارا چھوڑا ہوا مال و متاع میرا حصہ ہے، لیکن ظلم کے متوالوں نے آپ کی ایک نہ سنی اور بھری ہوئی مسجد میں آپ کے ساتھ ساتھ رسولؐ، قرآن اور اللہ تعالیٰ پر بھی صریحی ظلم کیا۔

یہ بات بھی قرآن و سنت، عقل و مشاہدہ و تجربہ ہر اعتبار سے ثابت ہے کہ ہر ظالم کو ایک نہ ایک دن اپنے ظلم کا مزہ چکھنا ہے اور اپنے وقتی قہقہوں پر پشیمان ہونا ہے ــ لہذا ان لوگوں نے جنھوں نے فاطمہ زہراؑ پر ظلم کیا وہ بھی ایک نہ ایک دن اس ظلم کا بدلہ دیکھیں گے۔ اور شاید اسی ظلم کے بدلہ کیلئے عادل حقیقی پروردگار کا آخری نمائندۂ عدل پردۂ غیب میں باقی ہے، جو خود اسکے پہلو میں تڑپتی ہوئی ذوالفقار، تمام مومنین کے قلوب اور ہر انصاف دوست پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں اس مقدمہ کا فیصلہ چاہیئے! ہمیں عدل چاہیئے!!

ہمیں انصاف چاہیئے!!!

کبھی تم دشمن کے لئے بد دعا کرتے ہو اور گناہوں کی وجہ سے خدا ہی تمہارا دشمن ہوتا ہے (امام نہم)

فاطمہؑ ـــ معاونِ نبیؐ و محافظِ علیؑ

کمیل اصغر۔ متعلم جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب

جناب فاطمہؑ کی ذات گرامی کسی بھی مسلمان کے لئے محتاجِ تعارف نہیں ہے بلکہ انکی ذات آیۂ تطہیر کے نزول کے وقت نبوت و امامت دونوں کے تعارف کا ذریعہ قرار پائی۔ آپکی ولادت باسعادت اس دور میں ہوئی جب لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ لیکن اس رواج کے برخلاف رسولؐ آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کو اپنا ٹکڑا قرار دیا۔ بچپنے میں آپؑ سایۂ مادری سے محروم ہو گئیں تو اس کے بعد رسول اکرمؐ نے اس قدر محبت و شفقت دی کہ آپ کو آغوشِ مادری سے محرومی کا احساس نہ ہونے دیا۔ جس طرح رسولؐ آپ سے محبت فرماتے تھے اسی طرح آپ بھی رسولؐ سے محبت رکھتی تھیں ایک مرتبہ جب رسولؐ وعظ کے لئے جا رہے تھے تو ایک کافر نے آپکے اوپر مٹی ڈال دی جب آپؐ گھر واپس آئے تو جناب فاطمہؑ آپکا سر دھوتی جاتیں اور گریہ کرتی جاتی تھیں رسولؐ نے تسلی دی اور فرمایا، بیٹی غم نہ کرو۔ تیری حفاظت کے لئے خدا موجود ہے۔ یہ رسولؐ کی مکی زندگی کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ تبلیغ میں آپؐ پر کیا مصائب پڑے اور ان میں جناب فاطمہؑ کس طرح آپکی شریکِ غم اور ہر غم کے مداوا کی صورت میں موجود تھیں۔

اس واقعہ کے وقت آپکی عمر صرف ۶ سال تھی۔ پھر جب رسولؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تب بھی آپ رسولؐ کی ہر قدم پر مدد کرتی رہیں اور ایک ایسا ذمہ دارانہ کردار پیش کر دیا جس سے نبوت کی تبلیغ میں ممکنہ رخنہ پُر ہو گیا۔

جنگِ احد میں جب آپ کو یہ خبر ملی کہ آپکے بابا شہید کر دیئے گئے، تو چادر اوڑھ کر آپ صفیہ بنت عبد المطلب اور قریش کی دوسری عورتوں کو ساتھ لیکر رسولؐ تک پہونچیں۔ اس وقت تک حضرت علیؑ مسلمانوں کی شکست فاش کو فتح میں تبدیل کر چکے تھے۔ اور رسولؐ کی حفاظت میں مصروف تھے۔ حضرت علیؑ ڈھال میں پانی بھر کر لائے، رسولؐ کے زخموں پر پانی ڈالا اور جناب فاطمہؑ گریہ کرتی جاتی تھیں اور زخموں دھوتی جاتی تھیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے آپ کو اپنی تلو دی آپ نے اس کو بھی دھویا۔ یہ واقعہ مدینہ کی زندگی کا ہے اور اس وقت آپکی شادی حضرت علیؑ سے ہو چکی تھی اور امام حسنؑ پیدا ہو چکے تھے۔ آپکا یہ عمل بچپنے کے اس عمل سے کس قدر مشابہ ہے کہ جب آپ نے رسولؐ کے سر سے کافروں کی ڈالی ہوئی مٹی صاف کی تھی۔ یعنی جس طرح آپ بچپن میں نبوت کی مددگار تھیں ویسے ہی شادی کے بعد اپنے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ امامت کے لئے سہارا تھیں ـــــ یعنی اب دوہری ذمہ داریوں کا بار سنبھالے تھیں۔

آپ نے رسول اکرمؐ کو تبلیغ رسالت میں جو تعاون دیا وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے بلکہ رسول اکرمؐ خود بھی آپ کو اس مہم میں ساتھ رکھتے تھے۔ میدان مباہلہ میں جب رسولؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کے لئے طلب کیا تو صرف آپکی ذات جسکو

تمہارا دشمن صرف وہ ہے جو دین کا دشمن ہو۔

رسولؐ عورتوں کی جگہ اپنے ساتھ لے گئے۔ یعنی قرآنی اعلان نساءنا کا فاطمہؑ کے علاوہ کوئی دوسرا مصداق نہ تھا ورنہ رسولؐ آپکے علاوہ دوسری بی بی کو لیجاتے جب یہ پنجتن پاک میدان مباہلہ میں پہونچے تو جس طرح حضرت رسول خدا و حضرت علیؑ و حضرت حسنینؑ کا چہرہ دیکھ کر نصاریٰ پر رعب طاری ہوا اسی طرح وہ حضرت فاطمہؑ کو پردہ اور چادر میں دیکھ کر مرعوب ہوئے تھے اس سے آپکی ہیبت و جلالت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے آج دور جہالت و بے دینی میں وہ وقت آگیا ہے کہ کل آپکی جس چادر سے آپکا وقار تھا اور آج اسی چادر کو آپکی کنیزی کی دعویدار خواتین ترقی میں مانع اور باعث ننگ و عار تصور کرتی ہیں۔ لیکن آپ نے یہ درس دیا کہ پردہ کی حالت میں میدان جنگ اور میدان مباہلہ دونوں مرحلے سر ہو سکتے ہیں۔ اور جس طرح سے گھر کی چہار دیواری میں رہ کر تبلیغ رسالت میں تعاون دیا جا سکتا ہے اسی طرح وقت ضرورت گھر سے باہر بھی نبوت کو سہارا دیا جا سکتا ہے۔ اور دونوں طرح پردہ محفوظ رہ سکتا ہے بلکہ پردہ کی حفاظت بھی رسالت ہی کی حفاظت و اعانت ہے۔

جناب فاطمہؑ کی ذات گرامی عورتوں کے لئے ایسا نمونہ عمل ہے جس میں کسی بھی رخ سے کوئی کمی نہیں ہے بلکہ جس طرح مردوں کے لئے خود رسولؐ اور حضرت علیؑ مکمل نمونہ عمل ہیں اسی طرح جناب فاطمہؑ ہیں کہ آپ بیٹی، زوجہ، ماں، بہو اور مالکہ یعنی عورت کی زندگی کے ہر پہلو کو روشن کرکے تبلیغ رسالت میں تمثیل عمل کی ممکنہ کمی کو پورا کر دیا۔

جب رسول اکرمؐ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو پوری امت مسلمہ آپکے غم سے نڈھال تھی اور جناب فاطمہؑ کی حالت تو بے حد غیر تھی۔ اپنے بابا کے غم میں رویا کرتی تھیں اور انکا ماتم کرتی رہتی تھیں آپکو وفات رسولؐ کے بعد کبھی ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا! یوم وفات سے ہفتہ بھر تک مسلسل آپ گریہ کرتی رہیں اور آٹھویں روز قبر نبیؐ پر جا کر نوحہ کیا۔ رسولؐ کے غم میں از حد ملول تھیں جسکا اندازہ آپکے نوحوں اور مراثی سے ہوتا ہے۔ حالات کے ساتھ ساتھ آپکے یہ نوحے شکایات میں تبدیل ہو گئے اور آپ نے بابا سے فریاد کی۔ کیونکہ یکایک زمانہ نے آل نبیؐ کے خلاف کروٹ لی تھی حتیٰ کہ نبیؐ کی میت کو چھوڑ کر لوگوں نے سقیفہ بنی ساعدہ کا رخ کیا اور نبیؐ کے تاکیدی حکم اور اعلان کے باوجود علیؑ کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر انکی جگہ دوسرے کو خلیفہ بنا دیا بلکہ حضرت علیؑ کے بقول زبردستی پیراہن خلافت پہن لیا اس کا مقصد علیؑ کی خلافت چھیننا ہی نہیں تھا بلکہ اصل میں حضرت علیؑ کے ذریعہ طاقت پاکر مستحکم ہو جانے والے اسلام کو نیست و نابود کرنا تھا۔

خلافت چھننے کے بعد حضرت علیؑ کے لئے دو ہی صورتیں تھیں یا تو جنگ سے خلافت حاصل کریں یا یہ کہ ایک خاموش زندگی گزار دیں۔ ان دونوں صورتوں میں اسلام پر ضرب کاری پڑنا یقینی بات تھی۔ اور دشمنوں کا پہلا مقصد یعنی اسلام کو نیست و نابود کرنا تو پورا ہو ہی رہا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ حضرت علیؑ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ حضرت علیؑ شہید ہو جائیں گے تو پھر اسلام خود بخود فنا ہو جائیگا جس کا بہانہ یہ تراشا گیا کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کرو ظاہر تھا کہ وہ بیعت نہ کریں گے لہذا ان کو قتل کر دیا جائیگا۔ اور حضرت علیؑ کی وجہ سے اسلام کے استحکام کا جو خوف لاحق ہے وہ ختم ہو جائیگا ——— لہذا حضرت علیؑ نہ تو جنگ کر سکتے تھے اور نہ خاموش بیٹھ سکتے تھے مسلمانوں کی خانہ جنگی سے بچنے کے لئے آپ نے بہرحال جنگ پر خاموشی کو ترجیح دی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ دشمن آپکو خاموش بھی نہ بیٹھنے دیگا۔ لہذا اپنے حق کا واضح اظہار کرکے اس کو طلب کیا تاکہ دنیا پر حجت تمام ہو جائے اور

برائی کا جواب برائی سے دو گے تو بھلائی مٹ جائیگی۔

جو اکفرانِ نعمت ہے۔ (امام ششم)

ظلم آشکار ہو جائے اور آنیوالا زمانہ یہ نہ کہہ سکے کہ حق تھا تو طلب کیوں نہ کیا؟۔ اور عدم طلب کو دلیل بنا کر دشمن اپنے کو حق پر ثابت نہ کرسکیں۔ اس موقع پر جناب فاطمہؑ نے حضرت علیؑ کو بھرپور تعاون دیا آپ حضرت علیؑ کے ساتھ گھر گھر جاتیں اور سب سے علیؑ کے حق میں مدد کے لئے کہتیں۔ آپ نے اس دوران بہت سے خطبے دیئے جو بالکل خطب نہج البلاغہ سے مشابہ ہیں اور ایسے مباحثے کئے کہ کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا یہ اور بات ہے اسکے بعد بھی آپکی کسی نے مدد نہ کی۔

ثمرۃ النبوہ المعروف بہ دلِ زہراؑ میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا قول نقل ہے کہ "حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ چند مسلح افراد کو لیکر جاؤ اور قتال کرکے ان لوگوں کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دو اور علیؑ کو گرفتار کر لاؤ"۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسلح افراد آگ لیکر خانۂ جناب سیدہؑ پر پہونچے۔ حضرت نے کہا علیؑ چل کر بیعت کرو ورنہ گھر میں آگ لگادینگے حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ تو جناب فاطمہؑ حضرت عمر سے مخاطب ہوئیں کہ تم نے ہم کو گھر میں بھی چین نہ لینے دیا اور وصیت رسولؐ یاد دلائی نیز اس حرکت سے باز رہنے کو کہا۔ مگر انہوں نے نہ وصیت کا لحاظ کیا اور نہ کسی اور کی پرواہ کی اور گھر میں آگ لگادی اور دروازہ گرنے سے جناب فاطمہؑ زخمی ہوگئیں اور جناب محسنؑ شہید ہوگئے۔ اور زبردستی گھر میں گھس کر حضرت علیؑ کو کھینچ کر خلیفۂ اول کے پاس لے گئے جناب فاطمہؑ مقنع و چادر اوڑھ کر وہاں پہونچیں اور مجمع اصحاب میں حاکم کا نام لیکر فرمایا کہ تم مجھے بیوہ اور میرے بچوں کو یتیم کرنا چاہتے ہو۔ اور کہا کہ میں اپنے گیسو پریشان اور گریبان چاک کردونگی۔ یہ کہہ کر بددعا کے لئے مسجد نبویؐ کا رخ کیا۔ مگر حضرت علیؑ نے جناب سلمانؓ کو بھیج کر کہلوایا کہ آپ گھر جائیں تب آپ گھر واپس ہوگئیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ مجھے کیوں طلب کیا ہے تو حضرت عمر نے کہا کہ سب کی طرح آپ بھی بیعت کریں۔ آپ نے بیعت سے انکار کرکے دلائل سے اپنا حق ثابت کیا۔ مگر حضرت عمر نے کہا کہ بیعت کرو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے تو آپ نے فرمایا کہ ایک بندۂ خدا اور برادر رسولؐ کے قاتل قرار پاؤ گے۔ پھر رسولؐ کی قبر کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ اے رسولؐ خدا امت نے مجھے کمزور کر دیا اور میرے قتل پر آمادہ ہے۔ تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے جواب میں کہا کہ جب تک فاطمہؑ علیؑ کے پہلو میں ہیں مجھے قتل کا حکم دینے میں ہمت نہیں ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر کے اس فقرہ سے جناب فاطمہؑ کی عظمت اور ہیبت و جلالت کا صاف اندازہ ہوتا ہے۔

آپکا حد درجہ گریہ کرنا صرف اپنے بابا کی محبت ہی میں نہ تھا بلکہ اس میں بھی ایک عظیم مصلحت پوشیدہ تھی۔ آپ کے گریہ کی آواز جب اس وقت لوگوں کے کانوں میں پڑتی تھی اس سے انکے مظالم اور زیادہ نمایاں عیاں ہوتی تھیں اور پھر کسی ظالم کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ حضرت علیؑ کو کوئی گزند بھی پہونچائے آپ کے دن رات ایک کرکے رونے سے دشمنوں کا دم گھٹنے لگا اور دنیا پر عیاں ہوگیا کہ آپ پر کیا بیت گئی اسی وجہ سے حضرت علیؑ سے کہا گیا کہ آپ فاطمہؑ سے کہہ دیجئے دن میں رویا کریں یا رات میں گریہ کناں ہوں۔ اس کے بعد جناب فاطمہؑ حضرت علیؑ کے کہنے پر صبح کو جنت البقیع جاکر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر دن بھر گریہ کرتی تھیں۔ لیکن ظالموں نے اسے بھی کاٹ ڈالا۔ تو جناب فاطمہؑ نے حضرت علیؑ سے کہہ کر ایک عزاخانہ بنوایا جس کو بیت الحزن کہا جاتا ہے آپ نے بیت الحزن نہیں بنوایا تھا بلکہ اپنے بعد کے لئے حضرت علیؑ کی حفاظت کے لئے ایسا محاذ بنوایا کہ دشمن ہمیشہ کے لئے ہزیمت خوردہ ہوگیا

جوا غلامی کا جوا ہے آزاد رہنا ہے تو اسے اتار پھینکو۔

ان گھروں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں جن میں گانا بجانا ہوتا ہے (امام ششم)

اور آپ نے اس محاذ پر جس اسلحہ کو استعمال کیا وہ گریہ تھا اس طرح دنیا کو ایک نیا اسلحہ بھی دے دیا۔ اب جب بھی کوئی آپکی زندگی کے آخری ایام پر نظر کریگا تو بیت الحزن پر نظر جائیگی جناب فاطمہ زہراؑ نے شب و روز گریہ کر کے آنسوؤں کے سیلاب سے خلافت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور تاریخ کے صفحات پر اپنی مظلومی نقش کر دی۔

فدک رسولؐ نے اپنی زندگی میں جناب فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا اور آپکی حیات ہی میں جناب فاطمہؑ کے تحویل میں آچکا تھا اور آپکے کارندے اس پر مقرر تھے۔ لیکن اس عظیم باغ کی کثیر آمدنی آپ فقراء و مساکین میں ہی تقسیم کر دیتی تھیں اور خود فاقہ سے رہتی تھیں۔ لیکن رسول اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ سے خلافت چھین لی گئی اور چونکہ آلِ رسولؐ تمام کمالات کا مجموعہ تھے اور زمانے میں کوئی انکے مثل نہ تھا۔ اور عرب میں اس وقت آج کی طرح تیل بھی نہیں نکلا تھا کہ جس کے پسِ پردہ تمام عیوب کے ساتھ حکومت باقی رہ جاتی اور بغیر دشواری کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ قائم رہتے۔ حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں ایسا کوئی کام کر سکنے کا امکان نہ تھا۔ وہ اہل حق کا حق انھیں کے قبضہ میں رہنے کے ضمانتدار تھے جیسا کہ ان کے دورِ خلافت کے واقعات شاہد ہیں۔ اس لئے فدک جو جناب فاطمہؑ کی ملکیت تھا اس کو مسلمانوں کا حق قرار دیکر مع اموال خمس کے ضبط کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے چند مقاصد تھے۔ ۱۔ اہلبیتؑ کے جود و سخا کو ختم کرنا تاکہ لوگ انکی طرف مائل نہ ہوں۔ کیونکہ فدک کی آمدنی کثیر تھی ۲۔ یہ کہ جب خود محتاج ہونگے تو ہماری اطاعت کرینگے۔ ۳۔ جب اسکو مسلمانوں کا حق بتایا جائیگا تو وہ ہم کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر ہمارے خیر خواہ ہو جائیں گے ۴۔ یہ کہ اس سے حضرت علیؑ کی خلافت کا دعویٰ دب جائیگا۔ ۵۔ یہ کہ اس کی آمدنی سے حکومت چلانے میں پریشانی نہ ہوگی آخری مقصد کے لئے فدک کے علاوہ ضبط خمس میں بھی در پردہ یہی مصالح کار فرما تھے۔

جب جناب فاطمہؑ کو اس کی اطلاع ملی کہ فدک پر قبضہ کر لیا گیا تو آپ نے مسجد نبوی میں پہونچ کر خلیفہ سے اپنے حق کا مطالبہ کیا چونکہ آپکا قبضہ تھا اس لئے ثبوت خود خلیفہ کو دینا چاہیئے تھا لیکن احکام اسلام کے برخلاف آپ سے ثبوت مانگا گیا تو آپ نے رسولؐ کی دستاویز سامنے رکھ دی جسکی بے حرمتی کی گئی اور اس کو ضائع کر دیا گیا۔ آپ نے مسلسل ایسے استدلالات پیش کئے کہ جسکے جواب سے وہ عاجز تھے جب دستاویز ضبط ہوگئی تو آپ نے گواہ پیش کئے اور پھر اس کے بعد میراث کا دعویٰ کیا جس کی رد کے لئے قرآن مجید کی واضح آیات کے برخلاف خلیفہ اول نے خود حدیث وضع کر کے دلیل دی۔ یعنی یہ بھی عجب تضادیت ہے کہ ایک شخص جو خود بھی ایک فریق ہو وہ تنہا راوی ہو کر قرآن مجید کے خلاف بیان دے مگر رسولؐ کی تحریر کافی نہ سمجھی جائے۔

جناب فاطمہؑ نے دعویٰ فدک کر کے ان کے ایک اور ظلم کو بے نقاب کر دیا اور اس کے متعلق آپکے مکالمات خلافت کے لئے وبال جان بن گئے کہ جن سے انکی ہمتیں اور پست ہو گئیں۔ نیز آپ نے آنے والے زمانہ کو یہ کہنے سے خاموش کر دیا کہ فدک جناب فاطمہؑ کا حق نہ تھا بلکہ صرف مسلمانوں کا حق تھا اسی لئے فاطمہؑ نے طلب نہیں کیا۔

اپنے بابا کے نوحہ و ماتم اور ظالمین کے ڈھائے ہوئے مصائب سے جب آپ بالکل لاغر بلکہ مریض ہو گئیں تو امیر و مشیر آپکی مزاج پرسی کے لئے آئے مگر آپ نے ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دی ناچار حضرت علیؑ کے پاس جا کر کہا کہ ہم مزاج پرسی کرنا چاہتے ہیں آپ انکو لیکر آئے اور جناب فاطمہؑ سے ان کے لئے اجازت طلب کی لیکن آپ نے پھر منع کر دیا مگر

سب سے ناطہ توڑو۔ خدا سے رشتہ جوڑو۔

برزخ کا انتظام کرو شفاعت برزخ کے بعد ہوگی (امام ششم)

حضرت علیؑ کے کہنے پر آنے کی اجازت تو دے دی مگر جب وہ آپکے سامنے آئے تو آپ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا اور تاریخ میں واضح طور پہ نقش کر دیا کہ میں ان سے خوش نہیں ہوں اور پھر آپ نے زبان سے بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور آخر انھوں نے معافی طلب کی۔ اگر انکی جرأت آپ کو اذیت دینے تک رہتی تو شاید آپ انکی غلطی معاف کر دیتیں مگر قتل حضرت علیؑ کا ارادہ ایک ایسا جرم تھا جس کے لیئے آپ نے ان سے اپنا منہ پھیر لیا اور غلطی معاف نہ کی بلکہ بار بار تاکید کر کے کہا کہ میں ہرگز معاف نہ کرونگی اور ہر نماز کے بعد بددعا کرتی رہوں گی۔ اس طرح جناب فاطمہؑ نے حضرت علیؑ یعنی اسلام کی حفاظت میں جو محاذ بنایا تھا اس میں فدک کے ساتھ ساتھ مزاج پرسی کے واقعہ کا ایک اور مضبوط مورچہ قائم کر دیا کہ جس سے آپکی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ کی حفاظت ہو سکے۔

جناب فاطمہؑ نے نبیؐ کی آغوش میں پرورش پا کر نبی کو ایسا تعاون دیا کہ اسلام کو اپنی آغوش میں پروان چڑھایا اور حضرت علیؑ کے گھر میں علیؑ کی حفاظت کر کے اسلام کو ابدی حیات بخش دی ــــ یعنی رسولؐ کی زندگی میں شریکۃ الرسولؐ بنکر رہیں اور رسولؐ کی وفات کے بعد

شریکۃ الامامؑ ــــ!!

بقیہ صـ ۹۹ کا

کو دیکھتا تو میرا تمام حزن و ملال دور ہو جاتا۔

جس طرح ایک زوجہ کو اپنے شوہر کے لیے عبادتِ خدا اور مقصد زندگی میں مددگار ہونا چاہیئے جناب فاطمہؑ حضرت علیؑ کے لئے مددگار اور مساعد تھیں چنانچہ رسولؐ اسلام نے جب حضرت علیؑ سے یہ دریافت کیا کہ (فاطمہؑ کو کیسا پایا تو حضرت علیؑ نے یہ جواب دیا کہ عبادتِ خدا میں معین و مددگار پایا)

تربیت اولاد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جس بلند منزلت پر جناب فاطمہؑ فائز ہیں کائنات کی کسی عورت کو اس پر ذرہ برابر فضیلت حاصل نہیں ــــ آپ ہی کی اولاد میں بارہ ۱۲ امامؑ ہیں جو تاقیامت کائنات کے لیے رہبر و ہادی ہیں آپ ہی کی اولاد میں جناب زینبؑ و جناب ام کلثومؑ تھیں جن کی نظیر کائنات میں نہیں۔ الغرض ہر اعتبار سے جنابِ فاطمہؑ کی ازدواجی زندگی کامیاب، بے نظیر اور نمونۂ عمل زندگی ہے۔

صـ ۱۲۰ کا بقیہ

کارنامہ کے طور پر ذکر ہے لکھنے والوں کو اس وقت پتہ نہ تھا کہ آئندہ چھان بین سے چھپی حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی جناب فاطمہ کو رونے تک سے منع کیا گیا۔ باپ کی رحلت کے بعد پچھتر دن صرف زندہ رہیں شیخین سے اتنا ناراض رہیں کہ صحیح کا یہ جملہ ہے لم تتکلم حتی ماتت مرتے دم تک ان سے کلام نہیں کیا کون ناراض اٹھا جس کے لئے رسول نے فرمایا اللہ اس سے غضبناک ہوتا ہے جو فاطمہؑ کو غضبناک کرے اور اس سے راضی و خوش ہوتا ہے جو فاطمہؑ کو راضی و خوش رکھے ــــ

خدا دوستانِ فاطمہ زہراؑ میں اپنا شمار فرمائے

بے عمل کا برزخ نمونۂ دوزخ

واجب کا ادا کرنا اور حرام سے بچنا ہی تقویٰ ہے (امام ششم)

اگر روشن دنوں پر پڑتے تو.....

از: سید محمد جعفر رضوی ماہلی

"صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّہَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا"

ترجمہ:- میرے اوپر اتنے مصائب پڑے کہ اگر روشن دنوں پر پڑتے تو وہ کالی راتیں ہو جاتے۔ (سیدہ عالمینؑ)

رسولؐ مقبول جیسے باپ کے یہاں پیدائش، دنیا کے عظیم شخص یعنی حضرت علیؑ سے شادی، حسنؑ و حسینؑ، جناب زینبؑ، ام کلثومؑ کی ماں ہونے کا فخر، انکے ساتھ رہنے سے کنیز جناب فضہ کی قرآن فہمی، آیۂ تطہیر، حدیث کساء اور آیۂ مباہلہ اور سورۂ دہر کا آنا، سرورِ کونینؐ جنکے گھر میں داخل ہونے کا اذن لیں اور جن کی تعظیم کے لئے اٹھیں، فرشتے جن کے گھر میں آنے پر فخر کریں، جنکے حکم سے رضوانِ جنت حسنینؑ کے لئے خیاط بن کر آئے، جنکا نام خود خدا نے رکھا اسکے علاوہ جنکے فضائل بے شمار ہوں اور جنکا احاطہ نہ کیا جا سکے ـــــ یہ فریاد اس خاتونِ جنت کی ہے۔ جناب فاطمہؑ نے اپنے دکھ درد کی ساری داستان سنا دی ہے صرف ایک ہی شعر میں جب کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صرف جناب فاطمہؑ ۴۰ دن یا ۴۵ دن یا دو مہینے جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں بسند عائشہ و جابر بیان کیا ہے یا ۷۰ دن جیسا کہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ابن بریدہ سے نقل کیا ہے یا ۷۲ دن یا ۷۵ دن یا تین مہینے اور علامہ محسن الامین کے نزدیک جناب فاطمہؑ کا انتقال آنحضرتؐ کے ۹۵ دن بعد ہوا۔ ان سب روایتوں میں سب سے زیادہ ۹۵ دن ہوتے ہیں یعنی اسلام کے ماننے والوں اور آنحضرتؐ کے چاہنے والوں نے آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ۹۵ دن کا بھی انتظار نہ کیا اور صرف ۹۵ دنوں میں فاطمہؑ پر اتنے مصائب توڑ دیئے کہ جناب فاطمہؑ کو مرثیہ کہنا پڑا اور یہ کہنا پڑا کہ "میرے اوپر اتنے مصائب پڑے کہ اگر روشن دنوں پر پڑتے، تو وہ کالی راتیں ہو جاتے"۔

اب اس قول کے بعد دیکھنا ہے کہ جناب فاطمہؑ پر کیا کیا مصائب ہوئے۔

آنحضرتؐ کا انتقال ہی سب سے بڑا سانحہ ہے پھر انکے جنازے میں لوگوں کا شامل نہ ہونا پھر حضرت علیؑ کو خلافت کا نہ دیا جانا، آنحضرتؐ کو قلم دوات نہ دیا جانا اور معاذ اللہ ان پر ہذیان کا الزام لگایا جانا، پھر باغ فدک پر ایک جعلی حدیث گڑھ کر قبضہ کیا جانا، جناب فاطمہؑ کے دروازہ پر آگ اور لکڑی کا جمع کیا جانا اور دروازہ توڑ کر معصومہؑ کے پہلو پر گرایا جانا اور اس صدمہ سے جناب محسنؑ کا شہید ہو جانا، علیؑ کے گلے میں رسی کا باندھا جانا اور مجبور ہو کر جناب فاطمہؑ کا یہ کہنا کہ ابو الحسنؑ کو چھوڑ دو ورنہ میں سر کے بال کھولے دیتی ہوں، خود معصومہ کونینؑ کا قبر نبیؐ کے پہلو میں دفن نہ کیا جانا، اپنے پدر بزرگوار پر نالہ و شیون کرنے سے روکا جانا۔ یہ اور اسی طرح کے بے شمار مصائب صرف ۹۵ دنوں میں جناب فاطمہؑ پر پڑے جب ہی تو معصومہؑ کو مرثیہ کہنا پڑا۔

گناہ کے زہر کا علاج توبہ کے تریاق سے کرو۔

رسولِ خداؐ کا ابھی انتقال ہوا ہے اور سقیفہ میں خلافت کی جوڑ توڑ چل رہی ہے اور اس میں آخر کار "مشیر" نے "امیر" طے کرا لیا۔ جب کہ اسلام کے محسن اور مسلمانوں کے باپ کے جنازہ میں چند حضرات ہی شریک ہوئے پھر علیؑ کی طرف لوگ مڑے اور ایک ہفتہ کے اندر ہی ان سے بھی بیعت کا مطالبہ شروع کر دیا گیا اور علیؑ کا یہ کہنا کہ اگر کوئی علم قرآن جاننے والا، فقیہہ دینِ خدا، عالم سنت رسولؐ، صاحبِ اطلاعِ امورِ رعایا، عادل و منصف، رعایا سے ان کی تکالیف دور کرنے والا ہے، تو وہ صرف ہم ہیں لیکن اس پر بھی لوگوں نے خلیفۂ رسولؐ کی بیعت نہیں کی پھر حضرت علیؑ کے دروازے پر آکر آواز دی گئی کہ باہر آئیں ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ پھر لکڑیاں منگائی گئیں اور کہا گیا کہ تم لوگ باہر نکل آؤ۔ ورنہ اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔ اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہؑ بنت رسولؐ ہیں۔ جواب دیا گیا کہ ہوں، مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے۔ (کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص۱۳ ابن قتیبہ وغیرہ)

اس صریحی ظلم کے بعد خلافت کے ایوان عدالت میں جناب فاطمہ زہراؑ کے مقدمہ کی سماعت اور اس کا فیصلہ ہے جو دنیائے فصل و قضا کی عجیب و غریب سماعت اور عجیب و غریب فیصلہ ہے۔ جناب فاطمہؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فدک ان کو ہبہ کیا ہے۔ اور خمس، خیبر، اقطاعِ حوالیِ مدینہ میں انکا حصہ بطور وارث کے ہے۔ یعنی ترکۂ رسولِ خداؐ کی وہ حقدار ہیں۔ عدالت نے ہبہ کے متعلق فاطمہؑ سے کہا کہ ہم تمہارے بیان کو سچا نہیں جانتے (یعنی جس کے بیان کو اللہ نے سچا سمجھا انکے بیان کو مدعیانِ حکومتِ اسلامی سچا جاننے سے انکار کر رہے تھے) لہذا گواہ پیش کرو۔ وراثت سے انکار نہیں کر سکتے تھے انکے متعلق کہا کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے "ہم گروہِ انبیاء نہ تو کسی کا ورثہ لیں، اور نہ کوئی وارث ہمارا ترکہ لے سکتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔" (صواعق المحرقہ ابن حجر مکی باب الاول فصل الخامس ص۳۴ وغیرہ)

فیصلہ تو جناب فاطمہؑ کے حق میں دیا گیا اور ایک دستاویز بھی لکھ دی گئی لیکن اچانک حضرت فاطمہؑ سے وہ دستاویز لیکر چاک کر ڈالی گئی اور کہا گیا کہ جناب فاطمہؑ کا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے (علی بن برہان الدین انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث ص۳۹ مطبوعہ مصر) اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کیا گیا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا لہذا ہبہ کا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور حدیث لَا نُوَرِّثُ موجود ہے لہذا میراث ثابت نہیں۔ کاش کہ دستاویز لکھی ہی نہ ہوتی یا پھر صفائی کر یوں کہتے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ فدک نہ دیا جائے بس۔

مدینہ کے بزرگ لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ اے ابو الحسنؑ! اے امیر المومنینؑ! فاطمہؑ دن رات گریہ کرتی ہیں ہم میں سے کسی شخص کو سکون سے نیند نہیں آتی، نہ رات کو ہم انکی گریہ و زاری کی وجہ سے سو سکتے ہیں اور نہ دن میں مشغولیت اور کسب معیشت کی وجہ سے ہم کو قرار ملتا ہے۔ ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ آپ فاطمہؑ سے ہماری جانب سے درخواست کریں کہ یا تو رات کو رویا کریں اور دن میں آرام کریں یا دن میں رویا کریں اور رات کو آرام کریں، امیر المومنینؑ اپنے گھر تشریف لائے اور فاطمہؑ کے پاس اس حالت میں پہونچے جبکہ وہ گریہ و زاری میں مشغول تھیں، جب انکی نگاہ امیر المومنینؑ پر پڑی تو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئیں، امیر المومنینؑ نے فرمایا:-

اے بنت رسول اللہؐ مدینہ کے اشراف جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے کہا کہ میں آپ سے خواہش کروں کہ

وہ شریعت موسیٰؑ اور ان کے دستور العمل پر عامل رہا حتیٰ کہ عیسیٰؑ انجیل لیکر شریعت موسیٰؑ کے ناسخ بنکر آئے مگر وہ کتاب موسیٰ کے منکر نہ تھے پھر عیسیٰ کے بعد جو نبی آیا وہ شریعت عیسیٰ اور انکے دستور العمل کا پابند رہا حتیٰ کہ محمدؐ قرآن و شریعت اور اپنا دستور العمل لیکر شریعت عیسیٰ کے ناسخ بن کر آئے بس حلال محمدؐ قیامت تک حلال رہے گا اور حرام محمدؐ قیامت تک حرام رہیگا۔

اس قسم کے صریحی نصوص پر نظر کرنے کے بعد یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہی حضرات صاحبان شریعت تھے۔ اور ان کے درمیانی زمانے کے انبیاء انھیں کے تابع تھے۔ اس مقام پر دو سوالوں کا حل باقی رہ جاتا ہے۔ پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ نوحؑ سے پہلے کس کی شریعت تھی؟ اس کا واضح جواب بحکم عقل و نقل یہ ہے کہ آدمؑ سب سے پہلے نبی تھے۔ لہذا بربناء اولیت (نہ بربناء اولوالعزم) ایک شریعت کے بانی تھے اور نوحؑ تک کے تمام آدمی شریعت آدمؑ کے مکلف تھے اس طرح (قوس نزولی (عالم تخلیق) کے چھ درجات کے مانند قوس صعودی (عالم تشریع) بھی چھ درجات کے بعد حد کمال کو پہونچی لہذا جس طرح عالم تخلیق کی صورت کاملہ (انسان) کے لئے اب کسی مادی کمال کا انتظار نہیں باقی ہے اس طرح عالم تشریع کی صورت کاملہ (اسلام) کے لئے اب کسی روحانی کمال کا انتظار نہیں باقی ہے چنانچہ آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم سے قدرت نے اسی مطلب کو ثابت کیا۔

سابق شریعتیں کیوں منسوخ ہوئیں

دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ سابق شریعتوں کو کیوں منسوخ کیا گیا جبکہ سب کا بھیجنے والا ایک حکیم علی الاطلاق ہے؟ اس سوال کا حل ایک عقلی مقدمہ کے سمجھ لینے پر موقوف ہے وہ یہ کہ احکام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک جزئی دوسری کلی۔ چونکہ جزئی احکام کے مقتضیات و اسباب بھی شخصی اور جزئی ہوا کرتے ہیں اسلئے اشخاص و افراد کے اعتبار سے احکام جزئیہ میں برابر تبدیلی ہوا کرتی ہے مثلاً نماز کے بہت سے احکام جزئی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اشخاص و افراد کے حالات کی بنا پر بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے نماز کو کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے لیکن بیمار ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور زیادہ معذور ہو تو لیٹ کر پڑھے وھکذا مگر اصل نماز کا وجوب کلی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقتضی اور سبب بھی کلی ہے لہذا اصل نماز سے کوئی مکلف مستثنیٰ نہیں ہے حتیٰ کہ غرق ہوتا ہوا انسان بھی اگر باہوش ہے تو اس کی ایک تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہو جائیگی مگر حکم نماز ساقط نہیں ہوگا اسی طرح دنیوی معاشرت میں کچھ احکام کلی حیثیت کے ہوتے ہیں جو ہر شخص کے لئے یکساں ہوتے ہیں اور کچھ احکام جزئی حیثیت کے ہوتے ہیں جو اشخاص و احوال کے لحاظ سے (فیشن کی طرح) بدلتے رہتے ہیں نہ اس لئے کہ بنانے والے مستقبل پر ناظر نہ تھے۔ بلکہ اس لئے کہ مستقبل والے اب ماضی کے احکام بجالانے کے قابل نہیں رہے یونہی عالم تکوین میں بھی کچھ چیزیں جزئی حیثیت رکھتی ہیں اور بلحاظ ازمان و ادوار تغیر پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً زمانہ سابق میں انسان طویل العمر، طویل القامت، کثیر الغذاء اور قلیل الفہم ہوتا تھا۔ مگر ہمارے زمانے کا انسان قصیر العمر، قصیر القامت، قلیل الغذاء اور حدید الذہن ہوتا ہے اور کچھ چیزیں کلی حیثیت رکھتی ہیں جو ہر زمانے میں ناقابل تبدیلی تھیں۔ مثلاً انسان کا مستقیم القامت ہونا اور بھیڑ بکریوں کا اپنی ہیئت پر پیدا ہونا لہذا جب ہم شریعتوں کا منسوخ ہونا سنیں تو متوحش نہ ہوں بلکہ یہ سمجھیں کہ عالم تکوین کی طرح عالم تشریع کی جزئی حیثیتیں اختلاف ازمان و قابلیت اشخاص کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہی ہیں مگر کلی حیثیت اپنی جگہ ہمیشہ محفوظ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ

مجھے گرمی کا روزہ پسند ہے۔ (حضرت علیؑ)

آپ اپنے پدر بزرگوار کے لئے یا تو رات کو رویا کریں یا دن میں رویا کریں۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ میں ان لوگوں کے درمیان بہت کم رہوں گی اور عنقریب ہی ان سے رخصت ہو جاؤں گی۔ خدا کی قسم میں دن رات کے رونے سے اس وقت تک جب تک کہ میں اپنے باپ سے جا نہ ملوں چپ نہیں رہ سکتی۔

بعد میں امیر المومنینؑ نے مدینہ سے دور بقیع میں ان کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ بنا دیا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا۔ جب صبح ہوتی تھی فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو آگے آگے لیکر غمگین و ملول روتی ہوئی بقیع جاتی تھیں اور صبح سے شام تک قبروں کے اردگرد پھرتی تھیں اور روتی تھیں۔ جب رات ہوتی تھی امیر المومنینؑ آتے تھے اور ان کو اپنے ساتھ لیکر آتے تھے۔

اسی طرح اور بہت سی باتیں تھیں جس نے جناب فاطمہؑ کو پیکر حزن و ملال بنا دیا تھا اور بالآخر آپ نے مجبور ہو کر علیؑ کو وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ رات کی تاریکی میں اٹھے اور میرے جنازے پر میرے ستانے والوں کو آنے کی بالکل اجازت نہیں ہے اور نہ وہ لوگ میری نماز جنازہ میں شریک ہوں۔

"ام جعفر کہتی ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے اسمار بنت عمیس سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم اور علیؑ مجھ کو غسل دینا اور اپنے سوا کسی اور کو میرے جنازہ پر نہ آنے دیں۔ جب حضرت فاطمہؑ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں مگر اسمار بنت عمیس نے ان کو جنازے پر نہ آنے دیا۔ حضرت عائشہ نے اپنے والد سے جا کر شکایت کی کہ یہ قبیلہ خثعم کی عورت ہمارے اور بنت رسولؐ کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ اور ایک ہودج مثل ہودج عروسی جنازے کے لئے بنایا ہے۔ پس حضرت ابوبکر آئے اور باہر ہی ٹھہرے اور کہا کہ اے اسمار تو کیوں ازواج رسولؐ کو بنت رسولؐ کے جنازے پر آنے سے روکتی ہے اور کیوں جنازے کے لئے دلہن کا سا ہودج بنایا ہوا ہے۔ اسمار نے کہا کہ حضرت فاطمہؑ نے مجھے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازے پر کوئی اور نہ آئے۔ اور ایسا ہودج انھوں نے خود پسند کیا تھا جب میں نے ان کو بنا کر دکھایا تھا۔" (تاریخ خمیس الجزء الثانی ص ۳۱۳ مطبوعہ مصر)

جناب فاطمہ زہراؑ کے انتقال کے بعد ان کے سرہانے سے ایک پرچہ نکلا تھا جس میں آپ نے یہ وصیت درج کی تھی:-

"یہ وصیت فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ نے کی کہ وہ شہادت دیتی ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے ہیں اور رسولؐ ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اٹھائے گا ان سب کو جو قبروں میں ہیں۔ اے علیؑ آپ ہی مجھے حنوط کیجئے گا، غسل دیجئے گا اور کفن پہنائیے گا اور میرے اوپر نماز پڑھئے گا اور مجھ کو رات کے وقت دفن کیجئے گا، اور کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دیجئے گا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں، اور اپنے بچوں کو سلام کہتی ہوں روز قیامت تک۔"

قطعہ

عرش اعظم سے چلا شانِ سخاوت دیکھکر
دہر کا سورہ بہ عز و شان نیچے آگیا
دست زہراؑ کی لطافت نفسِ زہراؑ کی کشش
روٹیاں اوپر گئیں قرآن نیچے آگیا

پیام اعظمی

روزہ میں پیاس برداشت کرو تاکہ قیامت میں پیاسے نہ ہو۔

سید کاظم رضا واعظ

ہنگام وفات سرور کائنات

وفات

حضرت فاطمہ زہراؑ کی

بجا کہتے ہیں کہ مرنے والے کو اپنے مرنے کی پہلے سے خبر ہو جاتی ہے اور وہ موت کی آہٹ محسوس کرتے ہوئے کچھ ایسی باتیں کہا کرتا ہے جو بعد میں پیش آنے والے حالات کے مطابق اور قبل سے آگاہی کی نشاندہی کرتی ہیں وجہ یہ ہے کہ موت سے گلے پر ذہن صاف دنیا سے جی اُچاٹ ہو جاتا ہے اس لئے حقیقت پردہ سے آشکار ہو جاتی ہمارے آپ کی سب کی یہی صورت ہے حالانکہ آئندہ کیا ہونے والا ہے کوئی انسان نہیں جانتا آج کے حالات سے کل کے نتائج کا قدرے اندازہ لگاتا ہے نتیجہ اندازہ سے اکثر صحیح نکلتا ہے جب ہم میں آپ میں یہ دور اندیشی دور بینی ہے تو پھر سرور کائنات فخر موجودات جن کے نور سے یہ ساری دنیا کی چمکتا ہے آپ سے کیا چھپا تھا جو ہو چکا جو ہوگا آج اور آئندہ علم منایا وبلایا سبھی سے واقف تھے پھر آپ کو قرآن معجز نما کتاب اللہ نے دی دنیا کی خشک و تر سے کوئی چیز چھوٹی نہیں یوں آج و کل کی صورت حضور پر روشن تھی آپ آج کے دوست کل کے دشمن سے آگاہ تھے آپ لوگوں سے واقف تھے کہ ان میں کون دل سے ایمان لایا ہے کون منافقت سے کون میری زندگی چاہتا ہے اور کون میرے مرنے کی فکر میں لگا ہے کہ کب آنکھ بند ہو کہ ہم اپنا کام دکھائیں دین کو چوپٹ کریں قرآن آئندہ کے لئے کہہ چکا کہ رسولؐ وفات پائیں یا شہادت تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ تاریخ و حدیث و سیر سبھی میں ہے کہ حج آخر سے پلٹتے ہوئے غدیر خم کے خطبہ میں آپ جلد ہی موت سے ہمکنار ہونے کی خبر اُمت کو دے چکے تھے چنانچہ جب حضر میں آپ علیل ہوئے اور اس نے طول پکڑا تو ہوشیار دشمنوں کو اپنی جگہ یقین ہو گیا کہ اب رسول کا دنیا سے چل چلاؤ ہے اس لئے رسولؐ سے بے رخی کا برتاؤ ہونے لگا اور مطلب کے لئے تاک گھات شروع ہو گئی حضور اکرمؐ نے فتنہ کو مدینہ سے دور کرنا چاہا اسی حالت میں منبر پر تشریف لے گئے اُسامہ بن زید کی سرکردگی میں روم کی طرف لشکر بھیجے جانے کا اعلان فرمایا سوائے ایک علیؑ اور سارے مہاجرین انصار سے شامل ہونے کے لئے نیز جلد مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن جنہوں نے مطلب سے اپنے مورچے سنبھال رکھے تھے وہ کہاں اپنی جگہ سے جنبش کرنے والے تھے بجائے تعمیل اُلٹے یہ اختلاف سامنے آیا کہ کچھ نے کہا کہ اسامہ غلام اور اس کی علمداری میں ہم کو بھیجا جا رہا ہے

نماز کو حقیر جاننے والا ہماری شفاعت سے محروم رہیگا (امام ششم)

جیسے ہماری کوئی عزت ہی نہیں ہے حضورؐ کے یہ بات گوش گزار ہوئی تو آپ دوبارہ نکل کر بالائے منبر جاکر مخاطب ہوئے فرمایا یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں یہی باتیں کل غزوۂ موتہ میں باپ کے لئے کہی تھیں وہی آج اسامہ کے لئے تم نے شروع کی ہیں اسامہ امیر لشکر بننے کے لائق اسی طرح ہیں جیسے کل باپ امیر لشکر ہونے کا سزاوار تھا۔ (مدارج النبوۃ محدث دہلوی) لوگوں نے اس خطبہ کے بعد جانے سے بھی ایسا پس وپیش کیا کہ دوبارہ اصحاب سے حضورؐ نے کہا کہ لشکر اسامہ کی تیاری میں جلدی کرو خدا کی لعنت اس پر جو اسامہ کے لشکر سے روگردان ہو مدارج النبوۃ میں ہے کہ اسامہ نے حسب حکم لشکر کو کوچ کا حکم دیا لیکن جب وہ خود سوار ہونے لگے تو ماں نے آکر خبر دی کہ رسول اللہؐ حالت نزع میں ہیں یہ سن کر اسامہ اور دیگر اشراف صحابہ واپس آئے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر تو ہنوز مدینہ ہی میں موجود تھے"۔ (ہر چند لعنت گالی نہیں اللہ سے کسی کے لئے رحمت سے دور ہونے کی دعا ہے تعمیل حکم پیغمبر نہ ہونے پر آخر اس ارشاد کی نوبت آگئی اب جو لوگ لعنت و تبرا کو گالی ہی کہتے ہیں اُن کے اعتبار سے تو بصورت عدم تعمیل یہ کہنا صحیح ٹھہرا "اور گالیاں کھا کے بدمزہ نہ ہوا" ابتدا سے جو مدینہ میں جمے تھے وہ آخر تک جمے ہی رہے اس خلاف ورزی کو محبت و تابعداری کے کس خانہ میں جگہ دی جائے وہی جانیں جو حضورؐ کے اسرار سے واقف ہیں۔ (راقم)

بیمار ہونے کی حالت میں بھی نماز کے لئے برابر آنحضرت مسجد تشریف لے جاتے رہے یہاں تک کہ بلال نے ایک دن آنحضرت سے نماز کے لئے کہا سیرت حلبیہ میں ہے کہ آنحضرت نے کہا کہ اس وقت مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ نماز کے واسطے نکلوں جاؤ عمر بن الخطاب سے جاکر کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں بلال روتے ہوئے باہر نکلے لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو بلال نے کہا کہ آنحضرت باہر نہیں تشریف لا سکتے یہ سنکر سب رونے لگے بلال نے جاکر حضرت عمر سے کہا کہ رسول اللہ نے آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے حضرت عمر بولے کہ ابوبکر کے ہوتے ہوئے میں ہرگز نماز نہیں پڑھا سکتا تم جاکر رسولؐ سے یہ کہو کہ ابوبکر ڈیوڑھی میں موجود ہیں بلال نے واپس ہو کر رسول اللہؐ سے یہ حال بیان کیا آنحضرتؐ نے فرمایا بہتر ہے ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں بلال حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے نماز پڑھانے کے لئے عرض کیا پس ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی، تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ رسول اللہؐ کو مرض میں کچھ تخفیف معلوم ہوئی تو دولت سرا سے مسجد میں تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے ان کو رسول اللہؐ کا آنا محسوس ہوا تو پیچھے ہٹے آنحضرتؐ نے ان کو ان کے مقام پر کھڑا رہنے دیا اور خود قرأت شروع کر کے نماز پڑھانے لگے پس حضرت ابوبکر جناب رسول خداؐ کی اقتدا کر رہے تھے اور دوسرے لوگ حضرت ابوبکر کے مقتدی تھے"۔

روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر جناب رسول خدا کی اقتدا کرتے تھے اور دوسرے اشخاص حضرت ابوبکر کے مقتدی تھے (یعنی ایک نماز میں دو امام دو جماعتیں)

(میاں قابل غور بات یہ ہے کہ اجازت دینے کے

نماز کی تخفیف شریعت کی توہین ہے

بعد رسولؐ طبیعت ہلکی ہونے پر سہی کیوں کاندھوں کا سہارا لیتے ہوئے مسجد میں پہنچے اور نماز پڑھانے کی حالت میں محراب تک پہونچے کہ نماز میں ردو بدل ہوئی یہ صورت تو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یا تو نماز کی اجازت ہی آپ نے نہیں دی تھی معلوم ہونے پر حضورؐ نے یہ بات فرمائی یا نائب مناب کی بنائے جانے والی نص کو کاٹنے کے لئے آنحضرتؐ بطور پیش بندی پہونچے تھے پھر باکراہت حضرت ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لئے کہا بھی نہیں گیا تھا بجائے ان کے عمر سے کہلایا تھا انھوں نے حضرت ابوبکر کو تجویز کر کے دوبارہ رسولؐ سے اجازت حاصل کی۔ "مدارج النبوۃ" کے ایک بیان سے جو صفحہ ۵۰ پر تحریر ہے اس سے حضرت ابوبکر کا سرے سے نماز پڑھانا ہی نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ بلال نے جس وقت مسجد میں حضرت ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لئے کہا تو مسجد کو رسولؐ سے خالی ہو جانے کو خیال کر کے اندوہ غم میں ڈوب گئے اور خود پر قابو نہ رہا روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے صحابہ الگ فریاد و زاری میں مشغول ہو گئے رونے کی یہ آواز آخر رسولؐ کے گوش گزار ہوئی تو جناب فاطمہؑ نے عرض کی یہ مسلمانوں کے رونے کی آواز ہے آپ کو مسجد میں نہ دیکھ کر رو رہے ہیں چنانچہ آنحضرتؐ نے علیؑ و عباس کو بلایا اور ان پر تکیہ کر کے مسجد کے لئے برآمد ہوئے اور نماز ادا کی۔ (راقم)

(واقعہ روز خمیس) بڑھتے بڑھتے علالت یہاں تک پہونچی کہ جمعرات کا دن آ گیا صحیح بخاری میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ کہا عبداللہ ابن عباس نے (رضہ) پنجشنبہ کا دن کیسا دن تھا۔ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ سنگ ریزے اس جگہ پڑے ہوئے تھے آنسوؤں سے تر ہو گئے،" اس کے بعد فرمایا کہ بروز پنجشنبہ رسولؐ کے جب مرض میں شدت ہوئی تو آنحضرت نے ارشاد کیا مجھے کتابت کا سامان دو تا کہ میں تمہارے لئے کچھ (بطور وصیت) لکھ دوں جس سے تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو اس بات پر لوگوں نے اختلاف کیا، اور جھگڑنے لگے) لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں" شہاب الدین خفاجی شرح شفا قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ پیغمبر صاحب ہذیان بکتے ہیں" شہرستانی ملل و نحل میں لکھتے ہیں یہ پہلا اختلاف و جھگڑا ہے جو رسول مقبولؐ کے زمانہ مرض میں واقع ہوا وہ تھا جس کو بخاری نے کتاب صحیح میں اپنے اسناد کے ساتھ عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ "جب شور و غل ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ تم لوگوں کو لازم نہیں کہ میرے حضور میں تنازع و اختلاف کرو"۔

(میرے حبیب کو بلا دو) یہ واقعہ بھی آنحضرتؐ کی بیماری کا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی میرے دوست کو بلا دے چنانچہ حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکرؓ دوبارہ حضرت حفصہ نے اپنے باپ حضرت عمر کو بلا کر آنحضرت کے حضور میں پیش کیا لیکن دونوں سے اعراض کرتے ہوئے میرے دوست کو بلا دو کی آواز بلند کی اس پر سمجھ میں آ گیا کہ سوائے علیؑ کے اور کسی کو حضورؐ نہیں چاہتے چنانچہ حضرت علیؑ کو جب بلا کر رسولؐ کے پاس لایا گیا تو حضورؐ نے آپ کو سینہ سے لگایا اپنی چادر میں لیا، ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت درج کی ہے کہ آنحضرت نے بیماری کی حالت میں ارشاد کیا کہ علیؑ کو میرے پاس بلاؤ حضرت عائشہ نے کہا کہ کاش آپ ابوبکر کو بلاتے اور حضرت حفصہ نے کہا کہ کاش آپ عمر کو بلاتے لئے

میں یہ حضرات وہاں جمع ہو گئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ واپس جاؤ اگر تمہاری ضرورت ہو گی تو میں خود تم کو بلا لوں گا یہ سن کر وہ حضرات چلے گئے“

”روضۃ الاحباب میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے جناب فاطمہ سے کہکر حسنین علیہم السلام کو بلوایا دونوں صاحبزادے آئے نانا کے پہلو میں بیٹھ گئے آنحضرت کی تکلیف کو دیکھکر ایسا روئے کہ وہ اصحاب جو ڈیوڑھی پر تھے ان کے رونے پر رونے لگے یہ سن کر خود رسولؐ رونے لگے پھر حکم دیا کہ علی کو بلاؤ حضرت علی آئے سرہانے بیٹھ گئے آنحضرت نے بستر سے سر اٹھایا حضرت علی نے بڑھ کر سر کو بازو پر رکھ لیا حضرت نے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی سے میں نے لشکر اسامہ کی تیاری کے سلسلہ میں اس قدر قرض لیا ہے اس کو ادا کر دینا اور اے علی تم پہلے شخص ہو جو حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہو گے میرے بعد تم کو بہت صدمات پہنچیں گے تم ان کو صبر سے برداشت کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگوں نے دنیا کو اختیار کیا ہے تو تم آخرت کو اختیار کرنا“

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ابو غطفان سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ کا سر مبارک وقت وفات کس کی آغوش میں تھا عبداللہ بن عباس نے کہا کہ جب رسول اللہ نے انتقال فرمایا تو آنحضرتؐ کا سر علی ابن ابی طالب کے سینے سے لگا ہوا تھا میں نے کہا کہ عروہ تو مجھ سے حضرت عائشہ کی یہ حدیث بیان کرتا ہے کہ جب پیغمبر صاحب نے انتقال فرمایا تو آنحضرت انھیں کی گود میں تھے عبداللہ ابن عباس بولے کہ کچھ سمجھتے بھی ہو خدا کی قسم جب رسول اللہؐ نے وفات پائی تو وہ علیؑ کے سینے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور علیؑ ہی نے آنحضرتؐ کو غسل بھی دیا،،

خصائص نسائی میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے بقسم آپ نے فرمایا کہ قریب ترین مردم وقت وفات سرورِ کائنات علی بن ابی طالب ہیں چنانچہ جس دن آنحضرت نے انتقال فرمایا اس کی صبح کو آپ نے فرمایا علی کو بلاؤ جنھیں کسی کام سے بھیجا تھا اور جب تک وہ نہیں آئے تین بار دریافت کیا کہ علی آئے اتنے میں علیؑ آفتاب نکلنے سے پہلے آ گئے ہم لوگ یہ گمان کر کے کہ غالباً رسول اللہؐ کو علیؑ سے کوئی حاجت ہے خانہ عائشہ سے باہر نکل آئے اور میں سب کے بعد نکل کر دوسری عورتوں کے صورت سے دروازہ کے پیچھے بیٹھ گئی میں نے دیکھا علیؑ آنحضرتؐ کی طرف جھکے اور آنحضرت ان سے راز کی باتیں کرتے رہے یوں علیؑ وہ شخص ہیں جو رسول مقبولؐ کے آخر وقت پاس موجود تھے،،

جب حضور کی رحلت کا وقت قریب آ پہونچا تو حضرت علی سے کہا کہ میرا سر گود میں لے لو یہاں تک کہ امیر خدا جاری ہو اور جان کھنچنے کے بعد ہاتھ سرہانے سرکار اپنے چہرہ پر پھیرنا مجھے قبلہ رخ کر دینا اس کے بعد دفن کی تیاری میں مشغول ہونا تمہیں پہلے مجھ پر نماز پڑھنا ہم سے جدا نہ ہونا جب تک قبر میں سپرد نہ کر دو یہ کہتے کہتے بیہوش ہو گئے جناب فاطمہ نے یہ دیکھکر رونا شروع کیا اور شعر پڑھا ایسی نورانی ذات کہ لوگ اس کی برکت سے بارش کے طلبگار ہوتے ہیں جو یتیموں کی فریاد رسی اور بیواؤں کا سہارا و آسرا بیٹی کے رونے کی آواز گوش گزار ہونا تھی کی رسول نے آنکھیں کھولدیں اور کمزور آواز سے اتنا فرمایا کہ یہ تمہارے چچا ابوطالب کا کلام ہے یہ نہیں بلکہ یہ آیت

پڑھو "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" اس پر جناب فاطمہ خوب روئیں حضورؐ نے اشارہ سے نزدیک بلایا نزدیک بلا کر کوئی راز کی بات آنحضرت نے فاطمہ سے کہی جس سے آپ خوش ہوئیں لوگوں نے اس راز کو جناب فاطمہ سے بعد میں دریافت کیا کہ کیا تھا جس سے اندوہ رنج میں خوش ہو گئیں تو آپ نے فرمایا کہ پدر بزرگوار نے یہی بات فرمائی تھی کہ اہلبیت میں پہلی ذات تمہاری ہے جو مجھ سے ملحق ہو گی اسی نے میرے اضطراب کو تسکین سے بدل دیا۔ اس کے بعد حسب وصیت متوجہ غسل ہوئے چنانچہ پانی دینے کے لئے آپ فضل بن عباس کو بلایا یوں امیر المومنینؑ نے آنحضرت کو غسل دیا حنوط فرمایا کفن پہنایا فضل بن عباس مددگار کے طور پر پانی وغیرہ دیتے رہے کفن دینے کے بعد پہلے آپنے نماز بغیر شرکت پڑھی۔

مسجد میں لوگ جمع ہو کر یہ گفتگو کر رہے تھے کہ کون نماز پڑھائے گا اور کہاں دفن ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت علی باہر نکلے اور ان لوگوں کے نزدیک آ کر فرمایا یہی پیغمبر ہمارے پیشوا اور امام ہیں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ایک ایک گروہ آئے اور وہ آپ پر نماز ادا کرے بغیر امام و پیشنماز کے رہا دفن کا معاملہ تو اللہ جس جگہ کسی نبی کی قبض روح کرتا ہے وہ سب سے بہتر قبر کی جگہ ہے میں اسی حجرہ میں جس میں وفات پائی دفن کروں گا حسب وصیت رسولؐ حضرت علیؑ نے تجہیز تغسیل تکفین تدفین رسول فرمائی نماز و دفن میں شریک چند ہی ہوئے اکثر مہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے طے توڑ میں مصروف رہے

ایک راقم الحروف نے مضمون بعنوان "بڑے جنازے اور بڑا سناٹا"، ماہنامہ (الواعظ) میں شائع کیا تھا کہ بڑا المیہ تاریخ کا یہی ہے کہ رسول رسول کی بیٹی اور امام حسن سبط اکبر کے جنازے مدینہ کے اندر اجنبی مسافر کی صورت سے اُٹھے۔ شمع رسالت کے پروانوں کا کہیں پتہ نہ تھا بہر حال حضور اکرم اپنی تجہیز و تکفین تدفین کا خود انتظام فرما کر اُٹھے تھے اور اسی طرح رسول کی بیٹی اور نواسے نے اپنا اپنا انتظام کر کے سفر آخرت اختیار فرمایا اُمت کے رحم و کرم پر خود نہیں چھوڑا (انتقال کی خبر پر حضرت عمر کی دیوانگی) خبر رحلت پیغمبر ابھی عام نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت عمر تلوار چمکاتے ہوئے نکل آئے کہ جو کہے گا کہ رسولؐ نے رحلت کی تو اس پر حد جاری کروں گا اور قتل کر دوں گا وہ مرے نہیں غائب ہو گئے ہیں جیسے جناب موسیٰ کوہ طور پر گئے تھے اور پھر پلٹے تھے اسی طرح رسول بھی آئیں گے حضرت ابوبکر نے سنا تو وہ رسول کے پاس آئے چادر اٹھا کر چہرہ دیکھا موت کا یقین ہوا اور نکل کر لوگوں کو اس کی خبر کی پھر بھی کچھ نے قبول کیا کچھ نے نہیں اس اختلاف کو دیکھ کر حضرت علی نے لوگوں کو اکٹھا کیا فرمایا کیا رسول اللہ کی زندگی میں اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" رسولؐ کا انتقال ہو چکا ہے اس پر سب نے ہم آواز ہو کر کہا رسولؐ انتقال فرما گئے اس خبر سے بےچینی لوگوں میں پھیل گئی چنانچہ سب نے سقیفہ بن ساعدہ کا رخ کیا اور وہاں منا امیر و منکم امیر کے شور ہنگامہ میں سرانجام خلافت ہوا یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ وقت وفات رسول مدینہ کی کیا صورتحال تھی علامہ شبلی سیرۃ النبی میں

بایں الفاظ ذکر کرتے ہیں کہ "وقت وفات رسول مدینہ منافقین سے چھلک رہا تھا"، اس امر کی تصدیق قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے (ترجمہ) تمہارے گرد جو جنگلی عرب ہیں وہ منافق ہیں اور مدینہ میں کچھ لوگ نفاق پر ثابت قدم ہیں ہم عنقریب ان پر دو مرتبہ عذاب کریں گے پھر وہ بہت بڑے عذاب پر وارد ہوں گے۔ لطیفہ کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ کی رحلت ہوتے ہی یہ منافقین اُڑن چھو ہو گئے اور کہیں دور دور پتہ نہیں ملتا ظاہر ہے یوں کسی کو منافق کہہ بھی نہیں سکتے جب کہ ظاہری صورت سے مسلمان شمار ہوتا ہے اس کے لئے مسجد منبر محراب ہر جگہ روا ہے۔

وفات رسول ؐ روز دوشنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ ہوئی تاریخ و سیر میں دفن چہار شنبہ کی شب یعنی مرنے کے تین دن بعد ہونا لکھا ہے جب کہ تجہیز تکفین میں حضرت علی نے کوئی تاخیر نہیں فرمائی تو تدفین بھی بلا تاخیر عمل میں آئی ہی نماز غائبانہ و قبر پر دونوں طرح مسلمان پڑھتے ہیں تین دن تک پڑھی ہوگی۔

واقعات کا ایک جائزہ

بیماری کی حالت میں حجرہ کی تبدیلی کی ضرورت ظاہر ہے خود آنحضرت کو نہیں تھی جہاں جس بیوی کے پاس رہتے وہ آپ کی خدمت کرتی جناب میمونہ یا جناب ام سلمہ جس بی بی کے حجرہ سے بھی حضور منتقل ہو کر حضرت عائشہ کے حجرہ میں آپ تشریف لائے خود سے نہیں آئے حضرت عائشہ نے تمام بی بیوں سے خواہش کی اور ان کو راضی کرنے کے بعد آنحضرت سے عرض کیا یوں رسول نے حجرہ تبدیل کیا اس تبدیلی سے فائدہ تو کچھ نہیں ہوا بجز اس کے کہ اہلبیت خاصی زحمت میں مبتلا ہو گئے جناب ام سلمہ کے حجرہ میں بیٹی نواسوں کی آمد رفت میں کوئی تکلف نہ تھا حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت علی کو کئی کئی بار آنحضرت طلب کرتے ہیں جب کہیں تعمیل حکم ہوتی ہے برخلاف اس کے حضرت ابوبکر و حضرت عمر بغیر بلائے حجرہ میں پہونچے رہتے تھے ظاہر ہے حضرت ابوبکر کی بیٹی کا حجرہ تھا اور جناب حفصہ و عائشہ میں دوستانہ کی رعایت سے حضرت عمر کو پورا دخل حاصل تھا حالاں کہ حضرت علی کے لئے کسی قسم کی بندش اس لئے نامناسب تھی کہ آنحضرت نے اپنی خدمت میں حاضر رہنے کے لئے اسامہ کے لشکر سے مستثنیٰ فرمایا تھا۔

اسامہ کے لشکر سے کنارہ کشی

بیماری ہی کی حالت میں محدث دہلوی کے لکھنے کے مطابق آنحضرت نے اپنے ہاتھ سے علم بنا کر اسامہ کو دیا فرمایا کہ بسم اللہ جاؤ اور خدا کی راہ میں کفار سے جہاد کرو پیغمبر نے یہ بھی حکم دیا کہ سوا حضرت علی کے اور کل اعیان مہاجرین و انصار یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان سعد بن ابی وقاص ابوعبیدہ جراح وغیرہم اس لشکر میں جائیں چنانچہ لشکر مدینہ سے نکل کر موضع جرف میں جا کر ٹھہرا باقی جمع ہو جائیں۔ آنحضرت کو اس کے بعد معلوم ہوا کچھ اسامہ کی سرداری کو غلام ہونے کے ناطے ناپسند کرتے ہیں آنحضرت بیماری کی شدت میں نکلے سہارے سے منبر پر گئے فرمایا جو تم نے باپ کے لئے کل بات کہی وہی آج پھر نکالی باپ بھی اچھا تھا اور بیٹا بھی اچھا ہے جاؤ جاؤ اسامہ کے لشکر کے ساتھ اس سے روگردانی کرنے والے پر

مالداری چاہتے ہو تو پرہیزگاری اختیار کرو

خدا کی لعنت اس تاکیدی امر کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ رسول کی زندگی میں لشکر اسامہ جرف سے آگے نہ بڑھ سکا رسول کی بیماری کا عذر کوئی عذر نہیں اس لئے کہ بربنائے مصلحت رسول نے بیماری میں اس کی روانگی تجویز فرمائی تھی اور مصلحت آپ کی بالکل صاف اور واضح ہے بقول علامہ شبلی "وقت وفات رسول مدینہ منافقین سے چھلک رہا تھا"، (سیرۃ النبی) آنحضرت یہی چاہتے تھے مدینہ ان سے کسی طرح پاک ہو جائے تاکہ یہاں فتنہ و فساد میرے بعد نہ برپا کر سکیں۔

اسی لئے عام طور پر اسامہ کے لشکر میں شامل ہو جانے کا حکم دیا پھر تاکید فرمائی اور عدم تعمیل پر لعنت کا مستحق قرار دیا پھر بھی لوگوں نے سنی ان سنی کر دی اور تو اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں بزرگوار بغیر عذر و حجت یا کسی استثنائی حکم کے مدینہ میں ابتدا سے آخر تک جمے رہے جس کی خبر گھر میں تو تھی البتہ آنحضرت سے یہ بات چھپی یا چھپائی گئی۔

حضرت ابوبکر کی پیش نمازی

رسولؐ کی

محراب میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہونا واقعہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن کسی حکم سے کھڑے ہوتے تو کھڑے کرنے والا بلال اور بلال کو حکم دینے والی عائشہ یہ بالکل مسلم ہے رسول نے ظاہر ہے خود حضرت ابوبکر سے نہیں کہا تھا ہاں آنحضرت کا حکم نہ دینا اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ جناب عائشہ خود بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت بیہوش پڑے تھے کہ نماز پڑھانے کی آواز کان میں پہونچی آنکھ کھولی پوچھا فوراً بستر سے اٹھے باہیں علی اور فضل بن عباس کے کاندھوں پر رکھے مسجد میں محراب تک آئے حضرت ابوبکر خود جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے یا حضور نے ہٹنے کا اشارہ کیا غرض اس جگہ پہونچ کر شروع سے نماز اپنی پڑھی پڑھائی اگر آپنے نماز پڑھانے کے لئے کہا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ فرماتے جب کہ عام روایت میں عبد الرحمٰن ابن عوف کی اقتداء میں رسول نماز پڑھ چکے تھے عبد الرحمٰن کو جب کہ امت ہی امام مقرر کیا تھا بعد نماز جب رسول کو نمازیوں نے دیکھا تو بہت گراں گزرا کہ رسول اور ایک امتی کے پیچھے نماز پڑھیں اس پر رسول نے تسکین دی کہ کوئی نبی اس دنیا سے اٹھتا نہیں تا وقتیکہ اپنی امت کے کسی شخص کے پیچھے نماز نہ ادا کرے۔

رسول کو لکھنے نہیں دیا

بخاری کی روایت ہے "سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ عبداللہ ابن عباس پنجشنبہ کا دن کیا دن تھا"، کہہ کر اتنا روئے کہ جو زمین پر سنگریزے پڑے تھے آنسوؤں سے تر ہو گئے اور کہنے لگے پنجشنبہ کو رسول کے مرض میں جب شدت ہوئی تو آنحضرت نے ارشاد کیا کہ مجھے کتابت کے لئے سامان دو تاکہ تمہارے لئے لکھ دوں جس سے میرے بعد گمراہ نہ ہو اس پر لوگوں نے نزاع اور اختلاف کیا لوگوں نے کہا رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں"، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر بولے کہ غلبۂ مرض سے ایسا کہہ رہے ہیں تمہارے ہمارے لئے قرآن کافی ہے جلسہ میں اختلاف پیدا ہو گیا کچھ تعمیل حکم کو ضروری سمجھے کچھ حضرت عمر کے ہم زبان تھے شور و ہنگامہ ایسا ہوا کہ رسالت مآب نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ"، طبرانی میں خود حضرت عمر سے روایت کہ حضورؐ نے کاغذ اور دوات مانگا تعمیل نہ دینے پر

پردے سے بی بیوں نے کہا کیا تم لوگ رسول کا ارشاد نہیں سنتے ہو حضرت عمر نے جواب دیا کہ تم یوسف کی مستھنیاں ہو پیغمبر کی بیماری میں روتی ہو اور صحت کے وقت گردن پر سوار ہوتی ہو یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا ان عورتوں سے معترض نہ ہو یہ تم سے پھر بھی غنیمت اور بہتر ہیں"

(رسول کیا لکھنا چاہتے تھے کیا لکھتے اس سے بحث نہیں بحث اس الزام رکھنے پر ہے کہ معاذ اللہ ہذیان بک رہے ہیں یا غلبہ مرض سے ایسا کہہ رہے ہیں یعنی رسالت کا بیڑا غرق جب کہ قرآن کہے محمدؐ نہیں ہیں مگر رسول گھر باہر سفر حضر صحت و مرض ہر حال میں پھر نہ ارشاد میں کوئی ایسی بات ہے جس سے دماغ کے بہکنے کی صورت معلوم ہو اور نہ شور و ہنگامہ پر اٹھ جاؤ ہٹ جاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں سے خدانخواستہ سمجھ پر زوال آگیا سب سے بڑھ کر تو خود حضرت عمر کی آپ اپنی بیان کردہ روایت ہے کہ پردہ سے عورتوں نے سنی ان سنی کرنے پر کہا کہ تم لوگ سنتے نہیں جس پر عمر نے صویحبات کی مثال دی اور رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ عورتیں پھر بھی تم سے بہتر ہیں" بلا فاصلہ کے یہ باتیں ہوئیں رسول نے معقول جواب دیا کیا اس کے بعد بھی ایمان و اطاعت کی گنجائش کوئی باقی رہ جاتی ہے!

جائزہ کے تمام ہونے پر چند مزید جملے حضورؐ کی بیماری یا مرض الموت جو ساری تکلیف دہ باتیں پیدا ہوئیں یہ باتیں ہرگز وجود میں نہ آتیں اگر حضورؐ کے فرمانے پر مہاجرین و انصار کے سارے برآوردہ لوگ اسامہ کے لشکر میں شریک ہو کر مدینے سے چلے جاتے مگر تاکید و لعنت کے باوجود نہ جانا تھا نہ گئے اور جو اس کا نتیجہ ہونا تھا وہ ہوا جس مصلحت سے رسول کو روانگی کی جلدی تھی یہ ہونے والی باتیں رسول سے کچھ ڈھکی چھپی نہ تھیں ان گزری باتوں میں بڑا دخل حضرت عائشہ کے حجرہ کا ہے اگر کسی اور بی بی کا حجرہ ہوتا تو اتنی دل شکن باتیں رونما نہ ہوتیں رسول کا قیام کیا بدلا کہ حضورؐ خاصے شکنجے میں گرفتار ہو گئے کہے سنے سے جو آل رسول آ گئی وہ خوش نہیں اس قدر تو دنیا کی ملامت کے پیش نظر گوارا ہی کرنا پڑتا پھر بھی آل رسول زحمت میں رہی حضرت علی کا تو نام تک لینا ام المومنین کو پسند نہ تھا چنانچہ تاریخ طبری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول خدا فضل بن عباس اور ایک دوسرے مرد کے سہارے سے میرے گھر میں تشریف لائے" عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اس حدیث کا ذکر عبداللہ ابن عباس سے کیا تو انہوں نے کہا کہ تم جانتے ہو وہ دوسرا مرد کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا میں نے کہا نہیں ابن عباس بولے کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے لیکن عائشہ اس بات پر قادر نہیں تھیں کہ علی کا ذکر نیکی کے ساتھ کر سکیں۔

تعجیل کے بجائے تاخیر سے تدفین دوشنبہ کو انتقال شب چہار شنبہ میں دفن جیسا کہ تاریخ و سیر میں صاف مذکور ہے یہ نماز کے سلسلہ کے دراز ہونے سے نہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصرام امر خلافت کی بنا پر طول کھینچا شیعہ کتب سے تو رسول اپنے وقت سے دفن ہو چکے تھے تاریخ خمیس میں صاف ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر سقیفہ سے مسجد نبوی میں آکر منبر پر بیٹھے وہاں لوگ بیعت کرتے رہے دن گزر گیا اور لوگ رسول کے دفن میں شریک ہونے سے آخر شب سہ شنبہ تک قاصر رہے۔ ...

بنتِ رسول کا خلافتِ اولیٰ سے سابقہ

جن حالات

میں رسول کی وفات ہوئی کہ رسول کا قول مسموع نہیں رہا، رسول کی خواہش پامال ہوئی، لوگ زندگی ہی میں گھر پر مسلط ہو گئے، دوسروں کا حکم امت پر چلنے لگا، اس کا نتیجہ ہی عترت رسول سے بے رخی بے اعتنائی تھا رسول نے جتنی ہی رعایت حق اہلبیت کی تاکید کی تھی اور حدیث ثقلین بار بار فرمائی تھی کہ عترت فراموش نہ ہو، ان کی محبت و اطاعت کے لئے فرمایا تین تین مرتبہ یہ فرمایا کہ اے لوگو میں تم کو اپنے اہلبیت کے لئے خدا کو یاد دلاتا ہوں، اے لوگو کل تم میرے پاس جب حوض کوثر پر پہنچو گے تو تم سے پوچھوں گا کہ تم نے میرے اہلبیت کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ امت اتنی ہی بے وفا نکلی۔

جناب فاطمہ زہرا رسول کریم کا ٹکڑا جس کو ام ابیہا پکارتے جس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے جس کی ڈیوڑھی پر صبح دم سلام کا معمول رہا محسنۂ اسلام ملیکۃ العرب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ایک اکلوتی نشانی جس کا گھر قدسیان فلک کی منزل جس نے آنکھ کھول کر نور اول کو دیکھا جو فرشتوں کے پروں کی ہوا میں پلی بڑھی جو فاطمہ تھی یعنی شر سے دور اور اپنے دوزخ سے چھڑانے والی جو صدیقہ یعنی معصومہ تھی جو مبارکہ صاحب برکت علم و فضل کمالات و معجزات و اولاد کرام کے لحاظ سے تھی جو طاہرہ یعنی نقص صفات سے پاک تھی ذکیہ کمالات و خیرات بڑھ چڑھ کر راضیہ یعنی راضی بقضاء الٰہی جو مرضیہ یعنی پسندیدہ خدا و دوستان خدا تھی جو محدثہ تھی یعنی فرشتہ ہم کلام ہوتا تھا جو زہرا تھی یعنی صوری و معنوی ہر طرح روشن و منور تھی اہل حدیث ذات فاطمہ کو تمام پیغمبروں سے سوائے آنحضرت افضل جانتے ہیں رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ فاطمہ کا بتول کیسے نام پڑا حضور نے فرمایا کہ جو خون ہر عورت دیکھتی ہے البتہ دختر پیغمبر کو اس سے بری رکھا۔

ایسی جلیل بیٹی ایسی باکمال بیٹی رسول کی ظلم امت کا ایسا نشانہ بعد رسول بنی کہ صابرہ نے مرثیہ پڑھا کہ وہ مصیبتیں مجھ پر پڑیں کہ اگر دن پر پڑتیں تو وہ رات میں تبدیل ہو جاتے خیال و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ چوکھٹ عظمت سے واقف اتنے بدل جائیں گے کہ آگ و لکڑی لے کر پہونچتے ہیں۔ عقد الفرید میں ہے کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے خلاف ورزی وہ علی اور عباس زبیر سعد بن عبادہ تھے جن میں حضرت علی اور عباس و زبیر بیت الشرف فاطمہ میں بیٹھ رہے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ حضرت فاطمہ میں ہیں ان کو نکال دیں اور اگر وہ لوگ گھر سے نہ نکلیں تو ان سے قتال کریں چنانچہ حضرت عمر تھوڑی چنگاریاں لے کر اس مقصد سے وہاں پہونچے کہ گھر میں آگ لگا دیں پس فاطمہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا ہاں اسی ارادہ سے آیا ہوں ورنہ تم لوگ ابو بکر کی بیعت کرنیوالوں میں داخل ہو۔ تاریخ ابو الفدا تاریخ طبری میں گھر جلانے کا ذکر ہے ساری کتابوں میں آگ لکڑی لیجانے اور جلائے جانے کی آواز بلند کرنے کا ذکر ہے کتب شیعہ میں یہاں تک ہے کہ حضرت عمر جماعت منافقین کو لے کر خانہ فاطمہ پر پہونچے اور دروازہ کھولے جانے کے لئے کہا نہ کھولنے پر جلانے کو کہا جناب فاطمہ نے کہا اے عمر خدا سے ڈر اور حرم رسول خدا میں داخل نہ ہو یہ حرام ہے عمر دشمنی میں منافقین سمیت داخل ہو گئے جناب فاطمہ نے فرمایا اے پدر بزرگوار یہ کیا ابو بکر و عمر سے تکلیف مجھے پہنچ

خبردار! مال کی فکر اعمال کو ضائع نہ کر دے

منسوخ شریعتوں کے احکام کلیہ ناسخ شریعت میں بالکل محفوظ رکھے گئے جن کی وجہ سے بعض مستشرقین اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "ملت اسلامیہ" نے کوئی نیا پروگرام نہیں پیش کیا بلکہ سابق کی شریعتوں کے منتخبات کا نام اسلام رکھ دیا ہے حالانکہ نظر حقیقت میں یہی اعتراض اسلام کی حقانیت کی بیّن دلیل ہے اور اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ جس منبع سے اور شریعتوں کے چشمے پھوٹے ہیں وہی اسلام کا بھی چشمہ ہے بلکہ اگر اسلام سابق کے انبیاء کی تکذیب کرتا یا ان کے احکام کی بالکلیہ تردید کر دیتا اور بالکل ہی نرالی اور اچھوتی شریعت پیش کرتا تو ارباب فہم کو اس کی حقانیت تسلیم کرنے میں تامل ہوتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اسلام:

اسلام کی قدامت:-

کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ (۱) ملۃ ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل الخ (حج) اسلام تمہارے بزرگوار ابراہیم کی ملت ہے انھیں نے تم لوگوں کا نام مسلمان قرار دیا (۲) ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراهیم الخ (نحل) پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ (۳) ومن یرغب عن ملۃ ابراهیم الا من سفه نفسه (بقرہ) سوائے بے عقل و سفیہ کے ملت ابراہیمی سے اور کون رو گردانی کر سکتا ہے؟ ان آیات میں ملۃ آدم و نوح کہا اور نہ ملۃ موسیٰ و عیسیٰ بلکہ "واسطۃ العقد" (ہار کے بیچ کا موتی) حضرت ابراہیم کی ملت سے تعبیر کیا شاید اس لئے کہ عدم تجدد کے ساتھ ہی اسلام کے اعتدال پر بھی روشنی پڑ جائے غرضکہ قرآن ہمیں خود بتا رہا ہے کہ نہ انبیاء ما سبق کی تعلیمات و ہدایات اسلام سے جدا تھے اور نہ اسلام ان کے دین سے علیحدہ۔ بلکہ اسلام کا وجود تو حضرت آدم کے وجود سے بھی سابق ہے پیغمبر اسلام کی مشہور حدیث ہے کہ "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" (میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم کے عناصر وجود منتشر تھے) ظاہر ہے کہ نبی یعنی مخبر ہونے کے لئے لازم ہے کہ کوئی خبر کا سننے والا بھی ہو اور عملی طور پر نبی کا فریضہ گمراہی سے بچانا بھی ہے لہذا یہ دونوں کام پیغمبر اسلام کو وجود آدم سے قبل انجام دینا چاہیے اس لئے کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ ملائکہ نے جب نور سرور عالم کو بالکل پہلی دفعہ عرش پر جلوہ گر دیکھا تو اسے اپنا رب سمجھ کر قریب تھا کہ سجدے میں جھک جائیں کہ اس نور نے تسبیح و تہلیل شروع کر دی جس سے ملائکہ کو تنبہ ہوا اور وہ غیر خالق کو سجدہ کرنے سے باز رہے۔ (بحار) معلوم ہوا کہ ہمارے نبی نے اس وقت بھی نبوت کے فرائض انجام دیئے جبکہ آدم کا وجود بھی نہ تھا۔ اس واقعہ سے ایک طرف اسلام کی قدامت کا ثبوت ملتا ہے اور دوسری طرف پیغمبر اسلام کی "نبوت مطلقہ" ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اشارۃً اور احادیث میں صراحۃً اس امر کو ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ہر ما سبق نبی سے آخری نبی کی نبوت کا میثاق لے لیا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے کہ:

انبیاء سے میثاق در باب خاتم النبیینؐ

واذ اخذ الله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشاهدین۔

(آل عمران)

اور جس وقت کہ خدا نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ ہم جب

کتا عصمت ۔ ایمان والوں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے (ارشاد الہی)

رہی ہے عمر نے تلوار جو غلاف میں تھی پہلوئے فاطمہ پر ماری قنفذ نے تازیانہ دوش مبارک پر مارا بیٹی رسول یا ابتاہ کہہ کر چلائی امیر المومنین نے بڑھکر عمر کو پکڑ کر زمین پر دے مارا مارنا چاہتے تھے کہ رسول کی وصیت یاد آئی چھوڑ دیا۔ جناب فاطمہ کو مجبوراً کہنا پڑا کہ تم نے کتنی جلد رسول اللہ کو فراموش کر دیا اور کہاں کے کینے نکالنے شروع ہو گئے جو تمہارے سینے میں چھپے تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آج سے اسلام گیا۔

فاطمہ زہرا نے ایک ایک سے مدد چاہی کسی نے مدد نہیں کی

امت کے ناروا سلوک اور دربار خلافت کے ظلم ناروا

پر جگر گوشۂ رسول نے انصار کے ہر چھوٹے بڑے سے ظالموں کے مقابلہ کے واسطے مدد طلب کی اور ایک انصار کے گھر پر گئیں آپ کے ساتھ امیر المومنین امام حسنؑ و حسینؑ تھے لیکن کوئی ایک مدد کے واسطے تیار نہ ہوا یہی سب کا جواب تھا کہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں وہ طاقتور اور ظلم پسند ہیں معاذ ابن جبل کے بیٹے نے باپ سے پوچھا کہ فاطمہؑ آپ کے پاس کس لئے آئی تھیں تو جواب ملا کہ مدد کی خواستگار ہو کر آئی تھیں میں نے مدد کرنا قبول نہیں کیا معاذ بن جبل باپ کے اس رویّہ سے اتنا رنجیدہ ہوئے کہ قسم کھائی کہ اب کبھی اپنی ضرورت و خواہش باپ کے سامنے نہ رکھوں گا غضب خدا کا دختر رسول تمہارے پاس آ کر محروم پلٹے جناب فاطمہ کے شکم پر عمر کے مارنے کی وجہ سے جناب محسنؑ شہید ہو گئے، آخر مغموم و مھموم اپنے گھر میں بیٹھ رہیں۔

فدک جو رسول نے بیٹی کو ہبہ کیا تھا حکومت نے چھین لیا

جناب فاطمہؑ اس کی نالش کرنے دربار خلافت میں پہونچیں حضرت ابوبکر نے کاغذ مانگا کہ اس کے واپس کرنے کے لئے قبالہ لکھدیں اتنے میں حضرت عمر پہونچ گئے کہا اے خلیفہ رسول یہ کیا کر رہے ہیں ابوبکر نے جناب فاطمہ کے دعوی کا ذکر کیا کہ رسول فدک مجھے دے گئے ہیں زندگی ہی میں بہت سی عورتیں آپ کے ساتھ تھیں بس ایک مرتبہ ام ایمن کی طرف رخ کیا اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ جناب ام ایمنؑ نے فرمایا میں شہادت تو بعد میں دوں گی پہلے یہ کہو میرے لئے رسول سے سنا ہے کہ حضورؐ مجھے جنتی ہونے کی بشارت دے چکے ہیں سب نے کہا ہاں سُنا اس کے بعد فرماتی ہیں میں تم کو قسم دیتی ہوں خدا کی کیا تم نے رسول کو یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ جو عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانا جہنم ہے سب نے کہا ہاں ام ایمن نے کہا کہ اگر میں رسولؐ پر جھوٹ رکھتی ہو کر تو جنتی ٹھکانا دوزخی ہو جائے یقیناً رسول نے فاطمہ کو فدک عطا و ہبہ فرمایا امیر المومنینؑ نے بھی گواہی دی اس پر حضرت عمر غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہا کہ تمہاری گواہی کو میں نہیں مانتا تم عجمی ہو عربی فصیح نہیں جانتی اور علی تو گواہی سے فائدہ کھینچ رہے ہیں یہ ام ایمن کو خانہ شہادت میں معصوم عالم نہیں پیش کیا تھا ان کی ذات کو سامنے لا کر لا وارث حدیث کی حقیقت کو طشت از بام کرنا تھا ام ایمن جناب عبداللہ کی کنیز ہیں جو باپ ورثہ میں رسول مقبول کو حاصل ہوئی اتفاق سے تاریخ حدیث و سیر میں درباری کارروائی

بقیہ صـ١٠١

خدا کا سہارا سب سے بڑا سہارا

قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (ارشاد الٰہی)

پیام اعظمی

مدح پیغمبر

ذہن انسانی کہاں اور ذکر پیغمبر کہاں
بحر بے ساحل کہاں چھوٹا سا یہ ساغر کہاں
بار مدحت کا اٹھا سکتا ہے مدحت گر کہاں
اتنی گنجائش بھلا الفاظ کے اندر کہاں
کیا خبر ہے ٹوٹ جائے فکر کا لنگر کہاں
جس کے بچے آبروئے مشرقین و مغربین
جس کے اہلبیت ہیں انسانیت کے زیب و زین
قوت بازو ہے جس کا فاتحِ بدر و حنین
جس کی بیٹی فاطمہؑ جس کا نواسا ہے حسین
ایسے گھر والے کہاں ہیں اور ایسا گھر کہاں
عشق پیغمبر ہے اور عترت سے گھبراتے ہو تم
شاخ سے الفت ہے اور پھولوں سے کتراتے ہو تم
اے مسلماں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہو تم
چھوڑ کر دامن نبی کا کس طرف جاتے ہو تم
یہ تو ہے دوزخ کا رستہ اس طرف کوثر کہاں
بوریے کو تخت سمجھا جس نے شاہی کے لیے
بخش دی راہِ عمل ہر ایک راہی کے لیے
یہ بھی تھا مخصوص محبوب الٰہی کے لیے
سنگریزے ہاتھ پر آئے گواہی کے لیے
بولتے ہیں ورنہ دنیا میں کبھی پتھر کہاں

احکام کی پابندی۔ لطف خداوندی

جو لوگ برا کام کریں گے وہ منہ کے بھل جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے (ارشاد الٰہی)

پیام اعظمی

مدح معصومہ

اے کنیز فاطمہ شرم و حیا سے کام لے
چل رہی ہیں آندھیاں چادر کا گوشہ تھام لے
فاطمی ہے تو نہ یوں احسانِ صبح و شام لے
تجھ کو حق ہے خود خراجِ گردشِ ایام لے
ان کو ٹھکرا دے جو خود کھاتے رہے ہیں ٹھوکریں
اس کو دے آواز جو گرتے ہوؤں کو تھام لے
اٹھ کے ٹھکرا دے غرور خنجر و شمشیر کو
موت بھی آئے تو اس سے زندگی کا کام لے
بیٹھ کر گھر میں تو سب کرتے ان کا تذکرہ
مثل میثم دار پر چڑھ کر علی کا نام لے

اے مسلماں غیرت حق کی دل آزاری نہ کر
دل دکھایا جس نے زہرؑا کا نہ اس کا نام لے

بادہ و ساغر کا کیوں اس انجمن میں نام لے
مدحِ معصومہ ہے غافل آئیتوں سے کام لے
سورۂ کوثر کہاں ہے چوم لے آ کر قدم
آیۂ تطہیر سے کہدو کہ دامن تھام لے
فاطمہ کی گود میں ہے معنیٔ ذبح عظیم
بھیک اپنی زندگی کی مذہب اسلام لے
رزم گاہ خیر و شر میں کون ہے جز فاطمہؑ
ذوالفقار مرتضیٰؑ کا جو زباں سے کام لے
ایسی بی بی کون ہے بنتِ پیمبر کے سوا
وقت مشکل ہاتھ جو مشکل کشا کا تھام لے
دیکھ پھر کس طرح کھلتا ہے در باب قبول
اے دعائیں کرنے والے فاطمہؑ کا نام لے

ذکر معصومہ سزائے اہل باطل ہے پیام
مدح کر ایسی کہ دشمن بھی کلیجہ تھام لے

نیک عمل سے دنیا سنوارو آخرت خود ہی سنور جائے گی۔

جو لوگ برا کام کریں گے ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے بس اسی کی جزا انہیں دی جائے گی۔
(ارشادِ الٰہی)

قاسم شبیر نقوی نصیر آبادی

ہوئی بس ایک ہی "معصومہ"۔ ایک ہی "مولا"

نہ پوچھو آج کہاں ہے مزاجِ اہلِ ولا   ہر ایک سانس پہ آتی ہے جنّتوں کی ہوا
جہاں کسی نے لیا نامِ فاطمہؑ زہرا   عجب "نشاطِ غم آگیں" سے میرا دل دھڑکا
شرف یہ خاص تھا اسلام کے مقدّر کا
ہوئی بس ایک ہی معصومہ۔ ایک ہی مولا
بغیر تیرے نبوّت کا فرض ادھورا تھا   تھا اشتراک کا محتاج خود نبی بخدا
یہ معجزہ تھا کہ تھا طرزِ زندگی تیرا   امیرِ وقت کی زوجہ تھی اور فاقہ زدہ
وہ تیرا حسنِ سلوک اور محبّتِ فضّہ   تھی خادمہ کہ سہیلی کوئی سمجھ نہ سکا
جسے زمانے میں کہتے ہیں دولتِ عقبیٰ
ہے تیرے باپ کا ایثار اور ترا صدقہ
تھا یہ خزانۂ دینِ خدا کا سرمایہ   بس اک حسامِ علیؑ اور ایک تیری ردا
زمانہ پڑھ کے بھی اِس رمز کو سمجھ نہ سکا   کہ تیرے گھر کی ہے تاریخ یا کلامِ خدا
حریمِ ناز ہے ترا جسے حرم کہئے   ہے "کربلا" ترے بچّوں کے کھیلنے کی ادا
وہاں پہ دب گیا ہنگامۂ غرورِ حیات   جہاں گئی تری چکّی کے پیسنے کی صدا
شہادتیں تو ہزاروں ہوئیں زمانے میں   تری ہی گود کا پالا تھا سیّد الشہداؑ
گواہ مصحفِ ناطق ہے معرفت کا تری   ترے شعور کے دو رُخ ہیں قبلہ و کعبہ
ہیں عظمتیں تو تصوّر سے ماورا قاسم
کہاں سے لاؤ گے تم تابِ مدحِ معصومہؑ

ظالم سے کہہ دو کہ اللہ عادل ہے

پابندی سے نماز پڑھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا کو قرض حسنہ دو۔ (ارشادِ الٰہی)

دبیر سیتاپوری

بیٹیاں

بے غرض پیکرِ الفت ہے سراپا بیٹی
سارے رشتوں میں چمکتا ہوا رشتہ بیٹی

صفتِ خاک قدم پیش کیا ہے اس نے
مرد کو اوج کا احساس دیا ہے اس نے

خوف کی سونی حویلی میں رہا کرتی ہے
انتظارِ غم و آلام کیا کرتی ہے

چاہے میکا ہو کہ سسرال ہو پنجرے کیطرح
جان دے دیتی ہے چپ چاپ پرندے کیطرح

خیر مقدم کرے شوہر کا دل آراء بن کر
بیٹا آئے تو لپٹ جاتی ہے ممتا بن کر

جاہلیت کے زمانے سے بری ہے بیٹی
قتل اب بطن میں ہی ہونے لگی ہے بیٹی

بیٹیاں دل پہ ہیں اک بڑھتے ہوئے بوجھ کا نام
ایک دن ڈھلتا ہوا اور اک آتی ہوئی شام

جو نہ کاٹے کٹے ایسی شبِ دیجور ہے یہ
دل میں ماں باپ کے رِستا ہوا ناسور ہے یہ

بیٹی آغوش میں جیسے کوئی فتنہ پل جائے
اور مر جائے تو پھر سر سے قیامت ٹل جائے

بام و در خانۂ جذبات کے ہیں سُونے سے
ہاتھ جل جاتے ہیں ممتا کے اِسے چھونے سے

ہر گھڑی فکر کہیں اس کی سگائی ہو جائے
پاس کوڑی نہ رہے پیر پرائی ہو جائے

دیندار وہ ہے خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرے

ہم نے انسان کو رستہ دکھا دیا اب وہ شکر گذار ہو خواہ ناشکرا۔ (ارشادِ الٰہی)

بنتِ زردار ہر اک زہرہ جبیں لگتی ہے
نوکری کرتی ہو۔ پھر اور حسیں لگتی ہے
جشنِ شادی کا بنا منظرِ مرگِ انبوہ
کر گیا خالی بھرا گھر۔ وہ ڈکیتوں کا گروہ
نظر آتے ہیں براتوں میں لیڈر افسر
راضی ہو جاتے ہیں دو ناشتے اک کھانے پر
یہ بھلے لوگ جھجکتے ہیں نہ شرماتے ہیں
ناچتے گاتے ہوئے مال اٹھا لاتے ہیں
باپ زخموں پہ نمک ڈال کے سکھ پانے لگا
لٹتے لٹتے اِسے لٹنے میں مزہ آنے لگا
حیثیت باپ کی بیٹی ترے صدقے میں گئی
خوب سودا ہوا دوکان بھی تحفے میں گئی
خود کو سمجھا کئے بیوی میاں فلمی کردار
چھ مہینے میں اُترنے لگا شادی کا خمار
نصفِ بہتر کو ستانے لگی میکے کی بہار
اور شوہر پہ چڑھا ڈگریوں لالچ کا بخار
ذہن سے دونوں کے جھگڑوں کی گھڑی ٹلتی نہیں
صبح ہو جاتی ہے لیکن شبِ غم ڈھلتی نہیں
باپ سویا ہوا بچّی ہے پڑی جھولے میں
ڈگریاں طاق پہ رکھی ہوئیں۔ خود چولھے میں

ماں دھرے کان پہ ہاتھ اور کلیجے پہ پدر
خبرِ مرگ مسرت ہے ولادت کی خبر
بسکہ بیٹے کی جگہ ماں نے جنی ہے بیٹی
باپ کے سامنے آئینہ بنی ہے بیٹی
بے زبانی نے کہا۔ کوئی نہیں جشنِ بہار
پاپا گھر بند ہے گولے نہ پٹاخے نہ انار
دینا لاکھوں کا جہیز اے میرے اچھے پاپا
تاکہ سسرال میں آرام سے گذرے پاپا
اپنے کردار کا آئینہ بنانا مجھکو
کوئی کچھ بھی کہے برقع نہ اڑھانا پاپا
ماں سے دو درجہ زیادہ ہی پڑھانا پاپا
نوکری پھر مجھے اچھی سی دلانا پاپا
ساتھ عزت کے کٹے گی۔ کرو وعدہ پاپا
یا تو دفنا دو مجھے آج ہی زندہ پاپا

جنت کا راستہ شکرانِ نعمت۔ دوزخ کا راستہ کفرانِ نعمت

ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں، طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (ارشاد الٰہی)

ہوں گے خاموش تماشائی زمانے والے — زہر دیں گے مجھے شوہر کے گھرانے والے
شادی آسانی ہو ایڈوانس بنانا مجھکو — فلمیں ساتھ اپنے بٹھا کر ہی دکھانا مجھکو
خوب دولت نہ اگر ساتھ میرے جائے گی — جل کے اک دن میرے مرنے کی خبر آئے گی

باپ لڑکی کا بجز ننگِ شرافت کیا ہے — خود پہ گذری ہے تو سمجھا ہے قیامت کیا ہے
روشنی بند دریچوں سے جو ٹکرانے لگی — بھولی بسری سی کہانی کوئی یاد آنے لگی

جس نے دنیا پہ نہ لذت کی نظر ڈالی کون؟ — ذکر قرآن میں جس کا ہے وہ ہے بیٹی کون؟
مہر ادا کر کے دلہن لے گیا اپنے گھر کون؟ — ذی حشم باپ تھا وہ کون۔ وہ تھا شوہر کون؟

باپ کے غمزدہ دل کے لیے مرہم بن جائے — بیٹی اور نسل امامت کی بنا کہلائے
رگِ ابتر جو کٹی نبضِ بقا چھوٹ گئی — لوگ سمجھے تھے کہ شاخِ گلِ تر ٹوٹ گئی

قدرداں رتبہ داں۔ تطہیر نشاں کہتے تھے — اور کبھی شبّر و شبّیر کی ماں کہتے تھے
دوسرا ہو کوئی دارین میں۔ ممکن ہی نہ تھا — کفو حیدرؑ کہیں کونین میں ممکن ہی نہ تھا

عظمتِ بنت پیمبرؐ کی علامت سبطین — ہاتھ میں دست علیؑ گود کی زینت سبطین
رتبۂ فقر۔ نہ دنیا کی سمجھ میں آیا — کھانا جنّت سے منگایا ہوا اکثر کھایا

شادی بیٹی کی ہو داماد لگائے پیسے — ہم بھی دیکھیں کوئی اِس رسم کو معیوب کہے
کچھ نہ تھا کیا پئے دختر۔ شہ کونین کے پاس — چند مٹی کے ظروف اور بس اک کہنہ لباس

کہو ایمان سے اب جھوٹ سے کر کے پرہیز — کس پدر نے دیا۔ کس شخص نے مانگا ہے جہیز
مالکِ کوثر و تسنیم کی بارات چلی — ٹھہری بارات تو پھر بات یہ دن رات چلی

جہنم سے آزادی چاہتے ہو تو دنیا کے جال میں نہ پھنسو

کبھی رسموں میں اصولوں کو نہ ڈھلتے دیکھا
بے ضرورت نہ کبھی گھر سے نکلتے دیکھا
دستِ تثلیث سے یوں تیغِ انا چھوٹ گئی
پانچ ہی نکلے تھے لاکھوں کی کمر ٹوٹ گئی
ہم کو زہراؑ نے نشانی بھی علیؑ جیسی دی
شیر دل۔ شیر جگر شیر صفت بیٹی دی
سر کچل ڈالا یزیدوں کی خداوندی کا
کارنامہ ہے یہ مزدور کی اک بیٹی کا

دوسری دنیا کے یہ آدمی لگتے کیوں ہیں
اہل کردار ہمیں اجنبی لگتے کیوں ہیں
راہ نسواں میں رسومات کے پتھر نہ رکھو
یعنی قرآن کو جزدان سے باہر نہ رکھو
کہہ کے یہ بات پیمبرؐ نے نمونے بھی دیئے
بیٹے باہر کے لیے بیٹیاں اندر کے لیے
بات اللہ کی مانو گے سکوں پاؤ گے
ورنہ اِس دور میں بھی بیٹیاں دفناؤ گے
بخش سکتے نہیں جنّت تو جہنم بھی نہ دو
ایسی شادی سے تو اچھا ہے کہ شادی ہی نہ ہو
خوب منطق ہے کوئی چھوڑ کے گھر ظلم سہے
ساتھ تا زندگی بیٹا رہے بیٹی نہ رہے
لڑکی والوں کی ہر اک شرط کے پابند ہیں وہ
لڑکے والوں کو بتاؤ کہ غرض مند ہیں وہ
نظم ہے ختم بس اک بات کی ہے اور رحمت
بیٹی رحمت ہے تو ہے باپ امینِ رحمت

بیچیے شیطان کے ہاتھوں نہ بزرگوں کے چلن
سرخروئی کی تمنّا میں گنہگار نہ بن

جو شخص چاہے اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کرے (ارشاد الٰہی)

فروغ کاظمی

مرسلِ اعظمؐ

اے شہِ کون و مکاں اے حاملِ خُلقِ عظیم
اے متاعِ دو جہاں اے مائلِ لطفِ عمیم
اے مشیت کی زباں اے کاملِ نطقِ کلیم
اے مآلِ کن فکاں اے حاصلِ ذوقِ سلیم
وسعتِ کونین میں بس ایک تیرا نور تھا
دامنِ علمِ الٰہی میں تو ہی مستور تھا

(۲)

وجہِ تخلیقِ دو عالم، شمعِ بزمِ کائنات
عالمِ علمِ لدنی، اُمّیِ عالی صفات
مظہرِ انوارِ خالق، قلزمِ آبِ حیات
جادہ تکمیلِ ایماں منزلِ راہِ نجات
سارے عالم میں کوئی ایسا لطیف آیا نہیں
جسم بھی ایسا کہ جس میں نام کو سایا نہیں

(۳)

بالیقیں مشتق ہیں تیرے نور سے لوح و قلم
مخبرِ روح الامیں تو کس قدر ہے محترم
اللہ اللہ یہ تری معراج یہ جاہ و حشم
شامِ اسریٰ منزلِ قوسین ہے زیرِ قدم
سرِ حق سے قلب تیرا مخزنِ آیات ہے
عبد اور معبود کے مابین تیری ذات ہے

(۴)

سنگریزوں کو ترے ہاتھوں پہ ملتی ہے زباں
ثبت ہیں قلبِ حجر پر تیرے قدموں کے نشاں
ہو گئی ہے تیرے نقشِ پا سے روشن کہکشاں
آ چکے ہیں بڑھ کے خود زیرِ نگیں ہفت آسماں
راہبر ہے آج بھی تیری ہی رفتارِ سلیم
تیرے قدموں کی بدولت ہے صراطِ مستقیم

(۵)

کہتے ہیں لیل و نہار عصر یہ شام و سحر
دہر میں ہے صرف تیری ذات مافوق البشر
دیدنی ہے تیری انگشتِ شہادت کا اثر
ہر نظر کا معجزا کیوں کر نہ ہو شق القمر
ہفت اقلیمِ جہاں ہیں تابعِ فرماں ترے
قسمتِ کونین پر ہیں آج بھی احساں ترے

(۶)

وادیٔ جنگ و جدل میں امن کا پرچم ہے تو
رحمۃ للعالمین ہے سرورِ عالم ہے تو
خالقِ ارض و سماء کا ہادیٔ محکم ہے تو
کاروانِ رشد کا بس مرسلِ اعظم ہے تو
آشتی کا درس ملتا ہے ترے پیغام سے
آدمیت جی رہی ہے آج تیرے نام سے

اختیار اخبار کے لیے ہے

پرہیزگار لوگ گھنی چھاؤں، چشموں اور پسندیدہ میووں میں ہونگے۔ (ارشاد الٰہی)

شارب لکھنوی

محسوسات شارب

ہمیں مشکلوں سے ڈراتے ہیں اکثر وہی لوگ۔ جو ہم کو کم جانتے ہیں
یہ دریا، یہ طوفاں، یہ کانٹے یہ شعلے ہمارا ثبات قدم جانتے ہیں

زمانے سے کہہ دو کہ ہم کو نہ چھیڑے حقیقت زمانے کی ہم جانتے ہیں

ہماری جبینوں کے بیتاب سجدے محمدؐ کے نقش قدم جانتے ہیں
در مصطفےٰ کو جو کہتے ہیں جنت وہ اس در کی منزل کو کم جانتے ہیں

کیا ہم نے اعلانِ حق زیر خنجر زبانیں کٹائی ہیں سچ بولنے پر
ہمیں موت سے جب ڈراتی ہے دنیا تو یہ بات کیوں بھول جاتی ہے دنیا

خوشی ہم کو پیاری نہ غم ہمکو پیارا جو انکو گوارا وہ ہم کو گوارا
نہ خنجر اٹھایا نہ تلوار اٹھائی مگر آگئی زیر دامن خدائی

کبھی دامن عشق چھوڑا نہیں ہے تسلسل محبت کا توڑا نہیں ہے
حجابات آنکھوں سے تم نے اٹھائے بشر کو حقیقت کے جلوے دکھائے

ہمیں ان کے در سے ہدایت ملی ہے جو رازِ وجود و عدم جانتے ہیں

بتانے کی زحمت نہ فرمائیے دنیا کہاں سر جھکائیں یہ ہم جانتے ہیں
وہ نور محمدؐ کا ہے ایک پرتو جسے لوگ باغِ ارم جانتے ہیں

رہِ حق کی دشواریاں ہم سے پوچھو ہم اس راہ کے پیچ و خم جانتے ہیں
طریقہ بھی جینے کا آتا ہے ہم کو سلیقہ بھی مرنے کا ہم جانتے ہیں

محمدؐ کی مرضی ہے مرضی ہماری خوشی جانتے ہیں نہ غم جانتے ہیں
محمدؐ کا اخلاق اک معجزہ ہے یہ بات اہل سیف و قلم جانتے ہیں

ابد تک عقیدت کے سجدے کریں گے ازل سے تمھیں محترم جانتے ہیں
یہ بندے تمھاری بدولت محمدؐ خدا کو، خدا کی قسم جانتے ہیں

ہماری جبینِ عقیدت کو شارب ہے ایک خاص نسبت در مصطفےٰؐ سے

محمدؐ کو تو جانتا ہے زمانہ، محمدؐ کی منزل کو ہم جانتے ہیں

قیامت کی دھوپ اور بھوک پیاس سے بچنا ہے برائیاں چھوڑ دو

"یوم غدیر کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے" (ارشاد الٰہی)

تم کو کتاب و حکمت (وغیرہ) دیں اس کے بعد تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتاب وغیرہ کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا (اور) خدا نے فرمایا کہ تم نے اقرار کیا؟ اور ان سب باتوں کا عہد کر لیا؟ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کیا ارشاد ہوا تو تم آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔

روی عن امیر المومنین انه قال لم یبعث الله سبحانه نبیا من لدن آدمؑ الی محمدؐ الا اخذ علیه العهد فی محمد لئن بعث و هو حی لیومن به ولینصرنه و کذا روی عن الحسن البصری و عن السدی فی معنی هذه الآیة۔

(حقائق التاویل ص۱۳۳)

امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خلاق عالم نے کسی نبی کو آدم سے خاتم تک نہیں مبعوث کیا مگر محمد مصطفےٰؐ کے بارے میں یہ عہد لے کر کہ اگر وہ مبعوث ہوئے اور تم (ان کے زمانے میں) زندہ رہے تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی ضرور نصرت کرنا بالکل اسی مضمون کی روایت حسن بصری اور سدی سے بھی اس آیت کی توضیح میں وارد ہوئی ہے۔

غرضکہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا آپ کی شریعت کا مطابق فطرت اور ہمہ گیر ہونا اور قیام قیامت تک اسی شریعت کاملہ کا باقی رہنا نہ فقط قرآن و حدیث کی دو ایک آیتوں اور روایتوں سے ثابت ہے بلکہ متعدد آیتیں اور کثیر روایتیں اس باب میں موجود ہیں۔

ختم نبوت کیلئے عقلی معیار:-

البتہ ختم نبوت محمدؐ اور دوام شریعت اسلام پر کسی کو صرف عقلی دلیل مطلوب ہو تو میں اسے دعوت دونگا کہ وہ اسلام کے نظام معاش و معاد کا دنیا کے تمام نظامات سے (خواہ وہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی) مقابلہ و موازنہ کرے اگر اسلامی نظام سب سے بہتر اور زمانے کے مطابق فطرت ترقی کے ساتھ برابر ہمراہی کرنے کے قابل ثابت ہو تو پھر کسی اور نظام شرعی و غیر شرعی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نظر انصاف میں اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہر انسان اپنے عمل پہ خود مختار ہے مگر چونکہ عام طور پر اس "جد و جہد کی دنیا" میں لوگوں کو ایسے امور پہ غور کرنے کی فرصت کم ملتی ہے اس لئے ان کے واسطے "الجواد" برابر ایسے تحقیقی مطالب کو مہیا کرتا رہے گا جس سے عقل کو فیصلہ کرنے میں سہولت ہو سکے۔

(بشکریہ ماہنامہ "الجواد" ماہ جنوری سنہ ۸۵ء)

تنظیم المکاتب ڈائری و پرس:- ہجری و عیسوی تاریخیں ولادت و وفات معصومین علیہم السلام اور دیگر اہم تاریخی واقعات کی نشاندہی اقوالِ معصومینؑ خطبہ جمعہ، زیارت وارثہ دعائے عقیقہ، دعائے ختنہ، قرآن سے تفاؤل، دعائے ہلال، اوقات نماز پنجگانہ، S.T.D کوڈ فہرست تفصیلات وغیرہ، رنگین طباعت، پلاسٹک کور کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے خواہشمند حضرات اپنی ڈائری و پرس محفوظ فرمالیں

قیمت ڈائری 6-00 قیمت پرس 15-00

(ادارہ)

فاطمہؑ کے آنسوؤں نے دشمن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

ابنِ علی واعظ

آئینۂ حیات ہے کردارِ فاطمہؑ

عصمت کی ایک شناخت ہے رفتارِ فاطمہؑ
قرآں سے ملتی جلتی ہے گفتارِ فاطمہؑ

زینبؑ ہیں اک نمونۂ کردارِ فاطمہؑ
اللہ رے بلندیٔ کردارِ فاطمہؑ

قم ہو کہ کاظمین، نجف ہو کہ کربلا
پھیلے ہوئے ہیں دہر میں انوارِ فاطمہؑ

شک ہو اگر تو بلبلِ سدرہ سے پوچھ لو
باغِ جناں ہے اصل میں گلزارِ فاطمہؑ

باغِ فدک کے چھیننے والے تو مٹ گئے
مہکا ہوا ہے آج بھی گلزارِ فاطمہؑ

بہکارہِ وفا ہے تو دوزخ میں جائے گا
غدّار ہے رسولؐ کا غدّارِ فاطمہؑ

شہزادیٔ زماں سے نہ بیعت طلب ہوئی
اللہ رے قوتِ لبِ انکارِ فاطمہؑ

خاموش ہو گئی جو زباں ذوالفقار کی
شمشیر بن گئے لبِ اظہارِ فاطمہؑ

آب و نمک خدا نے دیا جب سے مہر میں
سارا جہاں ہے تب سے نمک خوارِ فاطمہؑ

جو ستّرِ رسولؐ نہ اب تک سمجھ سکے
سمجھیں گے کیا طہارتِ کردارِ فاطمہؑ

پانی سمجھ رہے ہیں جو آنسو کو آج تک
کیا جانیں قدر و قیمتِ بازارِ فاطمہؑ

عیسیٰؑ بھی جس کے پیچھے پڑھیں صبح کی نماز
کیا معتبر امام ہے دلدارِ فاطمہؑ

پُر خار و پُر خطر ہے رہِ زندگی تو ہو
ہے رہنما مرا گلِ گلزارِ فاطمہؑ

دنیا کی عورتوں کے لئے صبحِ حشر تک
"آئینۂ حیات ہے کردارِ فاطمہؑ"

شاکرؔ نہیں ہے غم، مرا سر یا زباں کٹے
میں بھی ہوں ایک میثمِ تمّارِ فاطمہؑ

منتظمین و مدرسین کرام توجہ فرمائیں

ترمیم و اضافہ قواعد و ضوابط

۱- **خصوصی الاؤنس:-** ۲۵ طلباء سے کم درج رجسٹر و شرکت امتحان پر مندرجہ ذیل شرح سے

56 تا 65 فیصد	5/- ماہانہ
66 تا 85 فیصد	10/- 〃
86 تا 95 فیصد	15/- 〃
96 تا 100 فیصد	20/- 〃

۲۵ طلباء سے زائد درج رجسٹر و شرکت امتحان پر مندرجہ ذیل شرح سے

56 تا 65 فیصد	10/- ماہانہ
66 تا 85 فیصد	15/- 〃
86 تا 95 فیصد	20/- 〃
96 تا 100 فیصد	25/- 〃

نوٹ:- خصوصی الاونس اسی مدت کا دیا جائیگا جس مدت کی تنخواہ دی گئی ہے اگر رخصت بلا تنخواہ ایک ماہ یا اس سے زائد ہوگی تو اس مدت کا خصوصی الاونس نہیں دیا جائیگا۔ اگر کسی مدرسہ سے مربوط درج رجسٹر و شریکِ امتحان طلباء ۲۵ یا اس سے کم ہوں تو سابق الاونس ہی دیا جائیگا۔

۲- اطفال کی نقل میں گنتی بھی سکھائی جائے۔ نقل کے نمبر میں گنتی کو بھی شامل کیا جائیگا۔

۳- دوم تا پنجم عملی مسائل اور املا میں ۵۰ فیصد نمبر کامیابی کے لئے پانا ضروری ہے۔

۴- غیر حاضری پر طالب علم کا نام نہیں خارج کیا جائیگا لیکن ۵۰ فیصد یا اس سے کم حاضری پر اسے پرائیوٹ امیدوار قرار دیا جائیگا اور مدرسین کا خصوصی الاونس اس سے متاثر نہ ہوگا۔ جدید داخلہ کے سلسلہ میں ۳ ماہ والا اصول باقی رہے گا۔

نرم بستر پر سوؤ مگر قبر کی خواب گاہ کو نہ بھولو۔

کیا ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا باعث نہیں قرار دیا؟ (ارشاد الہی)

تنظیم المکاتب

خدمات و ضروریات ایک نظر میں

۱۔	تعداد مکاتب	۶۰۶
۲۔	تعداد مدرسین	۹۲۳
۳۔	شریک تربیت مدرسین	۷۲۸
۴۔	تربیت یافتہ مدرسین	۴۴۷
۵۔	طلاب مکاتب	۲۴۷۱۸
۶۔	قیام جامعہ امامیہ	۱۱؍ ذیعقدہ ۱۴۰۳ھ ۱۳؍ اگست ۱۹۸۳ء
۷۔	تاسیس جامعۃ الزہرا	۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ ۱۸؍ جنوری ۱۹۹۰ء
۸۔	طلاب جامعہ امامیہ	۷۷
۹۔	دائمی ممبران	۱۹۶۳
۱۰۔	عمومی ممبران	۲۰۸۲
۱۱۔	خبرنامہ تنظیم المکاتب	۳۰۰۰
۱۲۔	تخمینہ خرچ ۹۱-۹۰ء	۲۸۵۰۰۰۰
۱۳۔	خسارہ تا مارچ ۹۱ء	۲۶۵۰۰۰۰

آرام کی نیند سوؤ۔ غفلت کی نہیں

عکسِ اجازہ

آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے خوئی مدظلہ العالی

PHOTO COPY OF PERMISSION GIVEN BY AYATULLAHILUZMA AQAI KHOI

अक्स इजाज़ा आक़ाये ख़ुई मद्दज़िल्लहू

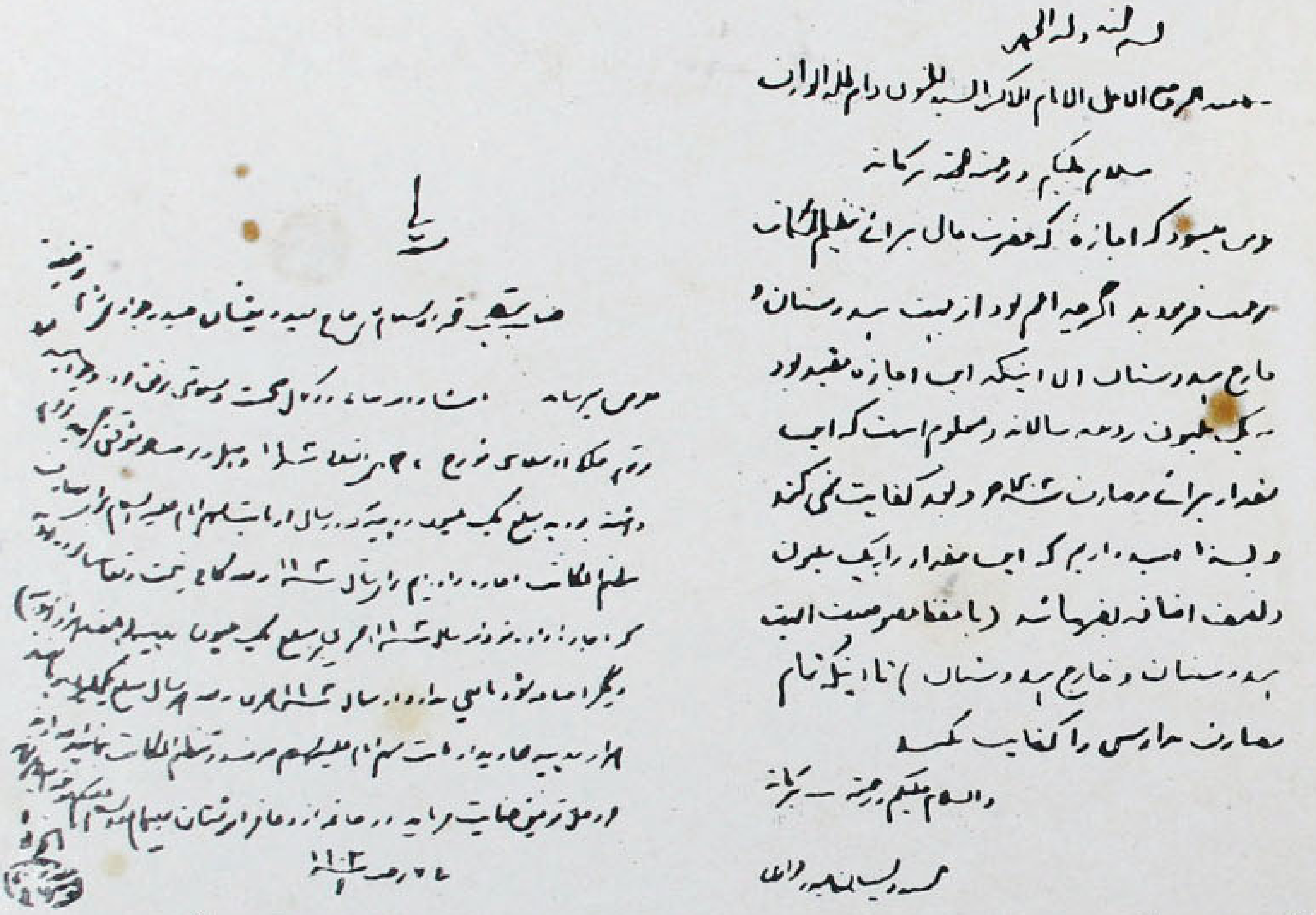

بسم الله وله الحمد

سماحة مرجع الاعلی الامام الاکبر السید الخوئی دام ظله الوارف

سلام علیکم و رحمة الله و برکاته

در پس صدور اجازه که صرف مال برای تنظیم المکاتب
مرحمت فرمودید اگرچه اهم بود از جهت هندوستان و
خارج هندوستان الا اینکه این اجازه مقید بود
به یک ملیون روپیه سالانه و معلوم است که این
مقدار برای مصارف تشکیلات و لجنه کفایت نمی کند
و لهذا امید داریم که این مقدار را یک ملیون
و نصف اضافه بفرمائید (با ملاحظه جهت
هندوستان و خارج هندوستان) تا اینکه تمام
مصارف مدارس را کفایت کند

والسلام علیکم و رحمة الله و برکاته

تنظیم المکاتب کو ہند و بیرون ہند سے ۱۵ لاکھ روپیہ سالانہ سہم امام لینے اور صرف کرنے کی اجازت ہے

TANZEEMUL MAKATIB LUCKNOW IS PERMITTED TO COLLECT AN TO EXPEND RUPEES FIFTEEN LACS AS SAHME IMAM A. S. FROM INDIA AND OTHER COUNTRIES ABROAD.

तनज़ीमुल मकातिब को हिन्द व बेरूने हिन्द से १५ लाख रुपया सालाना सेहमे इमाम अलैहिस्सलाम लेने और सर्फ़ करने की इजाज़त है।

20, Dec. 90 & 5, Jan. 1991
Phone : 23 5115

TANZEEMUL MAKATIB
GOLAGANJ, LUCKNOW - 226018 U.P. (INDIA)

KITAB - E - ISMAT

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمۂ قرآن

پوری دنیا میں اس سرے سے اس سرے تک ہر زبان میں قرآن کریم کے ہزاروں ترجمے ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں مگر کسی ترجمے کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ترجمہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور اب اس کے بعد کسی ترجمہ کی ضرورت باقی نہیں۔

"زبان" پہاڑوں کی طرح کسی جامد شے کا نام نہیں بلکہ دریاؤں کی طرح رواں متحرک حقیقت کا نام ہے اور دنیا کی ہر زبان ہر لمحہ تغیر و تبدل اور ٹوٹ پھوٹ سے دوچار رہتی ہے۔

بے شمار الفاظ روزانہ فنا ہوتے رہتے ہیں اور نئے الفاظ عالم وجود میں آجاتے ہیں۔ سیکڑوں محاورات، ضرب الامثال، علامتیں، تشبیہات متروک ہوتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اور تازہ دم محاورات و ضرب الامثال علامتیں اور تشبیہات لے لیتے ہیں۔

اپنی کم عمری کے باعث اردو زبان دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اس صورت حال سے زیادہ دوچار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عہد کی زبان دوسرے عہد کیلئے اجنبی بن جاتی ہے اور ایک نسل کی زبان کو کچھ زمانے بعد خود اس کی وارث نسلیں سمجھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں۔

آپ آج سے سو سال پہلے ہونیوالے قرآن کا اردو ترجمہ پڑھیں تو آپ کو کہنا پڑے گا کہ یہ ترجمہ تو خود ترجمہ کا محتاج ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر دور میں عصری تقاضوں کے مطابق عصری زبان میں ترجموں کی تکرار ہوتی رہے تاکہ ہر نسل حتی الامکان رموز قرآنی تک رسائی حاصل کر سکے۔

یہ کائنات، قدرت کا عمل ہے اور قرآن اس کا قول، اور ظاہر ہے کہ خالق کے قول و عمل میں فرق ممکن نہیں۔ جس طرح علوم کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ٹھیک اسی طرح رموز قرآنی کا حصر بھی ناممکن ہے۔ اور جس طرح روز بروز کائنات کے سربستہ رازوں سے پردے اٹھتے جا رہے ہیں اسی طرح مفاہیم قرآنی کے بھی نئے نئے دروازے کھلتے جا رہے ہیں۔

جیسے جیسے زبان و بیان میں ترقی ہو رہی ہے انسان قرآنی الفاظ کے پیچھے اس کی وسیع معنویت کا مشاہدہ کر رہا ہے اور جیسے جیسے علوم ترقی کر رہے ہیں فکر انسانی قرآن کی ایک حقیقت سے گزر کر دوسری حقیقت تک پہنچ رہی ہے۔

اس لئے ہر دور میں ایسے جدید ترین ترجموں کی ضرورت ہے جو قرآن فہمی کیلئے عربی زبان سے ناواقف افراد کی رہنمائی کر سکیں۔

ایسے ہی اسباب تھے جن کی بنا پر بہت دنوں سے قرآن حکیم کے ایک نئے اردو ترجمے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم خدمت اور تاریخی کام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے نہ صرف یہ کہ عربی زبان پر عبور حاصل ہو بلکہ وہ عربی زبان و ادب کا مزاج آشنا بھی ہو۔ دوسری طرف اردو ادبیات کے قدیم سرمایہ سے واقفیت کے ساتھ برصغیر پر بولی جانیوالی عصری زبان کے تقاضوں سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ ساتھ ہی ساتھ قدیم و جدید تفاسیر پر بھی نظر رکھتا ہو اور تفہیم قرآن کے سلسلے میں عالمی پیمانے پر ہونے والی خدمات سے بھی آشنا ہو۔

ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری نظر سرکار **علامۂ جوادی** مدظلہ کے علاوہ اور کس پر پڑتی۔ مگر ملک اور بیرون ملک میں ان کی بے پناہ مصروفیت رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کم فرصتی کے باوجود انھوں نے یہ کارنامہ انجام دیدیا

۱۹۹۰ء جہاں قومی سطح پر مصیبتوں اور پریشانیوں کا سال بن کر رخصت ہوا وہیں ہمیں قرآن کریم کے اردو ترجمہ اور تفسیری حاشیے کی شکل میں اتنا بڑا روحانی اور علمی تحفہ بھی دے گیا جو ہمارے لئے وجہ افتخار ہے۔

بحمد اللہ کہ ترجمۂ قرآن طباعت کی منزلوں سے گذر کے اشاعت کی منزلوں میں آچکا ہے اہل خیر حضرات اس کے حصول کیلئے ادارہ سے رجوع کر سکتے ہیں:

ادارہ

قیمت 150 روپیے
تجار کے لئے 125
معاونین تنظیم کو ادارہ رعایتی قیمت پر دے گا

مراکز حصول

دفتر تنظیم المکاتب	گولہ گنج لکھنؤ
جامعہ انوار العلوم	مرزا غالب روڈ الہ آباد
جامعہ جوادیہ	پرہلاد گھاٹ بنارس
مولانا سید کاظم رضا صاحب قبلہ	A1، نوشوکت سوسائٹی ۱۹ نوروجی ہل روڈ۔ ڈونگری بمبئی
مولانا محمد علی آصف صاحب قبلہ	غازیپور ڈاک خانہ گوگوان ضلع مظفر نگر

کتابِ عصمت

نیکوکار خالص خدا کیلئے خیرات کرتے ہیں نہ بدلے کے خواستگار ہیں نہ شکریہ کے بدلے کی خواہش نیکی کو ضائع کرتی ہے
(ارشاد الٰہی)

مرسلِ اعظمؐ قوم گری کی سنگلاخ وادی میں

از قلم:- بانیٔ تنظیم المکاتب مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ طاب ثراہ

مشکل ترین کام:- ہرگز مبالغہ نہ ہوگا اگر قوم گری اور ہدایت و تبلیغ کو عالم اسباب کا مشکل ترین کام قرار دیا جائے۔ ایک بچہ جو بری عادتوں کا خوگر نہ ہوا ہو اسے خوبیوں کا حامل انسان بنانے میں، ماں باپ بلکہ پورا گھر محنت کرتا ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے ایسے مدرسین کی ضرورت ہوتی ہے جو درجہ بدرجہ اس کو منازل انسانیت سے آشنا کرتے جائیں اس کے بعد بھی صرف امید ہوتی ہے کہ وہ ایک اچھا انسان بن سکے گا۔ یقین پھر بھی نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک لڑکا نالائق ہو جائے تو صرف ماں باپ، گھر اور خاندان والے، تعلیم گاہوں کے ماہرین اس کو درست کرنے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک بگڑے انسان کی تباہ کاریوں کو ملک و قانون بلکہ بین الاقوامی طاقتیں بھی نہیں روک سکتیں۔ اسی سے اندازہ لگایئے کہ پوری قوم کی تعلیم و تربیت اور قومی کردار کی تعمیر کتنا مشکل کام ہے جو صرف ایک انسان (ہادی) کے سپرد کیا جاتا ہے۔ تبلیغ کی راہ میں رکاوٹوں کے طوفانی سمندر میں ہادی (نبی یا امام) ہدایت کی ہلکی پھلکی کشتی چلاتا ہے جبکہ کشتی میں نہ حکومت کا لنگر ہوتا ہے نہ دولت کا بادبان نہ جماعت و طاقت کے پتوار ہوتے ہیں نہ سیاست و مصلحت کا دخانی انجن اس پر مزید مشکل یہ ہوتی ہے کہ کشتی کو مشیت الٰہی کی راہ پر چلانا ہوتا ہے جس سے بال برابر انحراف بھی راستہ کو کھو دیتا ہے۔

ہادی یعنی نبی یا امام کو دوہری مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ایک طرف خدا کے کامل و مکمل عرفان کے سورج کے باعث ہادی پر بندگی کی کڑی دھوپ ہمہ وقت رہتی ہے دوسری طرف بگڑی قوم کی کند ذہنی۔ برائی خصلتوں کا عشق بے شعور عوام کی خود فراموشی۔ خواص کی خود پرستی اور سب کی خدا ناشناسی کا قدم قدم پر سامنا کرنا ہوتا ہے۔ سب سے بڑی دشواری ہادی کے لئے یہ ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ قومی بے راہ روی پر قابو پانا کافی نہیں ہوتا بلکہ گمراہی کا ٹائیفائڈ قوم کی تعمیر کے بعد اقتدار کی ہوس کے باعث بار بار عود کرتا ہے اور ہر دوسرا حملہ پہلے حملے سے سخت تر ہوتا ہے۔ جسمانی امراض میں فالج تقریباً ناقابل علاج بیماری ہے جس سے کلی صحت ناممکن اور اس کے دوسرے حملے سے محفوظ رہنا محال ہے مگر ہادی کو اپنی مفلوج قوم کا مسلسل علاج کرنا پڑتا ہے چاہے شہیدوں کا گرم گرم خون بار بار کام میں لانا پڑے "ہر انجام کو رنگ آغاز دینا" ایک ایسا مشترک راستہ ہے جس پر قوم اور ہادی مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ قوم ہدایت کے ہر انجام کو گمراہی کا رنگ آغاز دیتی رہتی ہے اور ہادی گمراہی کے ہر انجام کو ہدایت کا رنگ دیتا رہتا ہے۔ جناب آدم سے امام حسن عسکری علیہم السلام تک دین کی پوری تاریخ کا یہی ڈھرا رہا ہے۔ اور اسی نے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کو دنیا میں آنے پر مجبور کیا اور اسی نے ایک امام کے بعد دوسرے امام

نیکی کا بدلہ خدا سے مانگو بندے سے نہیں۔

خدا نیکوں کو قیامت کی تکلیف سے بچائے گا اور انکو تازگی اور خوشنودی عطا فرمائے گا (ارشاد الٰہی)

کو جام شہادت پلوایا ہے اسی نے وارث کو غیبت کے پردہ میں جانے پر مجبور کیا ہے اور انجام و آغاز کا آخری معرکہ بعد ظہور پیش آنے والا ہے جس کے بعد دنیا کا آخری انجام سامنے آجائے گا۔ غرضکہ کہنا صرف اتنا تھا کہ ہادی کی ذمہ داری قوم گری۔ تبلیغ و ہدایت اس دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

ناممکن کو ممکن بنانیوالا:- نبوت کو معراج ہوئی جب حضور تک پہنچی آگے بڑھنے کی گنجائش نہ پاکر "ختم نبوت" کی "معراجی قوسین" یعنی حضور کی نبوت و ائمہ اہلبیتؑ کی امامت پر اپنا سفر ختم کیا۔ لیکن جس طرح حضور پر نبوت ختم ہوئی اسی طرح تبلیغی مشکلات کا خاتمہ بھی حضور پر ہوا۔ وہ کون سی مشکل تھی جس نے آپ کا سامنا نہ کیا ہو۔ مگر عرش جس کے زیر قدم رہا تھا مشکلات کے ہمالہ کو اس نے نہ صرف روند ڈالا بلکہ اس طرح زیر و زبر کیا کہ مشکلات حضور کے آگے پیش نہ پا سکے۔

حضور کی بعثت چھٹی صدی عیسوی میں جو انسانوں کی مدون تاریخ کی سب سے تاریک صدی ہے۔ اس وقت ساری دنیا پر جہالت اور غیر انسانی کردار کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہر خطہ زمین اور ہر قوم انسانی پستی میں تھی۔ عرب اس تاریک دنیا کا سب سے زیادہ تاریک ترین حصہ تھا۔ نہ صرف عرب کی سرزمین پتھریلی اور ریگستانی تھی بلکہ عرب قوم کا مزاج بھی پتھریلا تھا وہ کسی صالح انقلاب کو قبول کرنا سنگین قومی جرم سمجھتے تھے۔ اور ان کے کردار کے ریگستان کو انسانیت کے گلشن میں تبدیل کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔ مگر وحی کی بارش اور "ہادیانہ زراعت" کے ماہر اعظم کی ان تھک محنتوں نے اس بنجر زمین میں کیسے چمن پیدا کئے وہ آج بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ عرب کو انسان بنانے کا کام جس کے سپرد کیا جاتا وہ یہی کہتا کہ مردہ کو زندہ کرنا ممکن ہو تو ہو مگر عربوں کو انسان بنانا ناممکن ہے۔ حضورؐ اسی ناممکن کو ممکن بنانے آئے تھے تاکہ قیامت تک پھر کبھی انسانوں کی اصلاح کو ناممکن نہ کہا جا سکے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ دنیا بہت بڑی تھی۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے ایک انسان کی عمر کافی نہ تھی بلکہ نسلوں کی عمر درکار تھی۔ ذرائع رسل و رسائل اور وسائل تبلیغ و نشر و اشاعت اور سامان نقل و حمل بے حد کم تھے۔ اس وقت ایک عالمی انقلاب لانا کتنا دشوار تھا اس کا اندازہ آج کا انسان نہیں لگا سکتا جبکہ دنیا کو سائنسی پھیلاؤ نے اتنا سمیٹ دیا ہے کہ ایک دن میں پوری دنیا کا نہ صرف طائرانہ بلکہ کافی حد تک تفصیلی دورہ ممکن ہے اور ابھی کی نکلی آواز چند گھنٹوں میں ساری دنیا کے ہر حصے میں پہونچ سکتی ہے۔ آج انقلاب آسان ہے مگر پھر بھی حکومت و جماعت کے بے شمار وسائل کے باوجود عالمی نہیں بلکہ کسی ایک چھوٹے سے ملک کی مختصر قوم میں انقلاب لاتے ہوئے برسوں لگ جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ سیاسی انقلاب کے مقابلے میں اخلاقی اور کرداری انقلاب لانا بہت دشوار ہوتا ہے۔ اخلاقی انقلاب کچھ ایسا ہی دشوار ہے کہ حکومت اور جماعت کی طاقت رکھنے والے اس کو لانے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ آج جبکہ صرف "نشہ بندی" کے محاذ پر حکومتیں اس طرح شکست کھا چکی ہیں کہ وہ نہ صرف نشہ بندی ختم کر رہی ہیں بلکہ شراب بنانے کو سرکاری صنعت کے زمرہ میں شامل کرنے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ تو الفاظ نہیں ملتے جن کے ذریعہ اس دنیا کی تعریف کی جائے جس نے ملک و دولت اور سیاست و طاقت کے بغیر صرف نشہ بندی کے محاذ پر کامیابی حاصل نہ کی تھی بلکہ شراب۔ جوا۔ زنا۔ سود۔ رقص و موسیقی غرضکہ تمام انسانی کہن و دیرینہ عادات بد کو بند کرنے کی کامیابی حاصل کر لی تھی اور وہ بھی عربوں کے سنگلاخ مزاجوں میں —— شر اور بدی کی یہ بندش صرف قانونی نہ تھی

خدا کی فرمانبرداری ہول قیامت سے رستگار کرے گی

نیکوکار تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ شدت کی سردی

(ارشاد الٰہی)

بلکہ عملی تھی۔ عہد حضورؐ میں شراب حرام تھی تو نہ شراب کی لائسنس رکھنے والی دوکانیں تھیں اور نہ غیر قانونی شراب کی بھٹیاں تھیں۔ زنا کو حرام کیا تو زناکاری بند ہوگئی تھی۔ زنا کے اڈے کلاکاری اور فن لطیف کی آڑ میں چھپے نہ تھے۔ نہ زناکاری کلب اسپتال اور تعلیم و فلاح عامہ کے مرکزوں میں پناہ ڈھونڈھ سکی تھی۔ نہ شریف گھروں میں بدکاری "دست غیب" قسم کا ذریعہ معاش بنی تھی بلکہ اسلام نے زنا کو حرام کیا تھا تو زنا کا جھنڈا اٹھانے والی قوم میں زنا کا واقعی قتل عام ہوچکا تھا۔ جوا اور سود حرام تھا تو ریس۔ بینکنگ۔ سٹہ بازی کسی بھی چور دروازے سے جوا یا سود معاشرہ میں داخل نہ ہوسکا تھا۔ جن برائیوں کو آج تک حکومتیں۔ قومیں اخلاقی مصلح۔ سیاسی انقلابی مل کر ہزاروں سال میں نہ روک سکے ان ہی برائیوں کے تلاطم خیز طوفان و سیلاب کو ایک انسان نے اپنے پیغام کی خوبیوں اور کردار کی طاقت کے ذریعہ روک دیا تھا۔ اور خیر و بدی کے یاجوج ماجوج کو انسانی معاشرہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سد سکندری سے زیادہ مضبوط اسلام کا بند بنا دیا تھا۔ کاش اس بند کو نفاق کے ذریعہ کھوکھلا نہ کیا گیا ہوتا اور ملوکی خلافت کے ذریعہ اس میں شگاف نہ ڈالے گئے ہوتے تو آج اسلام کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوتی۔ بلکہ مسلمان قوم کی ہر فرد کی زندگی ایک دفتر تبلیغ ہوتی جسے چار و ناچار دوسری قومیں دیکھتے اور پڑھتے پر مجبور ہوتیں اور بغیر تبلیغ دیکھکر از خود کلمہ پڑھتے۔ دنیا بھی ہوتی مگر زمین و آسمان بدلے ہوئے ہوتے۔ چودہ سو سال پہلے انسانیت نے بھی سنہرا خواب دیکھا تھا جو خلفاء اسلام کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور آج اسلام مسلمانوں کا شاکی ہے کہ

"شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا"۔

ان چند جملوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ نے کس قدر زحمتیں اٹھائی تھیں اور کتنی محنت سے اسلام کو بار آور کیا تھا۔ خود ہی فرماتے تھے "ما اوذی نبی قط کما اوذیت" (کسی نبی کو اتنے مصائب و شدائد کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنے مصائب میں نے جھیلے) یہ بھی سوچنا ہر نبی کے محب کا فرض ہے کہ حضور کی کتنی عظیم زحمتوں کو خلفاء اسلام نے تباہ و برباد کیا ہے۔ انسان کا جب بھی شعور مکمل ہوگا اسے احساس ہوگا کہ انسانیت کے اس عظیم سرمایہ میں کتنا خرد برد کیا گیا ہے اور جن لوگوں نے انسانی سرمایہ (اسلام) کی تباہ کاری میں حصہ لیا ہے ان کے خلاف باشعور انسانوں میں شدید اور پر از نفرت ردعمل ہونا ضروری بھی ہے اور فطری بھی ـــ بات کہاں سے کہاں جا نکلی ورنہ مقصود صرف یہ محسوس کرانا تھا کہ حضور نے عظیم مشکلات کے ہوتے ہوئے بے سروسامانی میں جو بے مثال "عالمی انقلاب" پیدا کیا وہ انسانی تاریخ کا سب سے عظیم شاہکار ہے۔ اور معجزات کی تاریخ میں اس سے بڑا معجزہ نہ ہوا نہ ہوسکے گا۔ مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت کی تفصیل پیش کرنا ممکن نہیں ہے البتہ چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مشکلات:- (۱) حضور عرب کی منتشر قوم کو اگر قومیت یا وطنیت یا قومی حکومت کے نام پر جمع کرتے تو اس انقلاب لانے میں آسانی تھی۔ ابوجہل۔ ابوسفیان۔ ابولہب اور ان کی جماعت جس نے حضور کو تنگ کرنے میں ننگ انسانیت بننے سے بھی شرم نہ کی وہ قومی حکومت کے نام پر مخالفت کرنے کے بجائے حضور کے گرد اس سے زیادہ دلجمعی اور یکسوئی سے جمع ہوتے جس دلجمعی سے ابوسفیان اور خالد ابن ولید وغیرہ حضرت ابوبکر کے گرد قریش کی "قبیلانہ حکومت" کے لئے جمع ہوئے۔ مگر حضور کی مشکل پسند طبیعت نے سیاسی انقلاب کے بجائے "اخلاقی انقلاب" کا نعرہ بلند کیا۔ جس کے عوض دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں جنت کا وعدہ تھا ملک

سرد و گرم زمانہ سے محفوظ رہنا ہے تو خدا پر تکیہ کرو

جنت میں نگاہ اٹھاؤ گے تو ہر طرح کی نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے (ارشاد الٰہی)

یا مال کا وعدہ نہ تھا۔ اور اس مشکل کام کے لئے ابوجہل سے تنومند۔ با اثر اور پر قوت ٹولہ اور جرگہ کے بجائے حضورؐ نے ابوذر۔ عمار یاسر سلمان اور ان کے ہم کردار افراد سے کام لیا جو تقریباً سب کے سب مصیبتوں کے مارے۔ غلامی کے شکنجے میں کسے۔ بے چارگی اور درماندگی کے ستائے تھے۔ اب یہ حضورؐ کی صلاحیت قوم گری تھی کہ پتھروں کو شیشوں سے توڑا۔ ظلم کو درد سے موڑا۔ خاروں کو پھول بنا کر چھوڑا۔ مزہ یہ ہے کہ ہاتھوں میں نہ تلوار لی اور نہ کوڑا۔

(۲) نبی اور مصلح کا فرق کم لوگوں کی نظر میں ہے چنانچہ اکثر مقررین و مصنفین کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نبی یا امام کے تعارف و تقابل کے لئے گوتم بدھ و کبیر داس وغیرہ قسم کے مصلحین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تقابل نہ صرف ایک گھٹیا بات ہے بلکہ نبوت و امامت کے بارے میں ناواقفیت اور اپنی تاریخ و مذہب کے لئے احساس کمتری کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح سخت تنقید کے قابل یہ بات بھی ہے کہ اکثر حضرات معصومینؑ کو غیر مسلم مشہور افراد کے تاثرات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو اپنے "ایڈوانس" ہونے کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اب قرآن مستشرقین کے ترجموں سے سمجھا جاتا ہے اور معصومینؑ کی سیرتیں کارلائل۔ گبن۔ جارج جورداق کی کتابوں سے معلوم کی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے قرآن و معصومین کو اپنے نقطۂ نظر سے سمجھا ہے قرآن کو قرآنی نقطۂ نظر سے اور معصومین کو انکے مقاصد و طریقہ کار کے مطابق نہیں سمجھا ہے۔ ظاہر ہے جو خود پورے طور پر نہیں سمجھے ان سے سمجھنے والے نہ معلوم کیا سمجھ بیٹھیں گے۔ جو چاہے۔ کچھ بھی ہو مگر وہ نہ ہوگا جس کو سمجھنے کی کوشش انھوں نے کی تھی۔ تنقید نیت پر نہیں ہے بلکہ گذارش ہے کہ نیک نیتی کافی نہیں ہوتی جب تک طریقہ عمل بھی صحیح نہ ہو۔ اپنے مذہب کو غیروں سے سمجھنا دراصل اس "مذموم ہندوستانیت" کا نتیجہ ہے جو غلامانہ ذہنیت کی پیداوار ہے۔ ایسے لوگ ہندوستان کے بنے ہوئے مال کو دیسی ہونے کی بنا پر ناقابل قدر سمجھتے ہیں اور وہی مال جب "فارن" سے آتا ہے، حالانکہ ہندوستان ہی سے گیا تھا تو وہ قیمتی اور دل پسند ہوتا ہے۔ ہنسی کیسے رکے جب ہماری اعلیٰ سوسائٹی کے مجنون ہندوستانی کھیت کے مثلاً تازہ مٹر کو بدمزہ قرار دیتے ہیں مگر جب وہی مٹر یہاں سے جا کر فارن سے پیک ہو کر آتا ہے تو اس کے سڑے مزے کو فارن کے مٹر کا مزہ قرار دے کر بشوق کھاتے کھلاتے ہیں اور اپنی "صاحبیت" کی نمائش کرتے ہیں۔ یہی مذموم بلکہ مسموم ذہنیت اب مذہب میں داخل ہو رہی ہے کہ حضرت علیؑ نے حضورؐ کے لئے کیا کیا اس سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہوتی ہے کہ عیسائی مورخ نے آپ کے لئے کیا کہا ہے مضمون کا یہ حصہ موضوع سے غیر متعلق ہونے کے باوجود عمداً اتنا طویل لکھا گیا تاکہ مصلح اور نبی کا فرق سمجھانے سے پہلے ناظرین کی پوری توجہ حاصل کی جا سکے۔

مصلح کے لغوی معنی پر گفتگو نہیں ہے لغوی معنی کے اعتبار سے نبی بھی مصلح ہوتا ہے بلکہ واقعی اور کامل مصلح صرف نبی یا امام ہوتا ہے بلکہ مصلح کے اصطلاحی معنی پر بحث ہے جس کی مثال میں گوتم بدھ وغیرہ کا نام آچکا ہے۔ نبی اور مصلح میں فرق یہ ہے کہ مصلح قوم میں چند نمایاں خرابیوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک یا چند کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ستی کی رسم۔ بیوہ کے عقد ثانی کی مخالفت، شراب و جوا وغیرہ کو دور کرنے کے لئے مصلح پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن نبی جسم انسانیت کے صرف ایک یا دو نمایاں مرض کو دور کرنے نہیں آتا بلکہ پورے نظام کو امراض سے پاک کرنے اور ہر آب و ہوا میں صحت مند رکھنے کے لئے آتا ہے۔ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے

دنیا کی محرومی آخرت کی مایوسی سے بہتر ہے۔

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے اعضاء کو مضبوط بنایا (ارشاد الٰہی)

کہ بغیر تعلیم گدی نشین جراح یا عطائی حکیم اپنے موروثی چٹکلوں سے مخصوص امراض کا علاج کرتے ہیں اور بلاشبہ ان سے بھی سماج کو فائدہ ہوتا ہے ان کے یہاں بھی مریضوں کی بھیڑ نظر آتی ہے لیکن وہ پورے نظام جسم پر نظر رکھ کر علاج نہیں کر سکتے۔ اکثر انکا علاج ایک مرض کو دور کرتے ہوئے دوسرے مرض کو پیدا بھی کر دیتا ہے۔ اس کے برخلاف تعلیم یافتہ، طبیب اور حاذق حکیم یا ڈاکٹر پورے جسم پر نظر رکھ کر صحت کلی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ ان پڑھ جراح اور حکیم میں۔ تجربہ کار کمپاؤنڈر اور مکمل سرجن میں جو فرق ہے تقریباً وہی فرق مصلح اور نبی میں ہوتا ہے۔ حضور نے جہاں سیاسی انقلاب پیدا کرنا مناسب نہ جانا وہاں وہ عربوں میں کسی مخصوص اصلاحی مشن کے علمبردار بھی نہیں ہے بلکہ عالمی انقلاب کے ذریعہ تمام قوموں میں انسانی کردار پیدا کرنا چاہا۔ قومی کردار پیدا کرنا آپ کا مقصد نہ تھا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ "قومی کردار" سے بالاتر "انسانی کردار" کی ترویج کے لئے ان عربوں سے کام لیا جو ساری غیر عرب دنیا کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سوچئے کتنا مشکل مقصد تھا اور اس سے زیادہ مشکل تر تھا اس کا ذریعہ۔ واقعتہ اسے رسول کامل نے کر دی۔

(۳) تبلیغ و ہدایت میں حسب ذیل چیزیں شدید رکاوٹ بنتی ہیں۔

(الف) خاندان اور وطن والوں پر اثر انداز ہونا ناممکن ہے وطن سے باہر اثر انداز ہو کر وطن میں با اثر ہونا سہل ہوتا ہے لیکن خاندان و وطن میں با اثر ہو کر باہر اثر انداز ہونا بلاشبہ دنیا و دین کے مشاہیر کی تاریخ میں صرف "محمدی خصوصیت" ہے۔

(ب) جاہلوں کو سمجھانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ترین کام ضرور ہے۔ حضور کی بعثت یونان میں نہیں ہوئی جہاں علم و حکمت کے چراغ روشن تھے بلکہ بعثت کے وقت جو قومیں متمدن تھیں اور اپنی ایک ترقی یافتہ تہذیب رکھتی تھیں مثلاً ایران یا روم، حضور وہاں کے بجائے عرب میں مبعوث ہوئے جس عرب کا ذائقہ اتنا بگڑا تھا کہ اسے مردہ جانور کا متعفن گوشت لذیذ ترین غذا معلوم ہوتا تھا تنگ نظری ایسی بڑھی تھی کہ دولت کی تقسیم کے خوف سے باپ بیٹی کا گلا اپنے ہاتھ سے دبا دیتا تھا ذہن اتنے مسخ تھے کہ اوہام پرستی اور شگون لینے میں عرب اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ فکر اتنی گر چکی تھی کہ خود فراموش عوام خود پرست سردار کے حوض میں دوسرے قبیلے کے اونٹ کے ایک گھونٹ پانی پی لینے پر چالیس سال تک اپنا اور اپنی نسل کا خون بہانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ پاکیزہ رشتوں پر نہیں بلکہ بدکاری پر ناز کرتے تھے۔ دشمن کا گلا کاٹنا ان کو تسکین نہ دیتا تھا بلکہ گلا کاٹ کر دشمن کا خون پیتے تھے اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ چباتے تھے، دشمن کے اعضا کاٹ کر ہار پہننے میں اپنی جیت سمجھتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ آج کی روشن بیسویں صدی میں اگر عراقی شاہ فیصل۔ نوری السعید۔ اور عبداللہ کی لاشوں کو سڑک پر کھینچتے ہیں اور لاشوں پر سے سواری گذارتے ہیں تو سوچئے وہ عرب جو اسلام اور زمانہ کی موجودہ ڈیڑھ ہزار سال کی ترقی سے ناآشنا تھے اور عرب کے اندر کنوئیں کے مینڈک بنے بیٹھے تھے ان کا حال کیا ہوگا ان متعفن انسانوں میں چالیس سال خاموش زندگی بسر کرنا اور ۲۳ سال میں ان کو بدل ڈالنا بس ختم المرسلین کا کام تھا، جن پر علم و عمل کی تاریخ ختم ہوتی ہے۔

(۴) عرب ایک قوم نہ تھے بلکہ جتنے قبیلے تھے اتنی قومیں تھیں ان کو ایک قوم بنانا نہ تھا بلکہ ایک انسانی قوم کا ان کو ایک حصہ بنانا تھا اور ایسا جاندار اور روشن حصہ جو باقی حصوں کو زندگی و روشنی دے۔ جن باتوں کا آج سوچنا مشکل ہے ان کو کر گذرنا کتنا مشکل تھا۔

بیماری جسم کو کمزور کرتی ہے۔ گناہ روح کو

پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو (ارشادِ الٰہی)

(۵) حضور کے پاس نہ پریس تھا نہ اخبارات و رسائل نہ لٹریچر نہ ایڈیٹری نہ کلچرل پروگرام۔ آپ نے ملک کا تبلیغی دورہ بھی نہ کیا۔ شاعری جو اس وقت کا بہترین ذریعہ نشر و اشاعت تھا اس کو بھی بروئے کار نہ لائے تاکہ اسلام یا نبوت شاعری نہ بن جائے۔ چالیس برس چپ رہے حالات کا اندازہ لگایا اور اسی اندازہ کے مطابق جرأت عمل کا ذخیرہ کیا۔ ۱۳ برس مکہ میں رہے جس کی ہر صبح و شام کو مصائب کا نیا طوفان اٹھتا تھا۔ مسلمان اتنا ستائے گئے کہ ستانے والے تھک تھک گئے۔ قوتِ برداشت کے جواب دینے سے پہلے حضور نے ان کو حبشہ اور مدینہ کی پناہ گاہوں میں بھیج دیا۔ مدینہ میں دس سال زندہ رہے جس میں ۸۰ بار مسلح حملہ کا مقابلہ کیا۔ یعنی سالانہ ۹ حملوں کا دفاع آپ کا فریضہ رہا۔ آپ کی تنہا ذات میدان میں افواج کی کمانڈر بھی تھی مدینہ میں قاضی بھی۔ پوری فاقہ کش جماعت کی غذا و لباس کی ذمہ دار بھی۔ ۹ بیویوں کا خرچ اور ان کی کشاکش الگ تبلیغ کی ذمہ داری الگ۔ طریقہ صرف احکام صادر کرنے کا نہ تھا بلکہ خود قوم کی ایک فرد کی حیثیت سے اپنے حصہ کی خندق بھی کھودتے تھے۔ مسجد کی اینٹیں بھی اٹھاتے تھے۔ خدا سے وحی لیکر مسلمانوں کو یاد بھی کراتے تھے۔ اتنی مصروفیت میں بھی عبادت یوں کرتے تھے کہ خدا عبادت میں کمی کرنے کی فرمائش کرتا تھا۔ غرضکہ وسائل محدود و مشکلات عظیم۔ افکار کا ہجوم۔ صدمات پھر وہ بھی مسلسل ذاتی بھی اور قومی و دینی بھی مقصد وسیع۔ مدت کم۔ طریقہ کار مشکل انسانی ہمت ہار جائے مگر حضور نہیں ہارے اور وہ کر دیا جو مٹنے کے بعد بھی دنیا کے لئے واحد روشنی کا مینارہ ہے حضور کے آخری وقت درج کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے دنیا کو کیا بنانا چاہا تھا۔

انسانیت کی بہار: آمنہ کی گود میں پیدا ہونے والے بچے کے لئے مشیت نے طے کیا تھا کہ آج کا بچہ گزشتہ زمانہ کا مصلح اور آئندہ زمانہ کا ہادی ہوگا "جس نے زندگی کی کڑی دھوپ میں باپ کی محبت اور ماں کی شفقت کا سایہ بھی نہ پایا جس مولود کے لئے اوہام پرست اور بدشگونی پر اعتقاد رکھنے والوں کا عقیدہ تھا کہ یہ بچہ (معاذ اللہ) "منحوس" ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے باپ مر گیا۔ بچپنے میں ماں کا سایہ اٹھ گیا۔ دادا بھی زیادہ زندہ نہ رہا۔ "سبز قدمی" جس کے لئے مشہور کی جاری تھی اس کو خاندان کے بزرگ عبد المطلب و ابوطالب نہ معلوم کن آنکھوں سے دیکھ کر فخر خاندان و نازش زمانہ سمجھ رہے تھے۔ ہوا بھی یہی کہ کل کا یتیم انسانی قوم کا باپ ثابت ہوا بے سہارا جینے والا بے سہاروں کا مرکز زندگی نکلا۔ غریب شہر عزیز دہر ہوا۔ مقصود اس وقت کا تذکرہ ہے جب انسانیت کو سنبھالنے والا اپنے جسمانی قدم سنبھال کر نہیں اٹھا سکتا بلکہ دو جوانوں (علیؑ اور فرزند عباس) کے کاندھوں پر بوجھ دیکر گھر سے جس کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے آنا چاہتا ہے مگر قدم نہیں اٹھتے بلکہ زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کو معلوم ہے کہ حضورؐ اب موت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ناتوانی رگوں میں دوڑ رہی ہے منبر کی ایجاد کرنے والا منبر پر آخری بار جا رہا ہے اور اس لئے جا رہا ہے کہ آخری بار انسانوں کو کردار کے "عالمی انقلاب" کی "کلیدی بات" کو ذہن نشین کرا دے یعنی "قانون کو ہر حال پر۔ ہر شخص پر۔ ہر جذبہ پر۔ ہر مصلحت پر بالاتر رکھنا" نسل انسانیت کے لئے مکمل قانون آچکا ہے لہذا اس میں ترمیم یا جدید تدوین کا بیکار کام نہ کرنا۔ حلال محمد حلال ہے قیامت تک کے لئے اور حرام محمد حرام ہے قیامت تک کے لئے کیونکہ ضرورت۔ مجبوری۔ معذوری کا مکمل جائزہ لیکر قانون میں ایسی لچک رکھی گئی ہے جو حالات پر حاوی ہے لہذا زمانہ کے تجدد کے باوجود یہ قانون بوسیدہ نہ ہوگا۔ اور جس طرح لاکھوں سال تک دنیا آباد ہے تو دو اور

صبر کامیاب بناتا ہے بے صبری ناکام بنا — کامیاب ہونا ہے تو صبر سے کام لو

اے رسولؐ! ہم نے تمہیں کثرت اولاد دی تو تم اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو (ارشاد الٰہی)

دو چار ہی رہیں گے اس میں نہ ترمیم ممکن ہے نہ تنسیخ کیونکہ دو اور دو چار ایک حقیقت ہے اور حقیقت بدلا نہیں کرتی اسی طرح حقائق کے خالق نے اپنے مکمل اور غیر تجرباتی علم سے جس قانون کی تشکیل کی ہے وہ بھی ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے۔ جس قانون نے مخالف ماحول میں گرفتار شخص کو اپنے انکار کا حکم دیا ہو (تقیہ) اس میں ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں قانون معذوریوں کے لیے لچک رکھتا ہے لیکن حیلے بہانے اور من مانی کرنے کے لیے بیشک کوئی لچک نہیں رکھتا بلکہ ایسے مواقع پر قانونِ اسلام اپنے ماننے والوں سے اپنے لیے برتری کا مطالبہ کرتا ہے۔

غرضکہ حضورؐ نے تقریر کی جس کا خلاصہ میں نے اپنے الفاظ میں درج کیا ہے اور تقریر کے بعد قانون کی برتری و بالاتری کے لیے آپ نے کہا میری موت قریب معلوم ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی کا حق میرے ذمہ باقی ہو تو وہ طلب کرلے ایک شخص نے اٹھکر کہا آپ کا ایک تازیانہ مجھے لگ گیا تھا جو آپ اونٹ کو مار رہے تھے اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے ذہن اس صورت حال کو محسوس کریں کہ حضورؐ نے مطالبہ حق کا حق دیکر بتایا عرش الٰہی سے جس کی نعلین برتر رہیں وہ بھی قانون سے بالاتر نہیں بلکہ قانون صاحب معراج نبی پر بھی قانون بالاتر ہے۔ اس سے زیادہ قابل توجہ بات ہے کہ آپ نے "قانون کی بالاتری" کو اس طرح راسخ کر دیا تھا کہ ایک کلمہ گو آپ سے تازیانہ کا انتقام لینے کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تقریر پیغمبر سن کر اٹھنے والا شخص نہیں اٹھا تھا بلکہ عوام میں قانون کی بالاتری کا جذبہ جاگ اٹھا تھا۔ تقریر نمائش نہ تھی لہٰذا حضورؐ نے دعویٰ بلا دلیل مان لیا کیونکہ شخصیت کو بچانا مقصود نہ تھا بلکہ شخصیت پر قانون کو عملاً بالاتر ثابت کرنا تھا۔ قانون کتنی برتری حاصل کر چکا تھا کہ انتقام کا مطالبہ کرنے والا کہتا ہے کہ بدلہ تب ہوگا جب تازیانہ وہی ہو جو مجھے لگا تھا۔ حضورؐ کا تازیانہ آپ کی اکلوتی بیٹی فاطمہؑ کے پاس تھا۔ سلمان تازیانہ لینے بھیجے گئے اور انھوں نے جانے سے انکار نہیں کیا بلکہ چلے گئے کیونکہ آپ صرف صحابی نہ تھے بلکہ "رفیقِ مقصد" تھے۔ جناب فاطمہؑ نے پوچھا کہ بابا سفر میں جاتے وقت تازیانہ لیتے تھے آج کیوں مانگا ہے جب کمزوری ایک قدم نہیں اٹھانے دیتی ہے۔ سلمان نے پورا واقعہ بتایا۔ بیٹی نے تازیانہ لاکر دیدیا یعنی جذبات اور محبت و رشتہ پر قانون نے بالاتری حاصل کی۔ فاطمہؑ کو باپ سے بے انتہا محبت کے باوجود تازیانہ دینے میں ہچکچاہٹ نہ ہوئی کیوں کہ آپ صرف "رسول زادی" نہ تھیں بلکہ جزو نبوت شریک کار رسالت تھیں۔ بھرے مجمع میں تازیانہ آیا۔ انتقام لینے والے کو دیا گیا وہ تازیانہ لیکر اٹھا منبر تک آیا۔ علیؑ، سلمان۔ ابوذر۔ عمار یاسر اور باقی مسلمان اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔ مادی آنکھیں منظر کو دیکھنے کی تاب نہ لاکر بند ہو جانا چاہتی ہیں مگر بصیرت کی آنکھوں کے سامنے ہدایت کا عالم تاب چہرہ بے نقاب آرہا ہے۔ بدلہ لینے والے نے منبر کے پاس رک کر کہا کہ جب تازیانہ لگا تھا میں برہنہ تھا حضورؐ بھی کرتہ اتار دیں۔ حضورؐ نے اپنے جسم سے پیراہن اتارا اور انسانیت کو پہنا دیا۔ دل سینوں میں قریب تھا کہ پھٹ جائیں جب بدلہ لینے والا تازیانہ لیکر منبر پر چڑھ رہا تھا۔ ابر سے آفتاب جس طرح ایک دم سے نکل آتا ہے اسی رفتار سے منظر اچانک بدلا اور تازیانہ مارنے والا تازیانہ مارنے کے بجائے مہر نبوت کو بوسہ دے رہا تھا۔ اور کانوں سے صدا ٹکرا رہی تھی "میں نے مہر نبوت کا بوسہ لینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی تھی" سلمان کھل اٹھے۔ کشت انسانیت لہلہا اٹھی۔ مشیت مسکرا دی تھی۔ رحمت جھوم رہی تھی قانون کی بالاتری زندہ جاوید بن چکی تھی۔ دور اور بہت دور شیطان کی سسکیاں ابھی سنی جا سکتی تھیں ابھی سینوں میں دلوں کو قرار نہ ملا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میری

آل سے محبت ہے تو مال پر نظر رکھو

اے نبیؐ! عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں اپنے ناموس کی حفاظت کریں اور اپنی چادریں سینے پر ڈالیں رہا کریں

(ارشاد الٰہی)

موت قریب ہے کسی کو کوئی حاجت ہو تو بتائے تاکہ اس کی حاجت برآری کے لئے دعا کردوں۔ وہ عرب جو دولت کے لالچی۔ حکومت واقتدار کے بوالہوس۔ دنیاوی تمناؤں کے اسیر تھے ان کے کانوں سے حضورؐ کی یہ صدا ٹکرائی۔ وہ عرب اب بھی تھے مگر مسلمان تھے یعنی انسان تھے۔ لہذا دنیا کے بجائے دینی حاجتیں بیان ہونا شروع ہوئیں ایک شخص نے کہا میں منافق ہوں میرے لئے ایمان کی دعا فرمائیں۔ اعتراف کی تاریخ ایسی لطیف مثالوں سے خالی ہے یا ایسی مثالیں بہرحال خال خال ملتی ہیں۔ حضورؐ نے اس کے لئے دعائے ایمان فرمائی۔ دوسرا شخص اٹھا۔ اس نے کہا مجھے نیند زیادہ آتی ہے۔ عبادت سے محروم رہتا ہوں۔ زبان جھوٹ کی عادی ہے بے اختیار جھوٹ بولتا ہوں۔ منافق ہوں۔ "عیوب ثلاثہ" سے نجات کی دعا فرمائیے۔ حضرت عمر سے نہ معلوم کیوں نہ رہا گیا۔ فرمایا تم نے اپنے کو رسوا کر لیا۔ حضورؐ نے آپ کو ڈانٹا کہ چپ رہو۔ اسکی جرأت اعتراف لائق صد ستائش ہے۔ یاد رکھو آخرت کی رسوائی سے دنیا کی رسوائی بہت آسان ہے پھر آپ نے دعا فرمائی۔ منبر سے اترے۔ چند دن کے بعد حضورؐ زمین پر نہ مٹنے والا اجالا چھوڑ کر آغوش زمین میں پنہاں ہو گئے۔ رسولؐ کا سفر ختم ہوا۔ امت کا سفر شروع ہوا جو حوض کوثر پر ختم ہوگا۔ جہاں حضورؐ ہم سے اپنی عظیم امانت اسلام اور اسکے امانتدار اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں پوچھیں گے۔ صدیق و امین نبی کے پاس اسی کو جگہ ملے گی جس نے آپ کی امانتوں میں خیانت نہ کی ہوگی۔

تخیلِ حسین

صبر ان کا رشکِ صبرِ فاطمہؑ
زورِ بازو قوتِ شیرِ خدا
ہمسرِ نشرِ دیں تخیلِ حسین
مرکزِ پرکارِ فہمِ مصطفیٰ

اولاد اصغر مالکی مرحوم

قطعہ

در بہ در سر نہ جھکا دینے کی عادت ڈالو
صرف مالک کو صدا دینے کی عادت ڈالو
ہے محمدؐ کی غلامی کا جو دعویٰ تم کو
گالیاں سُن کے دُعا دینے کی عادت ڈالو

پیام اعظمی

کنیزانِ سیدہؑ دنیا میں پردہ دار رہیں تاکہ آخرت میں خدا تمہارا پردہ دار ہو۔

السید ذیشان حیدر جوادی

حیاتِ مرسلِ اعظمؐ کے امتیازی خطوط

ایک شب کا ذکر کیا اے جانے والے عرش پر
تیری ساری زندگی معراج ہی معراج ہے

یوں تو سرکار دو عالمؐ کی حیات طیبہ کے حالات و اطوار کا قیاس دوسرے بنی نوع انسان کے عادات و اطوار پر کیا جائے تو سرکار کا ہر عمل ایک امتیازی صفت کا حامل ہے اور آپکی زندگی میں کھانے پینے اور سونے جاگنے سے لیکر تبلیغ اسلام و قرآن تک ہر نکتہ قابل توجہ اور جاذب نظر ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مالک کائنات نے آپکو چند ایسے خصوصیات کا حامل بنایا ہے جنھیں آپ کا قیاس انبیاء و مرسلین اور شہداء و صدیقین پر بھی نہیں ہو سکتا اور ان خصوصیات و امتیازیات کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" کے اصول کے مطابق رب العالمین نے آپ کو کائنات کے عظیم ترین مقصد کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے اور ایسے مقصد کی تکمیل کے لئے بعثت و ارسال کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان تمام اسلحوں سے مسلح کر کے بھیجا جائے جو علمی یا عملی میدان میں دفاع دین و مذہب کے لئے ضروری ہوں اور تمام فضائل و کمالات سے مزین کر دیا جائے جن کے بغیر شخصیت کا اعتراف اور کمالات سے استفادہ ممکن نہیں ہوتا ہے اور شخصیت ہزار شکوک و شبہات کا ہدف بن جاتی ہے۔

مرسل اعظمؐ کے ان امتیازی نشانات کی دو قسمیں ہیں۔ بعض کا تعلق آپ کی ذات اقدس اور اس کے کردار، اطوار اور رفتار و گفتار سے ہے اور بعض کا تعلق آپ کے وجود مقدس اور اس کے ماحول یا اضافی کی مدت سے ہے جو شخصیت کے عملی امتیاز کا نتیجہ نہیں ہیں ——— لیکن شخصیت کی عظمت کا ذریعہ ضرور ہیں اور ان سے کمالات کی جامعیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کسی ایک مقالہ میں جملہ امتیازات کا جمع کر دینا تقریباً ناممکنات میں ہے اور پھر جس نے اپنی زندگی میں ۴۴۴۴ معجزے پیش کئے ہوں اور ہزاروں خارق عادات امور کا مظاہرہ کیا ہو۔ اس کے امتیازات کی فہرست کے لئے بھی مفصل کتاب کی ضرورت ہے۔ تشریح و توضیح کا مرحلہ تو بعد میں شروع ہوتا ہے۔ ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ ایک اجمالی خاکہ نظر میں آجائے اور تفصیلات و تشریحات کے بارے میں غور کرنا یا لکھنا پڑھنا آسان ہو جائے۔

ولادت:۔ مشہور و معروف بات ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی ولادت باسعادت ۔ ۱ ربیع الاول سنہ عام الفیل میں ہوئی ہے اور عام الفیل اسلامی تاریخ میں اس سال کو کہا جاتا ہے جب ابرہۃ الاشرم نے خانۂ خدا کو منہدم کر کے اپنے خود ساختہ قبلہ و کعبہ کو واقعی کعبہ بنانے کا عہد کر لیا تھا اور اس عظیم کام کے لئے ایک سپر پاور ہاتھیوں کے لشکر کا بھی انتظام کر لیا تھا جسکی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اہل مکہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے اور خانۂ خدا کا جوار بھی انھیں وحشت و دہشت سے محفوظ نہ رکھ سکا صفحہ

احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنیوالا سرکش اور توہین کرنے والا باغی ہے۔

خدا نے تم پر جو احسان کئے ہیں انھیں یاد کرو۔ (ارشادِ الٰہی)

ایک حضرت عبدالمطلبؑ (رسول اکرمؐ کے جد بزرگوار) تھے جنھوں نے اس سنگین ترین صورت حال میں بھی خانۂ خدا کا دفاع کیا اور بھاگنے کے بجائے ابرہہ کے سامنے پہونچ گئے۔ ابرہہ اس جرأت و ہمت اور عزم و حوصلہ کو دیکھکر دنگ رہ گیا اور مصلحت کی پالیسی پر اتر آیا۔ عبدالمطلبؑ کا احترام کیا اور انھیں عزت کے ساتھ بٹھاتے ہوئے آنے کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں میں ان کا مطالبہ کرنے آیا ہوں۔

عبدالمطلبؑ کے مقابلہ کا انداز اتنا عجیب و غریب تھا کہ ابرہہ نے گھبرا کر اس حقیقت کو زبان پر جاری کر دیا جس کے بغیر عبدالمطلبؑ کا استدلال آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے سخت حیرت ہے کہ تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے اور جس گھر کے متولی اور محافظ ہو اس کی فکر نہیں ہے۔ عبدالمطلبؑ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا بلکہ چیلنج کیا کہ جس طرح میں ان اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس گھر کا بھی کوئی مالک ہے جو اسے بچائے گا اور اس طرح ایک بہترین مبلغ کی حیثیت سے ابرہہ کو عظمت الٰہی کی طرف بھی متوجہ کیا اور انجام کار سے بھی آگاہ کر دیا جو ہر مبلغ کا صحیح طریقہ کار ہونا چاہیئے کہ قوم کو ابتداء اور انتہا۔ مبدا اور معاد سے باخبر رکھے۔ باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

ابرہہ اس نکتہ کو نہ سمجھ سکا اور بالآخر حملہ کا قصد کر لیا۔ رب العزت نے اس قدر سپر پاور کے مقابلہ میں ایک ابابیل کا لشکر بھیج دیا اور ابرہہ کے سارے لشکر کا خاتمہ کر دیا اور اس کا اعلان اس انداز سے کیا کہ:

۱۔ ہمارے پاس ایک غیبی لشکر بھی رہتا ہے۔

۲۔ ہم سپر پاور کا مقابلہ لشکروں سے نہیں کنکریوں سے کیا کرتے ہیں۔

۳۔ ہمارا کام آخری مرحلہ تک اتمام حجت کا ہوتا ہے اسکے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔

۴۔ ہمارے بھیجے ہوئے ابابیل اور پرندہ بھی خطاکار نہیں ہو سکتے کہ کسی بے گناہ پر کنکر پھینک کر چلے آئیں۔

۵۔ ہمارے مخلصین کا فرض ہے کہ ہماری امداد پر اعتماد رکھیں لیکن فرار کے بجائے مقابلہ کا راستہ اختیار کریں۔

تاریخ عرب میں اس واقعہ کو واقعہ اصحاب الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے جس کا مفہوم ہی یہ ہے کہ خانۂ خدا پر وارد ہونے والے لمحاتی مصائب نے سال کو عام الفیل بنا دیا جس طرح کہ اسلام میں وفات خدیجہ و ابو طالب سے رسول اعظمؐ پر وارد ہونے والے صدمے نے سال کو عام الحزن بنا دیا ——— اور تاریخ میں ایک مثال قائم ہو گئی کہ محدود مدت کا غم بھی سال کو عام الحزن بنا سکتا ہے اگر غم اس قدر اہمیت کا حامل ہو۔ دس پانچ دن کے ایام غم بن جانے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

عام الفیل میں سرکار دو عالمؐ کی ولادت اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اب کبھی لشکر ابابیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اب خانۂ خدا کا مستقل محافظ آ رہا ہے۔ جس طرح کہ علیؑ کی ولادت کے بعد عرب کو کسی "معیار الولد" کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جس طرح تم نے کل دیکھ لیا ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا مختصر پرندہ بھی غلطی نہیں کر سکتا ویسے ہی آج بھی اندازہ کر لینا کہ اسے میں بھیج رہا ہوں لہذا اسکی زندگی میں کسی خطا کا امکان نہیں ہے اور اس کی زندگی میں خطا کا احتمال دینا ابرہہ یتی ہے خدا پرستی نہیں ہے۔

اسلام میں ان اتفاقات کے تعارف میں عام الفیل کا استعمال دو ہی مقامات پر ہوتا ہے۔ ولادت سرکار دو عالمؐ اور ولادت

احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے تو احسان فراموش بھی نہ بنو۔

اللہ کی نافرمانی سے ڈرو کہ وہ سب کچھ جانتا ہے (ارشاد الٰہی)

مولائے کائنات (سنہ ۳۰ عام الفیل) اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ دونوں خدائی نمائندے ہیں اور دونوں کے کردار کا خدا ضامن ہے اور دونوں کے آنے کے بعد دینِ خدا اور خانۂ خدا کو کسی غیبی لشکر کی ضرورت نہیں رہ گئی۔

رب العالمین نے اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے سورۂ قریش میں اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ ہم نے ابرہہ کے لشکر کو فنا کر کے سردی و گرمی کے سفروں کو محفوظ کر دیا اور بھوکوں کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا جس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ بظاہر تو آمدِ ابابیل ایک منفی مقصد کے لئے تھی لیکن واقعاً اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہے اور وہ بھوکوں کا سیر کرنا اور خوفزدہ افراد کو دوست رکھنا و اطمینان فراہم کرنا ہے۔

سنہ عام الفیل میں سرکارِ دو عالمؐ کی ولادت بھی ان دونوں نکتوں کی طرف اشارہ ہے اور شاید اسی لئے آپ کی آمد کے لئے جناب عبداللہ کے صلب اور جناب آمنہ کے بطن مبارک کا انتخاب کیا گیا تاکہ عالمِ انسانیت پر واضح ہو جائے کہ دنیا کو عبدیت و بندگی کا درس دینے والا اور خوفزدہ دنیا کو امن فراہم کرنے والا آ رہا ہے اور اس کے آ جانے کے بعد نہ بندگی کو کوئی خطرہ ہے اور نہ امن عالم کو۔ یہ عبداللہ کا لال ہو کر درسِ عبدیت دیگا اور آمنہ کا فرزند بن کر امن و سکون فراہم کرے گا اور مطعم الطیور کا چشم و چراغ بنکر بھوکوں اور پیاسوں کے سیر و سیراب کرنے کا انتظام کریگا

محلِ ولادت:۔ سال ولادت کی طرح رب العالمین نے آپ کے محل ولادت کو بھی ایک امتیاز عطا فرمایا ہے اور اس کے لئے ابوطالب جیسے شریف، غیرتمند، مربی، محافظ اور صاحب جرأت و ہمت کے گھر کا انتخاب کیلئے تاکہ ان کے ایمان کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالمؐ کی عظمت و جلالت کا بھی اندازہ ہو جائے اور دنیا پر واضح ہو جائے کہ ہماری مصلحتوں کا انداز بالکل جداگانہ ہے ہم اپنے حبیب خاص کو ابوطالب کے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور ابوطالب کے فرزند کو اپنے گھر میں پیدا کرتے ہیں اور دونوں کی ولادت کا تعارف قصہ اصحاب الفیل سے کرتے ہیں تاکہ عالم عقل و شعور پر واضح ہو جائے کہ یہ دونوں میرے گھر کے مستقل محافظ ہیں اور یہ ابوطالب کی زحمتوں کا ایک صلہ ہے جو ولادتِ علیؑ کی شکل میں دیا جا رہا ہے۔

ابتدائی زندگی:۔ پدر بزرگوار کا انتقال دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہو گیا۔ ماں نے بھی بچپنے ہی میں ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ جو خانۂ خدا کا محافظ بندہ خدا کا محافظ قرار پایا اور جب وہ دنیا سے جانے لگے تو انھوں نے اپنی تمام اولاد میں ابوطالب کا انتخاب کر کے تحفظ رسالت کا کام ان کے حوالے کر دیا اور انھوں نے مکمل علم و ایقان اور شناخت و عرفان کے ساتھ سرکارؐ کی تربیت و نگہداشت کا انتظام کیا۔

مکہ کے کاہنوں نے بتایا کہ یہ فرزند عظیم الشان ہے۔ سفر تجارت میں راہب نے آگاہ کیا کہ اس کا مستقبل درخشاں ہے اور دیگر وسائل و ذرائع سے حقیقت نبوت کا اندازہ ہوتا رہا لیکن ابوطالب نے زندگی کا خاتمہ کر دینے کے بجائے اس کا تحفظ کر کے واضح کر دیا کہ اختلافِ عقائد و کردار میں زندگی کا خاتمہ کیا جاتا ہے تحفظ نہیں کیا جاتا ہے پھر میرے کردار کو واقعہ عقبہ سے ملا کر دیکھو گے تو اندازہ ہوگا کہ صحابیت اپنے مقام پر ہے لیکن "جگر جگر ہے دگر دگر ہے"۔

کمسنی کے عالم میں کاہنوں اور راہبوں کا مستقبل کے بارے میں بیان دینا علامت ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی ابتدائی زندگی بھی بڑی امتیازی حیثیت کی مالک تھی اور آپ کے بچپنے کا قیاس دنیا کے دوسرے بچوں پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یا واضح لفظوں میں کہا جائے کہ راہب اور کاہن نے آپ کے چہرۂ اقدس میں اس طرح کمالات کا مشاہدہ کر لیا تھا جس طرح آپ نے امت کو متوجہ کیا ہے کہ آدمؑ کا علم۔ نوحؑ کا زہد۔ ابراہیمؑ کی خلت، موسیٰؑ کی ہیبت

خدا کی نافرمانی تب کرو جب یقین ہو جائے کہ وہ تمہیں دیکھ نہیں رہا ہے۔

مجھے یاد رکھو تاکہ میں تمہیں یاد رکھوں۔ (ارشاد الٰہی)

عیسیٰؑ کا تقویٰ، یوسفؑ کا حسن و جمال اور دیگر انبیاء کرام کا فضل و کمال دیکھنا ہو تو نبیؐ کے چہرے پر نظر کرو۔ اس ایک آئینہ میں سارے جلوے نظر آجائیں گے جس طرح راہب و کاہن نے میرے چہرے سے کمالات کا مشاہدہ کر لیا تھا۔

ازدواج:- ایک سفر تجارت سے واپسی پر جہاں آپ خدیجہ کے مال سے بطور نمائندہ تجارت کر رہے تھے جب خدیجہ کے غلام نے آپ کے فضائل و کمالات اور مناقب و کرامات کا تذکرہ کیا تو خدیجہ نے موقع کو نہایت درجہ مناسب دیکھتے ہوئے سماج کے تمام بندھنوں کو توڑتے ہوئے آپ کے پاس عقد کا پیغام بھیج دیا اور اس طرح ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد ایک ۲۵ سال کے جوان کا عقد بظاہر ۴۰ سالہ کی خاتون سے ہو گیا ـــــ اور سماج کے تمام مفروضہ اصول خاک میں مل گئے، مال و دولت، تجارت و مزدوری طبقات۔ فرض حیات و غیرت، سماجی رسم و رواج سب پیروں تلے روند دیے گئے اور صاحب معراج کے قدم خدیجہ کے دوش کمالات پر آ گئے۔

جناب ابوطالبؑ نے خطبہ عقد پڑھا اور مالِ خدیجہ کے مقابلہ میں پیغمبرؐ کے بے پناہ کمالات کا تذکرہ کر کے کمالات کے مقابلہ میں مال کی بے وقعتی کا اظہار کیا اور عالمِ انسانیت نئے اقدار سے روشناس کراتے ہوئے صاحبانِ کمال کو دولت و ثروت کے مقابلہ میں احساسِ کمتری سے نجات دلانے کا انتظام کر دیا۔

بعثت:- تقریباً ۱۵ سال کی ایثار بھری گھریلو زندگی گذارنے کے بعد رب العالمین نے ایک نئی ذمہ داری کا بوجھ کاندھوں پر رکھ دیا اور سورۂ اقرأ کے ذریعہ پیغام الٰہی پڑھ کر لوگوں کو دعوت علم و تفضل دینے کا حکم دیدیا۔ غارِ حرا کی منزل ذکر و فکر تمام ہوئی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا وقت آگیا۔

ابتدائی خفیہ دعوت کے بعد عشیرہ و قبیلہ کے سامنے پیغام پیش کرنے کا حکم آگیا اور آپ نے خشک دعوت کے بجائے بحکم رب العالمین کھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ مہتمم قرار پا گئے اور چالیس افراد خاندان کو مدعو کر لیا گیا۔

مختصر سے کھانے سے چالیس آدمیوں کو سیر کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے پیغام سنانے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے قوم کو بھڑکا دیا اور کہا یہ جادوگر ہیں۔ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور آپ نے مجبوراً دوسرے دن پھر دعوت کی اور آخرکار اپنا پیغام پیش کر دیا جس میں توحید الٰہی، اپنی رسالت اور خیر دنیا و آخرت کا ذکر تھا جس کے بعد آپ نے نصرت کا مطالبہ کیا اور خلافت کا وعدہ کیا۔ ساری قوم میں تنہا حضرت علیؑ نے نصرت کا وعدہ کیا اس لئے کہ ان کی رگوں میں ابوطالبؑ کا خون تھا جو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میرے سردار آپ اعلان کریں کس کی مجال ہے جو میرے بیٹے کو نظر اٹھا کر دیکھ سکے، علیؑ کے وعدۂ نصرت پر رسول اکرمؐ نے انکی وصایت و وزارت و خلافت کا اعلان کر دیا اور اس طرح اسلام کے جملہ بنیادی اصول توحید، عدالت، رسالت، آخرت اور خلافت کا اعلان ہو گیا اور حضرت ابوطالبؑ نے بھی اپنی محکومیت اور رسول اعظمؐ کی سیادت و حاکمیت کا اعلان کر دیا تاکہ اسلام روز اول سے مکمل شکل میں سامنے آئے اور اس میں کسی طرح کی کسر نہ رہ جائے نہ اصول میں کوئی کمی ہو اور نہ سن و سال اور رشتہ و قرابت معیار بندگی بننے پائیں۔

ردعمل:- اس اعلان کا ردعمل یہ ہوا کہ چاروں طرف سے ہجوم مصائب شروع ہو گیا۔ ایک طرف رسول اکرمؐ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کی تبلیغ کر رہے ہیں اور دوسری طرف کفار و مشرکین ان کے در پے آزار ہیں اور ان کے ساتھ تمام حلقہ بگوش ہو جانے والوں کو طرح طرح کی اذیت دے رہے

خدا کو بھول کر اس سے امید کیوں لگائے ہو۔

جو ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انھیں راستہ بتائیں گے ۔ (ارشاد الٰہی)

ہیں ۔ جناب یاسر و سمیہ کی شہادت اور جناب عمار کا تقیہ اس دور کی یادگار سیرتیں ہیں ۔

حالات کے انتہائی نازک ہو جانے کی بنا پر مرسل اعظمؐ نے ہجرت کا حکم دیدیا اور جناب جعفر طیار کی سرکردگی میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو حبشہ روانہ کر دیا جو بظاہر مسلمانوں کی جان بچانے کی تدبیر تھی لیکن واقعاً اسلام کے پیغام کی اشاعت کا ایک راستہ تھا ۔ اور اسی لئے اس کام کے لئے بھی ابو طالبؑ ہی کے ایک فرزند کا انتخاب کیا گیا جنہوں نے نجاشی کے دربار میں ایسا خطبہ پڑھا اور سورۂ مریم کی آیات کی اس شان سے تلاوت کی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ اور اس نے مکہ کے مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے وفد کو نہایت ذلت کے ساتھ باہر نکال دیا ۔ اسلام ملک حبش تک پہونچ گیا اور ہجرت کا پہلا فائدہ یا فلسفہ منظر عام پر آ گیا ۔

ہجرت :- اولاً تھوڑے عرصہ کے بعد شعب ابی طالب کی سہ سالہ مشقت آفریں زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور کفار نے اپنے معاہدہ کو توڑ کر قدرے مہلت دی تو رسول اکرمؐ نے کار تبلیغ کو تیز تر کر دیا لیکن اسلام کے دونوں محافظ ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ ادھر محاذ شجاعت کا سپاہی ابو طالبؑ دنیا سے رخصت ہوا اور ادھر محاذ ایثار کی مجاہدہ خدیجہ نے دنیا کو خیرباد کہدیا اور رسول اکرمؐ کی تنہائی اور پریشانی کو دیکھ کر رب العالمین نے انھیں بنفس نفیس ہجرت کا حکم دیدیا ۔

مسلمان بڑی تعداد میں پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے ۔ اب آپ بھی تیار ہو گئے اور بستر پر حضرت علیؑ کو چھوڑ کر امانتوں کی واپسی کی ہدایت دیکر روانہ ہو گئے ۔ اب نرغۂ کفار میں مولائے کائناتؑ ہیں اور جناب فاطمہؑ بنت اسد اور جناب فاطمہؑ بنت محمدؐ ۔ جن کے صبر و استقلال کی تعریف و توصیف ناممکن ہے کہ ایسے سنگین ترین حالات میں بھی گھر میں رہ کر صبر و سکون کا مظاہرہ کیا اور کسی طرح کے نالہ و شیون کی آواز بلند نہیں کی جبکہ ایسے موقع پر بڑے بڑے بہادر بھی رو دیا کرتے ہیں ۔

صبح ہوئی ۔ کفار کو حضرت علیؑ کو دیکھ کر مایوسی ہوئی ۔ انتقام کا جذبہ ابھرا اور جب حضرت علیؑ فواطم کا قافلہ لیکر چلے تو کفار سد راہ ہو گئے حالانکہ ان کی امانتیں انھیں واپس مل چکی تھیں اور حضرت علیؑ کے ذمہ کسی کا کوئی حق باقی نہ تھا ۔ مزاحمت ہوئی اور شدید انداز سے ہوئی ۔ لیکن حضرت علیؑ کامیابی کے ساتھ قافلہ کو لیکر آگے بڑھ گئے اور مدینہ کے باہر سرکار دو عالمؐ سے مل گئے جہاں آپ حضرت علیؑ کا انتظار کر رہے تھے ۔

ہجرت کے دوسرے دور میں مدینہ میں تبلیغ کا کام شروع ہوا اور رسول اکرمؐ نے ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جس کا مقصد یہ بھی واضح کرنا تھا کہ اسلام کا مرکزی مقام اور تبلیغ کا بنیادی سینٹر یہی خانۂ خدا ہے جہاں سے اسلام کی آواز پھیل سکتی ہے اس کے بعد اسلام دار الامارہ اور گورنمنٹ ہاؤس کی نذر ہو گیا تو اس کی صورت مسخ ہو جائیگی اور وہ اپنی اصالت اور واقعیت کو کھو بیٹھے گا ۔

واضح رہے کہ ہجرت انسان کا ایک فطری عمل ہے جس کا رد عمل خارجی حالات میں بھی ظاہر ہوتا ہے ورنہ انسان ابتدائے پیدائش سے مشغول سفر اور مصروف ہجرت رہتا ہے ۔ بچپنے سے جوانی ، جوانی سے ضعیفی ۔ ناتوانی سے طاقت اور جہالت سے علم کی طرف کا سفر ایک طرح کی ہجرت ہی ہوتی ہے جسکی بہتر حالات کی طرف آگے بڑھنے کی مہم ہوتی ہے ۔ اب جنکی نظر میں بہتر حالات سے مراد مال و دولت و اقتدار ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور جنکی نگاہ میں بہترین حالات سے مراد خدمت دین و مذہب ہے وہ ان مراکز کی طرف ہجرت کرتے ہیں جہاں خدمت دین کے بہترین مواقع ہوں اور اصلاح امت کا کام بہترین طریقہ سے انجام دیا جا سکے ۔

جو خدا کو چھوڑ دے خدا اس کا ذمہ دار نہیں ۔

ہجرت کے بعد:- مدینہ آنے کے بعد بھی کفار کو سکون نہ ملا اور انھیں یہ خیال رہا کہ جب ہم ان کو انکے وطن سے باہر نکال سکتے ہیں تو انھیں عالم غربت اور دیار غیر میں فنا کر دینا کیا مشکل کام ہے اور اُدھر ہجرت کی شرمندگی کا علاج کرنا بھی مقصود تھا چنانچہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حضور اکرمؐ نے کفار کے قافلہ تجارت کو روک کر اپنی طاقت کا بھی مظاہرہ کرنا چاہا اور کفار کے ہاتھوں غصب ہو جانے والے اموال مسلمین کو بھی واپس لینا چاہا اور اس کے نتیجہ میں بدر میں اسلام کا پہلا معرکہ پیش آیا۔ ۳۱۳ خالی ہاتھ مسلمان اور ۹۰۰ مسلح کفار --- لیکن رب العالمین نے مادی اور معنوی کمک کے غیبی اسباب فراہم کر دیئے اور بالآخر اسلام غالب آگیا اور کفار کے ستر آدمی قتل ہو گئے جن میں سے ۳۵ کو تنہا فرزند ابوطالبؑ حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا اور باقی ۳۵ کے قتل میں مجاہدین کی کمک کی تھی۔ اُدھر ستر مشرکین گرفتار بھی ہو گئے اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت بھی حاصل ہو گیا۔

عقد جناب فاطمہؑ:- جنگ بدر کے بعد رسول اکرمؐ نے حکم خدا کے مطابق تمام مسلمانوں کے پیغامات کو ٹھکرا کر حضرت علیؑ سے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد کر دیا لیکن سامان عقد میں نہ دولت خدیجہ کام آئی اور نہ مسلمانوں کا مال غنیمت --- بلکہ آپ نے حضرت علیؑ کی زرہ کو فروخت کرا کے ان سے ۵۰۰ درہم مہر لیا اور اس میں سے ۶۳ درہم کا سامان خرید کر بطور جہیز دیدیا اور باقی حضرت علیؑ کو انتظام خانہ داری اور اہتمام ولیمہ کے لئے دیدیا۔ رقم مہر کا ایک اچھا حصہ خوشبو پر صرف کیا کہ یہ اسلام میں مال کا بہترین مصرف ہے اور اسلام صفائی۔ پاکیزگی اور خوشبو پر کافی زور دیتا ہے۔

یہ اسلام میں ایک تاریخی اور مثالی شادی تھی جس کا عقد آسمان پر بھی ہوا اور زمین پر بھی۔ جس کا مہر معنوی بھی تھا اور مادی بھی لیکن اس کا مصرف ایک عام معمولی شادی سے بھی کمتر تھا جس نے امت کے غریبوں کا بھرم رکھ لیا روز قیامت تک ہونے والی شادیوں کے لئے ایک راستہ قائم کر دیا جسکے بعد پریشانی خود کردہ را علاجے نیست کی مصداق ہے جس کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔

معرکے:- بدر کی شکست کے بعد کفار میں جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا اور سنہ ۳ھ میں اُحد کا معرکہ ہو گیا۔ یہ معرکہ خاص مدینہ کے قریب ہوا اور اسے حضرت علیؑ نے چند مجاہدین کے ساتھ سر کر لیا۔ لیکن مسلمانوں نے حکم رسولؐ کی مخالفت میں درہ کو چھوڑ دیا اور خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور مسلمان میدان سے فرار کر گئے۔ اور اس طرح یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ رسول اکرمؐ کے حکم کی خلاف ورزی۔ مال غنیمت کی لالچ اور رسولؐ کے تقسیم غنائم پر عدم اعتماد کا انجام کیا ہوتا ہے اور واضح ترین کامیابی کس طرح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کامیابی نے کفار کے حوصلے بڑھا دیئے اور انھوں نے تمام احزاب کو جمع کر کے قلب مدینہ پر حملہ کر دیا اور ان کا سربراہ عمرو بن عبدود خیمۂ رسول تک آگیا اور معرکہ کفار و مسلمین کے بجائے کل اسلام اور کل کفر کا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؑ کی ایک ضربت نے جنگ کا فیصلہ کر دیا اور رسول اکرمؐ نے اس ضربت کو عبادت ثقلین پر بھاری قرار دیدیا۔

جنگ خندق نے کفار کے حوصلے اس حد تک توپست کر دیئے کہ باہر جا کر لڑنے کی ہمت نہیں رہ گئی لیکن جب سنہ ۶ھ میں رسول اکرمؐ عمرہ کے لئے مکہ گئے تو انھیں بیرون آبادی روک دیا اور شہر میں داخلہ سے منع کر دیا۔ متعدد بحثوں کے بعد صلح حدیبیہ کی نوبت آئی اور حضرت علیؑ نے حکم رسولؐ سے صلح نامہ مرتب کر دیا۔ بعض مسلمانوں کو رسالت میں شک بھی

کیا تمہارا خیال ہے کہ تم بے مقصد پیدا کئے گئے ہو۔ (ارشاد الٰہی)

ہوگیا لیکن خدا نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیدیا جس کے بعد دوسرے سال مکہ خالی ہوگیا اور مسلمانوں نے باقاعدہ عمرہ کرلیا اور یہ سرد گرم دونوں طرح کی جنگ کی کھلی ہوئی فتح تھی۔ سرد جنگ کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ کفار نے اسلام کی مذہبی حیثیت کو تسلیم کرکے مسلمانوں کو عمرہ کا موقع دیدیا اور گرم جنگ کی فتح یہ تھی کہ طاقت کے مقابلہ کا ذکر نہیں آیا اور از خود مکہ خالی ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں ۸ھ میں مکہ بھی فتح ہوگیا اور کعبہ کو بتوں سے خالی بھی کرادیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام فتح کے بعد انتقامی کارروائی نہیں کرتا ہے بلکہ سرکاری مجرمین کو معاف کردیتا ہے اور صرف عوامی مجرمین سے محاسبہ کرتا ہے۔

خیبر:- صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ تو بظاہر خاموش ہوگئے لیکن خیبر کے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں شروع کردیں اور کفار کو ورغلانے لگے اور ان سے کمک کا بھی معاہدہ شروع ہوگیا تو رسول اکرمؐ نے خیبر کا رخ کیا اور ۱۰ دن محاصرہ کے بعد خیبر کے جملہ قلعے فتح کرلئے اور حضرت علیؑ نے عمرو ہی کی طرح مرحب و عنتر و حارث کا بھی خاتمہ کردیا اور اسلام نے یہودیت کا قلعہ بھی فتح کرلیا۔ جس کے بعد اہل فدک از خود تسلیم ہونے پر تیار ہوگئے اور یہ علاقہ رسول اکرمؐ کو بغیر جنگ کے ہاتھ آگیا جو رسول اکرمؐ کی ذاتی ملکیت قرار پایا اور آپ نے اسے اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کے حوالے کردیا جس کی ایک داستان تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اور جس نے امت کی پیشانی کو عرقِ شرم سے تر کردیا کہ امت اپنے پاس سے دخترِ رسولؐ کی کفالت کرنے کے بجائے خود اس کا حق بھی نہ دے سکی یا نہ دلوا سکی اور رسول اکرمؐ کی بیٹی کو یہ وصیت کرنا پڑی کہ میرے جنازہ کو رات کی تاریکی میں دفن کردیا جائے اور میرے جنازہ میں ظالموں کو شرکت کا موقع نہ دیا جائے۔

واضح رہے کہ جناب جعفر طیار کی ہجرت حبشہ سے آخری واپسی اس وقت ہوئی جب حضرت علیؑ خیبر کے قلعہ کو فتح کرکے واپس آئے اور رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی مناؤں خیبر کی فتح یا جعفر کی واپسی —— اور اس طرح روحِ ابوطالبؑ خوشی سے وجد کرنے لگی کہ ایک فرزند نے سرد جنگ کو سر کیا تو دوسرے نے مسلح مقابلہ کے میدان کو فتح کرلیا۔

حنین:- خیبر کے بعد حنین کا معرکہ بھی سر ہوگیا اور مکہ بھی فتح ہوگیا بلکہ ۹ھ میں اسلام کا عیسائیت کے ساتھ معرکہ بھی مباہلہ کے میدان میں فتح ہوگیا اور رسول اکرمؐ نے اپنے اہلبیتؑ کے سہارے عیسائیت کو مکمل شکست دیکر نصاریٰ کو جزیہ دینے پر مجبور کردیا اور اسلام آخری فتح سے بھی ہمکنار ہوگیا جسکی ہر فتح میں کسی نہ کسی فرزند ابوطالبؑ کا حصہ رہا جس نے روز اول کہا تھا "قم یا سیدی"۔

حجۃ الوداع:- رسول اکرمؐ کی راہنمائی اور حضرت علیؑ کے مجاہدات کے نتیجہ میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی جملہ طاقتوں کے شکست خوردہ ہوجانے کے بعد قدرت نے چاہا کہ حضرت علیؑ کے ان مجاہدات کی حیثیت اور ان کی قدر و قیمت کا اعلان کردیا جائے۔ چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے آخری حج کا اعلان کردیا اور لاکھوں مسلمان مختلف اطراف عالم سے حج بیت اللہ کے لئے جمع ہوگئے۔ حجۃ الوداع کی واپسی پر مقام غدیر خم میں قدرت نے اس آخری امر کی تبلیغ کا حکم دیا اور رسول اکرمؐ نے الاکھ مسلمانوں کے مجمع میں حضرت علیؑ کی ولایت اور مولائیت کا اعلان کردیا اور اس طرح بعثت سے شروع ہونے والا کام غدیر پر تمام ہوگیا اور اسلام کو ایک مستقل محافظ اور امت کو ایک بہترین مولا مل گیا جو ہر اعتبار سے رسول اکرمؐ کا مثیل اور ان کے کردار کی امتداد اور استمرار تھا۔

تم اللہ کی بندگی کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔ بندوں کی بندگی کیلئے نہیں۔

کیا تمہیں ہمارے پاس واپس نہیں آنا ہے۔ (ارشاد الٰہی)

حجۃ الوداع کی واپسی پر قدرت نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں طلب کرنے کا اعلان فرما دیا اور ۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسول اکرمؐ اپنے خالق کی بارگاہ میں پہونچ گئے۔ وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ امت اپنے بہترین مہربان باپ کی سرپرستی سے محروم ہوگئی اور دشمنان اسلام کو طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا جس کے نتیجہ میں رسول اکرمؐ کی دختر اور ان کے اہلبیتؑ کو بے پناہ مصائب کا نشانہ بننا پڑا اور باپ کے تقریباً ۹۰ دن کے بعد بیٹی بھی شکستہ پہلو، ستم رسیدہ اپنے باپ کی خدمت میں پہونچ گئی۔ جب ہجوم مصائب نے جائداد پر قبضہ کر لیا، محسن کو شہید کر دیا، پہلو کو شکستہ بنا دیا، وارث کے گلے میں رسی ڈال دی اور امت یا اصحاب نے اک نئے انداز سے اجر رسالت پیش کر دیا۔

سنہ ۱۴۱۱ھ: اسی صفر اور جمادی الثانیہ میں ان دونوں حادثات کو چودہ سو سال پورے ہو رہے ہیں جس موقع پر امت اسلامیہ کا فرض ہو جاتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر ان حالات کو یاد کرے اور ان سے سبق حاصل کرے کہ رسول اکرمؐ نے ۶۳ سال کی کل حیات اور ۲۳ سال کی تبلیغی زندگی میں کس طرح امت کی تربیت اور اسلام کی خدمت کی ہے کہ ۸۰ جہاد بھی کئے ہیں، مختلف ممالک میں وفد بھی بھیجے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کو مسلمان بھی بنایا ہے اور اپنے تمام جان و مال کی قربانی دیکر دین خدا کا تحفظ بھی کیا ہے اور صدیقہ طاہرہ نے ۱۸ سال کی مختصر حیات میں عالم نسواں کے لئے نمونۂ عمل بھی فراہم کیا ہے حجاب کا سبق بھی دیا ہے، حق دختری دفاع بھی کیا ہے، رسالتؐ و امامت کی گواہی بھی دی ہے، قرآنی قانون کی بالادستی کا اعلان بھی کیا ہے اور آخر میں اس قدر قربانیاں پیش کی ہیں جنکی مثال عالم انسانیت میں ناممکن ہے۔

ہمارا سلام اس رحمۃ للعالمین باپ پر جس نے امت کو اولاد کی طرح پالا ہے۔ اور اس محسنۂ اسلام بیٹی پر جس نے اپنا بھرا گھر قربان کر کے باپ کے دین کا ابدی تحفظ کیا ہے۔

* * *

مجالس ترحیم

برائے ترویح روح بانی تنظیم المکاتب

خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری صاحب طاب ثراہ

۱۰ مارچ ۱۹۹۱ء یکشنبہ

صبح ۹ بجے سے شام ۵ بجے تک

قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ میں

مشاہیر علماء و واعظین کو سماعت فرمائیں۔

منتظمین مکاتب امامیہ سے گزارش ہے کہ وہ امداد وصول ہونے پر جو رسید دفتر کو بھیجتے ہیں اس پر مکتب کے نام کی مہر بھی لگایا کریں۔ اگر مکتب کے نام کی مہر نہیں ہے تو ایک مہر بنوا لیں جو اس طرح کی ہو۔

نام مکتب امامیہ...... ڈاکخانہ...... ضلع......

(ادارہ)

موت کے آنے کا یقین ہے تو اس کے لئے تیاری کیوں نہیں کرتے۔

بہت برا یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔ (ارشاد الٰہی)

نصرتِ رسولؐ میں جناب ابو طالبؑ کی خدمات

سید کرار حسین واعظ

ابو طالبؑ، ملت حنیف کے پیشوا تھے، تہذیب اسلامی کے پروردگار تھے، جلوۂ قدرت کے شاہد اور اسرار الوہیت کے وارث تھے۔ مورخین اسلام کی ذہنی ناہمواری، فسوں گری اور چیرہ دستی کے باوجود تاریخ اسلام کے صفحات پر "سردار قریشؑ" کے عزم و ہمت خلوص و ایثار، شجاعت و سخاوت، ریاضت و دیانت، علم و حلم، زہد و تقویٰ، ثبات قدم اور ہادی عالم سے بے پناہ محبت اور پیار کے اتنے واقعات ملتے ہیں جن کے غیر متعصبانہ مطالعہ کے بعد انسانی ضمیر خود آواز دیتا ہے کہ ابو طالبؑ ——— مومن قریش تھے ہاشم و عبد المطلب کے جانشین تھے۔ ان کے اندر اپنے مومن آباء و اجداد کے جملہ کمالات و خصوصیات بدرجۂ اتم موجود تھے۔ وہ آیہ قرآنی وجعلها[1] كلمة باقية في عقبه کی جیتی، جاگتی اور چلتی پھرتی تفسیر و تصویر تھے وہ ——— من مات[2] على حب آل محمد مات شهيدا ——— مستكمل الايمان ... مات مغفوراً کے واقعی حقدار اور مصداق تھے۔ ابو طالب ——— تاریخ اسلام کے قابل فخر معمار، رسول اسلام کے ناصر اول، دین خدا کے بے لوث محافظ محمدؐ کی امیدوں کے مرکز اسلام کی فتح کے نشان سیادت و سروری کا فخر اور عظمت و جلالت کا پیکر ہیں۔ ابو طالبؑ ——— دوستوں کے لئے پھول سے زیادہ نرم اور دشمنوں کے لئے فولاد سے زیادہ سخت تھے۔ سخاوت ان کے گھر کی لونڈی تھی تو شجاعت ان کے گھر کی باندی۔ علم ان کا زیور تھا تو حلم اوڑھنا بچھونا، اگر فصاحت میں ملکہ حاصل تھا تو بلاغت میں ید طولیٰ ——— ابو طالبؑ نرم بھی تھے گرم بھی، وہ جمالی بھی تھے، جلالی بھی، آبِ رواں بھی تھے کوہ گراں بھی ——— شعلہ بھی تھے شبنم بھی، شاخِ گل بھی تھے تلوار بھی ——— ابو طالبؑ کی دلِ فولاد میں بھی تیر جانے والی نظر "دیتی تھی بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر" ——— ہادی عالمؐ کی کفالت و محافظت اور نصرت و حمایت کے سلسلہ میں "سردار عرب و عجم" نے جن اسلحوں کا استعمال کیا ہے ان میں توکل کی سپر، دعاؤں کے تیر یقین کی زرہ اور صداقت کی شمشیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں ——— میں جب کبھی سوچتا ہوں

---

[1] مفسرین اسلام جن میں حضرت ابن عباسؓ کا اسم گرامی سرفہرست ہے، کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم اخلاص و توحید اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ بعد جناب ابراہیمؑ ان کی نسل اور ذریت طاہرہ میں قیامت تک باقی رکھے۔" (در منثور سیوطی جلد ۶ ص ۱۶)

[2] آل محمد علیہم السلام کی محبت کے ساتھ جو شخص عروس موت سے ہمکنار ہوتا ہے اس کے لئے ہادی عالمؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شہید، کامل الایمان اور بخشا ہوا ہوتا ہے۔" (تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۶۷ و مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی ص ۹۴)، جن حضرات کو نبی کریمؐ کی صداقت پر اعتبار نہ ہو، وہ حضورؐ سے اختلاف کرنے کا حق رکھتے ہیں ۱۲ کرار۔

خود باعمل بنو تا کہ دوسروں کو باعمل بنا سکو۔

کہ "اگر ابو طالب نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟" تو دل بیٹھنے لگتا ہے "ابو طالب نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟" ابو طالبؑ کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آمنہ کا لال نہ ہوتا، اسلام نہ ہوتا، قرآن کا حکیمانہ پیغام نہ ہوتا کعبہ کا تقدس نہ ہوتا۔ یہ سب چیزیں آج کیوں ہیں؟ اس لیے کہ نبی کریمؐ اور ان کے اسلام پر ابو طالبؑ نے اپنی پوری زندگی اور اپنی پوری پاکیزہ نسل کو قربان کر دیا۔

نبی رحمتؐ ابو طالبؑ کی آغوشِ محبت میں :-

"عبد المطلب مرتے وقت حضور نبی کریمؐ کا ہاتھ آپ کے حقیقی چچا ابو طالبؑ کے ہاتھ میں دیکر وصیت کر گئے تھے کہ اس بچہ کو اولاد کی طرح پرورش کرنا ابو طالب نے اس وصیت کو جس شان و عظمت کے ساتھ نبھایا تاریخ اس کی شاہد ہے کوئی باپ بیٹے کے ساتھ بھی اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی محبت آپ نے بھتیجے کے ساتھ کی کبھی دل میلا نہ ہونے دیا زندگی بھر پشت پناہ بنے رہے محبت نہ تھی عشق تھا۔ آپ کے لئے کوئی مصیبت ایسی نہ تھی جو برداشت نہ کی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر یہ ان کا سب سے بڑا احسان ہے اور مسلمان ان کا نام ہمیشہ شکر گذاری کے جذبہ سے لیتے ہیں ...... جس خوبی سے ابو طالب نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اسے دنیا آج تک نہیں بھولی اور کبھی نہیں بھولے گی چچا نے اپنے بھتیجے کو بڑے لاڈ اور پیار سے پالا حضورؐ سے کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ اگر تھوڑی دیر بھی نہ دیکھتے تو شوق دید میں بے چین ہو جاتے تھے اور اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام کا خیال کرتے اور ان کا ناز اٹھاتے۔"[۳]

ابو طالبؑ کی شدت محبت :- صاحب سیرت حلبیہ جناب ابو طالب کی شفقتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اتنا اور لکھتے ہیں کہ "حبه حبا شديدا لا يحبه لاحد من ولده فكان لا ينام الا الى جنبه وكان يخصه باحسن الطعام" یعنی ناصر رسول ابو طالبؑ کو آنحضرتؐ سے اتنی شدید محبت تھی کہ اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو اتنا دوست نہیں رکھتے تھے جب تک اپنے پہلو میں آنحضرتؐ کو سلا نہ لیتے خود سوتے نہیں تھے اور اپنے محبوب بھتیجے کے لئے کھانے کا الگ مخصوص انتظام کرتے تھے۔" ان روایتوں سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے محافظ کعبہ عبد المطلب کے بعد جناب پیغمبر اسلام کی کفالت و نصرت فرمائی لیکن صاحب سیرت حلبیہ جناب عبد المطلب کی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان ابا طالب كان مشاركا عبد المطلب في كفالته صلى الله عليه وسلم في حياة عبد المطلب ثم اختص هو بذلك بعد موته "خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کفالت میں جناب ابو طالب حضرت عبد المطلب کے برابر شریک و سہیم رہے البتہ ان کے انتقال کے بعد کفالت نبوت کی پوری ذمہ داریاں جناب ابو طالبؑ سے مخصوص ہو گئیں۔" ہزار نامساعد حالات کے باوجود ناصر اسلام نے ان ذمہ داریوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ نہ صرف قبول کیا بلکہ اس شیر دل نے آگ، بجلی، موت آندھی اور کفر کے گھن گرج طوفانوں کا شیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے اس فریضۂ منصبی کو زندگی کے آخری لمحات تک نبھایا۔

---

[۳] سیرت فخر دو عالم از م عطاء اللہ خاں ص۲۶ و ص۲۱۵ ۱۹۵۱ء و رؤف رحیم از۔ محمد حمید اللہ دہلوی ص۲۴۱ و سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص۱۲۵ طبع ثانی مصر ۱۳۴۹ھ

[۴] ابن سعد واقدی نے بھی اس شدید محبت کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۱ ص۷۵

۵ و ۶ سیرت حلبیہ جلد ۱ ص۱۲۸

اور اس طرح ختم نبوت کی نصرت وحمایت کا فریضہ انجام دیا کہ محسن عالمؐ ابوطالب کے بعد ساری عمر اپنے محسن کو یاد کرتے رہے۔

قرعۂ فال ابوطالبؑ کے نام:۔ بعض "چالاک اور ہوشیار" مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے حضرت ابوطالب اور زبیر کے ناموں پر قرعہ اندازی فرمائی کہ ہاشمی ومطلبی نور کو کس کے حوالے کیا جائے لیکن اتفاق سے قرعہ جناب ابوطالبؑ کے نام نکلا قیل بل ھو صلی اللہ علیہ وسلم اختار ابا طالب۔[لہ] علامہ حلبی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ نہیں ہوا بلکہ خود سرکار دو عالمؐ نے جناب ابوطالب کا انتخاب فرمایا۔"

بہرحال جناب ابوطالب کا انتخاب خود جناب عبدالمطلب نے کیا ہو، قرعہ نکلا ہو یا خود آنحضرتؐ نے منتخب فرمایا ہو۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس انتخاب سے پہلے اپنے محبوب کی کفالت ونصرت کے لئے نظر قدرت نے ابوطالب ہی کی طیب وطاہر آغوش کو منتخب کیا تھا۔ عبدالمطلب کے بعد ابوطالب کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی ہستی تھی ہی نہیں جو تاجدار کائنات کی کفالت ونصرت اور حمایت کی ان اہم ذمہ داریوں کو برداشت کر سکتی۔ جناب ابوطالب کی محبت والفت، خلوص وعقیدت اور رافت وعطوفت، نبی رحمتؐ کے لئے وہ عظیم نعمت الٰہی تھی جس کا تذکرہ خالق نعمت نے خود قرآن مجید میں کیا ہے:

"الم یجدک یتیما فآوی" اس کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی رقم فرماتے ہیں کہ "جناب عبدالمطلب نے حضرت ابوطالب کو وصیت کی تھی کہ (تم ان کی کفالت کرنا) کیونکہ یہ تمہارا حقیقی بھتیجہ ہے اس لئے ابوطالب برابر کفالت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے آنحضرتؐ کو مبعوث برسالت فرمایا (اس کے بعد بھی ابوطالب) ایک طولانی مدت تک آپ کی نصرت وحمایت کرتے رہے حتیٰ کہ جناب ابوطالب کی وفات ہوگئی اور آنحضرتؐ کو کبھی اپنی یتیمی کا خیال نہ آنے دیا فاذکر اللہ تعالیٰ ھذہ النعمۃ (اس آیت میں) خداوند عالم نے اسی نعمت (خاص) کا ذکر فرمایا ہے"۔[ہ]

مفسرین اسلام کے اقوال کی روشنی میں ہر صاحب نظر یہ ماننے پر اپنے کو مجبور پائے گا کہ آنحضرتؐ کی کفالت ونصرت کے لئے ابوطالب کا انتخاب خود باری تعالیٰ نے فرمایا تھا——۔

جناب ابوطالب کی ذات ستودہ صفات آنحضرتؐ کے لئے نعمت تھی اور ایسی نعمت کہ اللہ نے مخصوص طور پر اپنے حبیب کو یاد دلایا۔ ہادی عالمؐ ساری دنیا کے لئے نعمت ہیں اور ابوطالبؑ خود رسول اعظم کے لئے نعمت ہیں، نبی رحمتؐ کی ذات ساری دنیا کے لئے پناہ گاہ ہے اور ابوطالبؑ کی ذات خود عالم کے پناہ گاہ کی آماجگاہ ہے۔

ہادی عالمؐ کی جوتیوں کا تسمہ بھی آج اگر کسی مسلمان کو مل جائے تو وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی نظروں میں محترم ہو جائے اب سوچئے کہ جناب ابوطالبؑ کی وہ ذات کس قدر تعظیم وتکریم کے لائق ہوگی نبیؐ وعلیؑ جن کی آغوش مرحمت میں آنکھیں کھولیں، پرورش پائیں اور جن کی تربیت میں پروان چڑھ کر شباب کی منزلیں طے کریں۔؟

سرورِ دو عالمؐ کا پہلا سفر:۔ سردار قریش ابوطالب، تجارتی قافلے کے ساتھ جانے لگے تو مکہ کے دریتیم نے شفیق ومہربان چچا کا دامن پکڑ کر کہا "چچا جان! آپ مجھے کس کے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔ اماں جان میری انتقال کر گئیں ابا جان میرے دنیا سے اٹھ گئے دادا جان میرے

[ہ] تفسیر کبیر جلد ۸ سورہ ضحیٰ ص۲۰۰ طبع مصر وتفسیر لباب التاویل سورہ ضحیٰ جلد ۷ ص ۲۱۶ ۱۳۲۳ھ

نہ رہے اب آپ ایک چچا رہ گئے ہیں جو مجھے اس طرح چھوڑ کر پردیس جا رہے ہیں۔ یہ وہ تاثر بھری باتیں تھیں کہ ابو طالبؑ پر ان کا جتنا گہرا اثر ہوتا بجا اور وہ جس قدر بے قرار ہوتے صحیح تھا فقال واللہ لاخرجن بہ معی ولا یفارقنی ولا افارقہ ابدا۔ ابو طالبؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں اپنے جگر گوشہ کو لئے بغیر نہیں جا سکتا اور نہ کسی وقت کسی حالت میں ان کو اپنے سے جدا کر سکتا ہوں۔ حضور کو گلے سے لگا لیا اور اپنے ساتھ سواری پر سوار کر کے قافلہ کے ہمراہ ملک شام روانہ ہو گئے"ے

اعجازِ نبوت:۔ جب قافلہ تجارت بصرہ پہنچا تو اس کا گذر ایک صومعہ کے قریب سے ہوا اس وقت اس عبادت خانہ (صومعہ) کا متولی بحیرہ نامی راہب تھا جو پچھلی کتب سماوی کا عالم تھا اور جسے یہ معلوم تھا کہ ایک دن اس راہ سے ضرور سید المرسلینؐ کا گذر ہوگا چنانچہ راہب نے کو دنے آپ کو علامات نبوت (چہار جانب کی پہاڑیاں اور درخت سجدے میں جھکے پڑتے ہیں ....) سے پہچانا ــــ بحیرہ نے دیکھا کہ ایک اونٹ پر ایک بزرگ صورت سوار ہیں۔ جن کے آگے ایک فرزند بیٹھے ہوئے ہیں ان کے خد و خال اور حسن و جمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور کوئی بڑے آدمی ہونے والے ہیں سر پر ایک سفید رنگ کے ابر کا ٹکڑا سایہ کئے ہے یہ دیکھ کر راہب سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو سید المرسلین آپ ہی ہیں۔ راہب نے قافلہ والوں سے کہا انی صنعت لکم طعاما یا معشر قریش فانا احب ان تحضروا کلکم صغیرکم وکبیرکم وعبدکم وحرکم قال لہ رجل منہم واللہ یا بحیرا ان لک شانا الیوم ما کنت تصنع ھذا بنا وقد کنا نمر بک کثیرا فما شانک الیوم۔ قریش والو! میں نے تم لوگوں کی دعوت کی ہے چاہتا ہوں کہ چھوٹے بڑے غلام اور آزاد غرض تم سب لوگ چل کر ما حضر تناول کر لو۔ قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا بحیرا آج تو رنگ ہی اور ہیں ہم لوگ اکثر اسی طرف سے آتے جاتے رہے ہیں مگر تم نے ایسا تو کبھی نہیں کیا یہ آج کی دعوت کس تقریب میں ہو رہی ہے؟ بحیرا نے کہا۔ تم کہتے تو ٹھیک ہی ہو مگر آج میری یہ خواہش پوری کرو۔ غرض آنحضرتؐ کو مال کی نگہبانی کے لئے چھوڑ کر سب لوگ چلے گئے۔ مگر بحیرا کو جب خاتم النبیین نظر نہ آئے تو اس نے بے قرار ہو کر کہا "کیا آپ سب حضرات آگئے اور اب کوئی نہیں بچا"۔ اس سے کہا گیا " ایک صاحبزادہ اور ہیں جو مال کی نگہبانی کر رہے ہیں"۔ بحیرا نے زور دیا کہ انھیں بھی بلایا جائے غرض جب سرورِ عالمؐ آ گئے تو لوگوں نے کھانا شروع کیا بحیرا نے بغور سرورِ عالمؐ کو دیکھا اور پھر جسد مبارک پر کچھ علامات نبوت تلاش کئے جب اس کو اطمینان ہو گیا کہ یہی خاتم النبیین ہیں تو وہ بولا:

بحیرا:۔ لات و عزیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں آپ میرے سوالوں کا پورا جواب دیں۔

ھادیٔ عالم:۔ مجھے لات و عزیٰ سے سخت نفرت و عداوت ہے لہذا ان کی قسم نہ دو۔

بحیرا:۔ چونکہ قریش انھیں کی قسمیں کھاتے تھے اس لئے میں نے ان کی قسم دلائی اچھا خدا کی قسم بتایئے، غرض جو کچھ اس نے پوچھا جب شافی جواب پا چکا تو ابو طالب سے بولا:

بحیرا:۔ یہ بچہ آپکا کون ہے؟

ابو طالب:۔ میرا بچہ ہے۔

بحیرا:۔ میرا علم کہتا ہے کہ ان کے باپ کو زندہ نہ ہونا چاہیئے۔

ے سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۶۹ و رؤف رحیم صفحہ ۲۵۲

ابوطالب:۔ تو ٹھیک کہتا ہے یہ میرا حقیقی بھتیجہ ہے ان کے والدین اللہ کو پیارے ہو گئے۔

بحیرا:۔ آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں۔ خدا کے لئے انھیں شام نہ لے جایئے، قوم یہود ان کی دشمن ہو جائے گی۔ چنانچہ جناب ابوطالب نے سارا سامان وہیں فروخت کیا اور بسرعت ہادی عالم کو لے کر مکہ واپس آگئے [8]

اس اعجاز کا ذکر تقریباً جملہ مورخین نے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ کیا ہے درایتہً بھی اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لیکن چونکہ عیسائیوں نے اپنی کور باطنی سے مجبور ہو کر یہ کہہ دیا کہ اسی بحیرا راہب سے آنحضرتؐ نے تعلیم حاصل کی اس لئے علامہ شبلی نے اس واقعہ ہی کو غلط ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے [9] عیسائیوں کا نہایت معقول جواب خود اس روایت میں موجود ہے بحیرا خود خاتم النبیین بتاتا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ بحیرا نے پڑھایا" مدعی سست گواہ چست" کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔ اس کے علاوہ بحیرا پچھلی کتب سماوی کا عالم تھا مگر قرآن مجید، تعلیمات نبوت اور شریعت اسلام یہ ساری چیزیں پہلے سے مختلف ہیں ان امور کا جب بحیرا کو علم ہی نہیں تھا تو وہ پڑھائے گا کیا؟ اس کے علاوہ بیسیوں جواب ہو سکتے ہیں مگر علامہ شبلی نہ جانے کیوں عیسائی الزام سے کافی خوفزدہ نظر آتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ علامہ موصوف چونکہ اعجاز کے کافی حد تک مخالف ہیں اس لئے اس روایت کو ضعیف کرنا ان کا فرض منصبی تھا۔ علاوہ بریں ایک خاص بات اس واقعہ میں ہے جو علامہ کی ناپسندیدگی کے لئے کافی ہے اور وہ ہے حضرت ابوطالبؑ کا جذبہ نصرت و حمایت اور سرور عالم سے کمال خلوص اور بے انتہا محبت، جس کا جواب تاریخ اسلام میں کسی دوسری جگہ علامہ کو نظر نہیں آتا۔

ابوطالب سرورِ عالم کے عقد کے متولی:۔

آمنہ کا چاند عمر کے پچیسویں سال میں قدم رکھ چکا ہے

شفیق چچا کی دلی تمنا ہے کہ محمدؐ گھر والے ہو جائیں۔ جہاندیدہ سرورؐ کی نظر، زکیہ، طاہرہ اور ملیکۃ العرب خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کر تی۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق خود خدیجہ نے براہ راست پیغام عقد آنحضرتؐ کے پاس بھیجا جسے حضورؐ نے منظور فرمایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ——— "حضرت ابوطالب نے اول صفیہ کو بھیج کر خدیجہ کا استمزاج لیا۔ اور اس کی منظوری وخواہش کا اطمینان کر کے ابوطالب نے مع حضرت عباس وحمزہ وغیرہ چند اہل خاندان کے خدیجہ کے باپ خویلد کے پاس وبروایتے عمرو بن اسد خدیجہ کے چچا سے جا کر خواستگاری کی جس نے اول تامل وانکار کیا یہ لوگ غصہ میں چلے آئے خدیجہ کو یہ معلوم ہوا تو اس کو ازحد ملال ہوا اور اس نے اپنے رشتہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل وبروایتے خزیمہ کو بلا کر ان سے اپنی خواہش اور منظوری درخواست حضرت کی ظاہر کی [10]

اس سلسلہ میں جناب ابوطالبؑ نے جو خطبہ عقد پڑھا ہے فصاحت و بلاغت میں وہ اپنا خود ہی نظیر ہے۔ خطبہ شروع کرتے ہیں الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وذرع اسمٰعیل وضئضی معد و عنصر مضر وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا حکام الناس۔ اس خدا کی حمد جس نے ہم کو ذریت ابراہیم، نسل

---

[8] سیرت فخر دو عالم ص۲۱۶، رؤف رحیم ص۲۵۶، ابن ہشام جلد ۱ ص۱۶۹

[9] سیرۃ النبیؐ شبلی جلد ۱ ص۱۳۱

[10] مرقع اسلام ص۲۳ ۱۳۴۷ھ

ممکن ہے کوئی چیز تمہیں ناگوار لگے حالانکہ تمہارے حق میں اچھی ہو۔ (ارشاد الٰہی)

اسمٰعیل، اولاد معد اور مضر کے صلب سے پیدا کیا، کعبہ کا محافظ اور حرم کا منتظم مقرر کیا اور حرم وکعبہ جہاں لوگوں کو امن نصیب ہوتا ہے ہمارے حوالے کرکے ہمیں تمام لوگوں کا حاکم بنایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ان ابن اخی ھذا محمد ابن عبد اللہ لایوزن برجل الا رجح بہ شرفا ونبلا وفضلا وعقلا۔ میرا بھتیجہ محمد بن عبد اللہ شرف نجابت وذہانت اور کمال فضل وعقل میں ساری دنیا سے بہتر ہے۔ اس جملہ پر اس تاریخی اور ایمانی خطبہ کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ بعد ھذا لہ بناء عظیم وخطب جلیل جسیم[1]۔ خدا کی قسم ان امور کے علاوہ میرا بھتیجہ (مستقبل قریب میں) جلیل القدر اور عظیم الشان انسان ہوگا۔"

ابوطالب کا یہ خطبہ رہتی دنیا تک صاحبان ایمان سے خراج عقیدت وصول کرتا رہے گا۔ ابوطالب نے اس مختصر خطبہ میں اس امر کی بجا طور سے نشاندہی کر دی کہ ہم سب پاک اصلاب اور پاکیزہ ارحام میں رہے ہیں۔ ہمارا پورا سلسلہ حسب ونسب نورانی ہے۔ بت پرستی یا امور جاہلیت کا ہم تک کبھی گذر نہیں ہوا ہم کبھی کسی کے محکوم نہیں بلکہ ہمیشہ حاکم رہے حاکم ہیں، کعبہ کے پاسبان ہیں، حرم کے نگراں اور اب محمدؐ کے محافظ وسرپرست ہیں۔ ھذا لہ بناء عظیم وخطب جلیل جسیم۔ قسم کھا کر اس مرتبۂ عظیم اور عہدۂ جلیل کا پتہ دینا بتاتا ہے کہ جسم کے بوڑھے مگر عزم وارادہ کے جواں سردار کی دوربین نظریں مستقبل کے دبیز پردوں کو چاک کرکے دیکھ رہی ہیں جبرئیل آرہے ہیں۔ اور قرآن سنا رہے ہیں ..... نڈر محافظ نے گویا اس امر کا اعلان کر دیا کہ میں محمدؐ کو بھتیجہ سمجھ کر محبت وشفقت نہیں کرتا بلکہ اسی مرتبۂ عظیم اور عہدۂ جلیل کے پیش نظر میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔

مہر کی رقم چچا نے ادا کی :- ابوطالبؑ نے باوجود قلیل المال اور کثیر العیال ہونے کے آنحضرتؐ کی طرف سے مہر کی رقم خود ادا فرمائی جس کا تذکرہ جناب ابوطالب نے اپنے اسی خطبہ نکاح میں فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی اور زرقانی کے قول کے مطابق بارہ اوقیہ سونا دیا مگر جمال الدین محدث شیرازی اور خاوند شاہ سمرقندی یہ بھی لکھتے ہیں کہ قد خطب ابوطالب خدیجۃ بنت خویلد وقال لھا الصداق اجلۃ وعاجلۃ عشرون بکرۃ من مالی۔ جناب ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کی طرف سے خدیجہ بنت خویلد کا خطبہ پڑھا تو اس کے اندر فرمایا "میں اپنی ملکیت سے بیس اونٹ مہر کے طور پر ادا کرتا ہوں"۔

جناب ابوطالبؑ نے بھتیجہ کو اس طرح بیاہا کہ مرحوم بھائی (عبد اللہ) کی مبارک روح نے ابوطالب کو ہزار ہا دعائیں دی ہوں گی۔ آنحضرتؐ کو ابوطالب کے گھر میں باپ کا لاڈ، ماں کا پیار اور بھائی بہن کی محبت سب ہی چیزیں مل گئی تھیں۔ اسی لئے شادی کے نازک موقع پر بھی اپنی یتیمی کا ذرا احساس نہ ہوا۔

شادی کے بعد ابوطالبؑ کی مسرتیں :- "اس نکاح سے ابوطالب بھی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور بار بار شکریہ کے الفاظ ان کی زبان سے نکل جاتے تھے ..... چونکہ ابوطالبؑ کی امید سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر یہ شادی ہوئی تھی اس لئے انھوں نے کئی مرتبہ آسمان کی طرف رخ کرکے یہ فرمایا الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب ودفع عنا الھموم۔ شکر ہے اس ذات کا جس نے مصیبت اور رنج وغم دور فرما دیئے"[2] ۱۲

---

[1] روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۱۰۶ ۱۲۹۶ھ، روضۃ الصفا جلد دوم ص ۲۷۱، سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۱۶۵۔

[2] رؤف رحیم ص ۲۳۶ طبع دہلی۔

دینداری سے ناگواری — نادانی ہی نادانی۔

مولانا حافظ محمد حمید اللہ دہلوی کی اس تحریر کو پڑھ کر سوچئے کہ جناب ابو طالبؑ آنحضرتؐ کی شادی خانہ آبادی کے لئے کتنے فکرمند تھے ہر آن یہ فکر دامن گیر رہا کرتی تھی کہ کسی اعتبار سے شادی میں کوئی کمی نہ ہونے پائے اور بحمد اللہ جب بخیر و خوبی شادی ہوگئی تو اب ابو طالبؑ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک پڑے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں تو آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے اس لئے کہ ابو طالبؑ صرف موحد ہی نہ تھے بلکہ کفر کی آندھیوں اور عداوت و شقاوت کے طوفانوں کی زد پر توحید کی روشن شمع کے لئے فانوس بھی تھے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب تک ابو طالب باحیات رہے "شمعِ توحید" کی لو تھرا نہ سکی۔

خانۂ ابوطالبؑ[۱۳] اسلامی مرکز:- سرور عالم نے زندگی کے چالیسویں سال میں قدم رکھا اور خدا کا حکم آگیا کہ اب "اعلان نبوت کرو" اس حکم کے بعد رسولِ خدا کے سامنے بے شمار سوالات کھڑے ہوگئے اعلان نبوت کی ابتداء کہاں سے کروں، کن لوگوں کے سامنے اور کیوں کر اعلان کیا جائے زمین دشمن، زمان دشمن، مکہ کا ذرہ ذرہ جب دشمن ہے تو میری بات مانے گا کون تصدیق رسالت کون کرے گا۔ دعوت کا انتظام کون کرے گا اور اسلام کا پہلا جلسہ کس جگہ منعقد کیا جائے؟ یہ سارے تصورات یقیناً بہادر انسان کو بھی تھوڑی دیر کے لئے سہی کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں مگر مرسل اعظم تو اس سلسلہ میں تعلیم و تعلم، تہذیب و تمدن، وعظ و پند اور اوامر و نواہی کا ایک پورا نقشہ خدا کے ہاں سے لیکر آئے تھے ——— علیؑ ——— روح ابو طالب کو حکم ملتا ہے "دعوت کا انتظام کرو" سارا انتظام جناب امیرؑ نے کیا اور خانۂ ابو طالب میں صنادید قریش کو مدعو کیا گیا ——— روز بعثت کوئی معمولی دن نہ تھا، اعلان رسالت آسان کام نہ تھا۔ "خدا ایک ہے میں اس کا نبیؐ ہوں" کہنا کفار مکہ کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ صنادید کفار قریش کے لئے کھلا چیلنج تھا۔ اور لات و ہبل کی توہین تھی جسے عرب کے پجاری کسی قیمت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس اعلان کے بعد ابو طالبؑ کی سرداری اور سروری کو خطرہ تھا، اس اعلان کے بعد ابو طالب کو سر سے کفن باندھ کر عرب قوم کے سامنے آنا تھا اور اسی اعلان ہی کے بعد ابو طالبؑ کے جذبۂ نصرت و حمایت نبیؐ کا جوہر کھلنے والا تھا ——— جب سب کھانا کھا چکے تو حضور نے خدا کا پیغام مجمع تک پہونچایا، مگر ہادی کے حکیمانہ کلمات بولہب و بوجہل کے بھاری بھرکم قہقہوں میں دب کر رہ گئے اور مجمع منتشر ہوگیا۔ دوسرے روز اسی طرح کا جلسہ پھر ہوا۔ ہادیؐ نے پھر وہی پیغام سنایا جب کسی طرف سے کوئی آواز تائید میں نہ اٹھی تو،

مطلبی شیر کی دھاڑ:- "آخر کار ابو طالبؑ کھڑے ہوگئے" فرمانے لگے "تمہاری مدد کرنا تمہاری نصیحت کو قبول کرنا تمہاری باتوں کی تصدیق کرنا بہت اچھی چیز ہے اگرچہ یہ سب ہی خاندان کے ہیں لیکن میں سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کرتا ہوں اب تم اپنا کام شروع کر دو، خدا کی قسم میں تمہیں بچاؤں گا۔ تمہاری حفاظت کروں گا..

... یہ سننا تھا کہ ابولہب اٹھ کھڑا ہوا کہنے لگا "خدا کی قسم یہ ایک عار و ننگ ہے۔ اس کو اسی وقت روک دو" ———

حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا "خدا کی قسم میں تا حیات اس کو بچاتا رہوں گا" ——— یہ کہہ کر بھتیجے سے خطاب کیا۔ "میرے سردار اٹھئے جو چاہتے ہیں کہئے اپنا پیغام پہنچائیے آپ صادق بھی ہیں صدیق بھی

---

[۱۳] ابو طالب مومن قریش ص ۱۲۷ و کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۱ مطبوعہ ذات التحریر سنہ ۱۳۰۳ھ

یہ ابوطالبؑ کی آواز نہ تھی صور اسرافیل تھا۔ اسلام کی یہ پہلی بجلی تھی جو خرمن کفر پر گری تھی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ جب ہادیؐ تقریر کے لئے کھڑے ہو کر مجمع کو خطاب کرنا چاہتے تھے تو ابولہب اعتراض کرتا تھا۔ فقال لہٗ ابوطالبؑ اسکت یا اعور ما انت وھذا؟" ـــــ ناگہاں شیر دھاڑا "چپ رہ! اے کانے، تجھ سے کیا واسطہ؟ ابوطالب نے اعلان کر دیا "خبردار اب کوئی کھڑا نہ ہو جب سب بیٹھ گئے تو اپنے لاڈلے بھتیجے سے بولے قم یا سیدی فتکلم بما تحب وبلغ رسالۃ ربک فانک الصادق المصدق[۱۴] "میرے سردار! کھڑے ہوئیے اور جو چاہتے ہیں کہیئے اور حکم الٰہی کی تبلیغ کیجئے، بیشک آپ صادق بھی ہیں مصدق بھی۔"

ابوطالبؑ کے فقرے نہ تھے بلکہ تصدیق رسالت اپنے کمال معراج پر تھی یہ پہلا اعلان جنگ تھا جو ابوطالب نے کیا، محمدؐ کی اطاعت کا پہلا معرکہ تھا جو سر ہوا، قول و عمل کی مطابقت کا پہلا معجزہ تھا جو ظاہر ہوا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پہلا موثر آوازہ تھا جو اس وقت ابوطالبؑ کے لبوں سے اس دور میں نکلا ـــــ طوفان بدتمیزی کا جب انسداد ہو چکا، بوڑھے سردار کی للکار نے جب مجمع کو "باادب باملاحظہ ہوشیار" کا سبق دیدیا تو ایک بار نبوت کے معجزنما ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔

"تم میں سے کون ایسا ہے جو میرے بار کو سنبھال لے میرا مصاحب اور وزیر بنے کسی نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ تعجب شک و شبہ اور نفرت کی یہ مہر خاموشی علیؑ کی بے تاب جرأت سے ٹوٹی وہ اس وقت چودہ سال کے تھے "اے خدا کے رسولؐ! میں حاضر ہوں۔ جو آپ کے خلاف کھڑا ہوگا میں اس کے دانت توڑ دونگا۔ اس کی آنکھیں نکال لونگا، اس کی ٹانگیں توڑ دونگا اور پیٹ پھاڑ دوں گا یا رسول اللہ! میں آپکا وزیر ہونگا آنحضرتؐ نے ان کی اس پیش کش کو جوشِ مسرت سے قبول فرمایا اور لوگوں نے ابوطالب سے طنزاً کہا لیجئے اب اپنے فرزند کی تابعداری کیجئے۔[۱۵]

علامہ ابن سعد واقدی لکھتے ہیں کہ جب لوگوں نے ابوطالبؑ کو طعنہ دیا اور کہا یا اباطالب الا تری ابنک؟ قال دعوہ فلن یالوا ابن عمہ خیرا[۱۶] ابوطالب اپنے لڑکے کو دیکھتے ہو؟ ناصر رسول بولا انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو یہ اپنے ابن عم کے بارے میں کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جو کچھ کریںگے اچھا ہی کریں گے۔

اس طرح باپ اور بیٹےؑ کی نگرانی، انتظام اور حمایت و حفاظت میں تاریخ اسلام کا عظیم الشان سہ روزہ اجلاس بخیر و خوبی ختم ہوا۔ تاریخ میں اس اجلاس کا نام "دعوت ذوالعشیرہ" ہے۔ اجلاس ذوالعشیرہ میں نبوت و وصایت کا اعلان ایک ساتھ ہوا۔

وفود قریش ابوطالب کی خدمت میں:-

مسلم اور غیر مسلم تمام مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ کہو نجات مل جائے گی" کی صداؤں سے مکہ کی گلیاں عکاظ کے میلے اور ذوالمجنہ والمجازہ کے بازار گونج اٹھے۔ کافر کو لات اور منات ہبل اور عزیٰ کی خدائی ڈانواڈول اور اپنی مذہبی ٹھیکیداری کو عظیم خطرہ محسوس ہوا لہذا وفد کی شکل میں

---

[۱۴] الغدیر الامینی جلد ۷ ص ۳۵۵ و نہایہ ابن اثیر لغت عور ۔

[۱۵] عروج اسلام ترجمہ زوال سلطنت روما از گبن ص ۳۲

[۱۶] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۲۵ طبع لیدن بریل سنہ ۱۳۲۲ھ
تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱۶

وہ لوگ جناب ابوطالبؑ کی خدمت میں آنحضرتؐ کی شکایت لیکر پہونچے جہاندیدہ سردار عرب نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا ——— جب دوسری بار وفد آیا تو کافروں کے سامنے آنحضرتؐ کو بلا کر ابوطالبؑ نے فرمایا "یہ لوگ تمہاری تبلیغ کو ناپسند کرتے اور اس کی شکایتیں لائے ہیں" لیکن جب محبوب بھتیجے کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو فرمایا "میں بہر حال تمہاری نصرت و حمایت کروں گا تم اپنی تبلیغ جاری رکھو" ——— اور جب تیسری بار وفد آیا تو عمارہ بن ولید نامی ایک لڑکے کو لیکر آیا اور جناب ابوطالبؑ سے خواہش کی گئی کہ آپ اس کو لے لیں اور محمدؐ کو ہمیں دیدیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ ابوطالبؑ بولے "کیا خوب انصاف ہے میرے بچے کو تم قتل کر دو اور تمہارے لڑکے کی میں پرورش کروں"؟ غرض اس مرتبہ وفد پھر ناکام واپس گیا اور یہ طے کر گیا کہ اب انکے پاس آنا بیکار ہے چوتھی بار وفد براہ راست سرور عالم سے ملا اور اس نے آنحضرتؐ کو دولت، عورت اور حکومت کی لالچ دی۔ مگر اس دفعہ بھی وفد کو ناکامی و حرماں نصیبی کا منہ دیکھنا پڑا مزید یہ کہ حبشہ میں مہاجرین کو جن کے قائد ابوطالبؑ کے لخت جگر جعفرؑ تھے نجاشی نے رہنے کی اجازت دیدی اور کفار قریش کا وفد جس کا لیڈر عمرو عاص تھا اپنا سا منہ لیکر واپس آ گیا اور ادھر نہایت زور و شور کے ساتھ اسلام کی تبلیغ جاری تھی حتیٰ کہ حمزہ شہید اسلام بھی مسلمان ہو گئے۔ کفار مکہ کی نظروں میں عالم تاریک ہو گیا غصہ میں وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچتے کیونکہ ہادیؐ کو گزند نہیں پہونچا سکتے تھے ابوطالب جیسا شیر ان کی حفاظت کر رہا تھا۔

ضعیف سردار عرب کا سپاہیانہ تیور۔ ایک بار ہادیؐ ایک دن اور ایک رات گھر سے باہر رہے اتنی سی بات ابوطالبؑ کی پریشانی کے لئے کافی تھی فریاد کرنے لگے "وا ولداہ" ہائے میرے لال، ان کو خیال گذرا کہیں دشمنوں نے قتل نہ کر دیا ہو، ہاشمی جوانوں اور غلاموں سے کہا "ہتھیار لگا کر کپڑوں سے چھپا لو اور چلو دار الندوہ میں تم میں کا ایک ایک آدمی ایک ایک سردار کے برابر بیٹھ جائے میں محمدؐ کو تلاش کرنے جا رہا ہوں پھر وہیں واپس آؤں گا۔ اگر تم لوگ محمدؐ کو میرے ہمراہ دیکھو تو خیر ورنہ تلوار سے ایک ایک کا سر اڑا دینا۔"

تلاش کرتے ہوئے چلے تو ایک مقام پر ہادیؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا فرط محبت سے اپنے کو ان پر گرا دیا اور چومنے لگے پھر ہمراہ لے کر دار الندوہ گئے تو کسی نے پوچھا کیسے زحمت کی؟ جواب دیا کہ میرا یہ ارادہ تھا کیونکہ میرا بھتیجہ کل سے غائب تھا۔ کسی نے پوچھا هل کنت فاعلا؟ کیا واقعی ایسا کر گذرتے ابوطالب نے حلفیہ کہا۔ ای ورب هٰذه وادی الی الکعبة۔ ہاں رب کعبہ کی قسم ایسا ہی کرتا مطعم بن عدی نے پوچھا کیوں ابوطالب ارے ہم سب کو مار ڈالتے؟ ناصر رسولؐ نے نہایت یقین و اطمینان کے ساتھ جواب دیا "ہاں ارادہ بالکل یہی تھا"۔ اور پھر چیلنج دیتے ہوئے گہر افشاں ہوئے۔ واللہ لن یصلوا الیک بجمعهم ——— حتیٰ اوسد فی التراب دفینا۔[1]

اللہ کی قسم یہ قریش سب کے سب مل جل کر بھی اس وقت تک تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے جب تک ابوطالب کے دم میں دم ہے۔

ایک اور واقعہ :- آخری بار جب کفار خشمگین واپس ہوئے تو اس رات کو ابوطالبؑ نے ہادیؐ کو نہیں پایا۔ تمام تلاش کرنے کے باوجود ہادیؐ نہ ملے تو ابوطالب کی

---

[1] الغدیر الامینی جلد ۷ ص ۳۵۱

پریشانی بڑھی اور آج بھی سارے سرداران قریش کے قتل کا منصوبہ تیار کیا جب باہر برآمد ہوئے تو زید نے پریشان دیکھ کر پوچھا قریشی سردار خیریت تو ہے؟" ابوطالبؑ نے جواب دیا "میرا بھتیجہ غائب ہے کہیں دیکھا تو نہیں"۔ زید نے جواب دیا میں نے ان کو ابھی فلاں مقام پر چھوڑا ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں اطمینان سے بیٹھئے۔ ابوطالب نے جواب دیا لا ادخل بیتی ابدا حتیٰ اراہ۔ جب تک میں انھیں دیکھ نہ لوں گا گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ جب آنحضرتؐ مل گئے تو ابوطالبؑ کو اطمینان ہوا دوسرے دن ہادیؐ کے ہمراہ دارالندوہ پہونچے اور صنادید قریش سے اپنے آہنی عزم وارادہ کا برملا اظہار کیا۔ فانکسر القوم وکان اشدھم انکسارا ابوجھل۔ تو پوری قوم خوف وہراس سے پریشان ہوگئی اور ابوجہل کی حالت تو ناگفتہ بہ تھی[18]

ابن زبعری سے انتقام:- ہادی عالمؐ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل کی ایماء پر ابن زبعری ملعون نے اوجھڑیوں کی نجاست طٰہٰ کے جسم پر ڈال دی آنحضرتؐ وہاں سے اٹھے اور چچا سے آکر شکایت کی فقام ابوطالب ووضع سیفہ علیٰ عاتقہ ومشیٰ معہ حتیٰ اتی القوم۔ ابوطالب یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہوگئے تلوار کو کاندھے پر رکھا اور ان لوگوں کے پاس جب پہونچے تو انھوں نے بھاگنا چاہا، ابوطالبؑ نے ڈانٹ کر کہا۔ خبردار جس نے حرکت کی اس کا سر قلم کروں گا ابوطالب کے رعب وجلالت سے مرعوب ہو کر سب بیٹھ رہے۔ جناب ابوطالب نے پوچھا "بیٹا بتاؤ تم پر کس نے نجاست پھینکی تھی"۔ ہادی عالمؐ نے ابن زبعری کا نام بتایا پھر کیا تھا جناب ابوطالبؑ نے پہلے تو اس کی ناک دبائی پھر ویسی ہی نجاست اس کے چہرے پر مل دی۔ (اور بعض روایتوں کے مطابق) سب کے چہرے پر نجاستیں مل کر ان سب کو نہایت برا بھلا کہا اور سخت سست سنایا[19] صنادید قریش کی سرکوبی کے لئے خود تیار اور مکہ کے کافر شریر بچوں کے لئے اپنے لخت جگر علیؑ کو لگا دیا اس طرح ہادیؐ کو ابوطالبؑ نے اپنی حفاظتوں کے حصار میں رکھ کر تبلیغ اسلام کے لئے بجملہ خطرات سے محفوظ ومصون کر دیا۔

ترک موالات کا تحریری معاہدہ:- شرارت پسند اور موذی کفار اب پیچ وتاب کھا کے رہ جاتے ہیں ہادیؐ کا مذاق اڑانے والی زبانیں گنگ، اور اذیت دینے والے ہاتھ شل ہوگئے پیغمبر امنؐ نہایت آزادی سے تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ ابولہب، ابوجہل، عتبہ، عقبہ، شیبہ ولید اور ابن زبعری وغیرہ کا اب کوئی خوف نہیں، شفیق اور بہادر چچا کی حفاظت میں ہیں ان کے شریر بچوں کی پروا نہیں ساتھ میں علیؑ موجود ہیں۔

اس لئے کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر ترک موالات کا پروگرام بنایا جب مرد وزن سب راضی ہوگئے تو ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں لکھا تھا کہ "بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلبؑ سے تعلقات ختم، ان سے شادی بیاہ، لین دین، خرید وفروخت اور بات چیت قطعی نہ کی جائے اور ان سے ہرگز صلح نہ کی جائے حتیٰ یسلموا رسول اللہ للقتل یہاں تک کہ عاجز آکر وہ لوگ محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم انھیں قتل کر دیں[20]

شعب ابی طالب کی سہ سالہ قید:- شوشل بائیکاٹ کے بعد

---

[18] طبقات ابن سعد واقدی جلد ا طبع لیدن ص ۱۳۵۔

[19] الغدیر جلد ۷ ص ۳۵۹

[20] روضۃ الاحباب جلد ا ص ۱۲۷، مواہب لدینہ جلد ا ص ۶، روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۸۵

سردارِ مکہ اپنے پورے خاندان کو لیکر شعب میں آگئے اور مکمل تین سال اس قیدِ سخت کی زندگی ابوطالبؑ نے گذار دی مگر ہادیؐ کی حفاظت وحمایت سے دست بردار نہیں ہوئے۔

ابوطالبؑ اور ان کے ساتھیوں (جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے) پر کیا گذر گئی اسے خدا کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا ان تکلیفوں کا آج ہم ہلکا سا تصور بھی نہیں کر سکتے "بھوک سے تڑپ تڑپ کر رونے والے بچوں کی آوازیں اور فریادیں قریش کے در و بام سے ٹکراتی تھیں جسے وہ سن کر خوش ہوتے"۔[۲۱]

علامہ ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق تلاشِ آذوقہ کی ذمہ داریاں خاص کر جناب امیر علی بن ابی طالبؑ کے سپرد تھیں شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح (درخت کا نام) کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے"۔[۲۲]

فاقے کون کر رہا ہے، پتیاں کون کھا رہا ہے، ننھے ننھے بچوں کو بھوک اور پیاس سے تڑپتا کون دیکھ رہا ہے؟ سردارِ عرب ابوطالب۔ کیوں، کس جرم میں، سردار سے کون سی خطا ہو گئی؟ ہادیٔ عالمؐ، محبوبِ خدا، مبلغِ اسلام، آمنہ کے لال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جرم ہے، خطا ہے، قوم سردار سے ناخوش اس لئے ہے کہ وہ محمدؐ کی حفاظت کیوں کرتے ہیں۔

میرا دل چاہتا تھا کہ اس مقام پر میں رک کر علامہ شبلی سے صرف یہ پوچھ لیتا کہ "جناب جب ہادیؐ تین سال تک قید میں رہے اس موقع پر آپ کے "اسلامی مہر و ماہ" کہاں تشریف رکھتے تھے۔ کیا ان لوگوں کو خبر نہ تھی کہ مکہ کا اشرف ترین خاندان سنگدل اور بے رحم کافروں کی قید میں ہے"؟

تبلیغ بدستور جاری رہی:- ناقابل برداشت اذیتوں کے باوجود جناب ابوطالبؑ کی سرپرستی میں کارِ تبلیغ جاری رہا۔ قدیم سیرت نگار ابن ہشام کا بیان ہے کہ: ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا قومہ لیلا ونہارا سرا وجہارا منادیا بامر اللہ لا یتقی فیہ احدا من الناس۔ ہادیٔ عالمؐ لوگوں کو صبح و شام پوشیدہ طور پر بھی کھلے عام بھی (جیسا موقع ہوا) اللہ کے حکم سے دعوتِ حق دیتے رہے اور اس سلسلہ میں کبھی کسی کی کوئی پرواہ نہیں کی"۔[۲۳] —— یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی یہ کشتی "سردارِ عرب" "مومنِ قریش" ابوطالبؑ کی محنت و ریاضت اور حفاظت و حمایت کی بدولت خود ابوطالبؑ کی ثروت و سیادت اور جاہ و حشمت کے خون کی لہروں پر چل رہی تھی —— ابوطالب نے پیغمبرِ خدا اور ان کے مشن کی محبت میں اپنی خاندانی سروری، سرداری اور ساری رشتہ داریوں کو ختم کر دیا تعلقات کا گلا گھونٹ دیا۔

سالِ قید رہائی:- ایک دن ہادیؐ نے اپنے ناصر و محافظ سے کہا "چچا جان جو معاہدہ کفار نے خانۂ کعبہ میں آویزاں کر رکھا تھا اللہ کے حکم سے اسے دیمک کھا گئی جہاں جہاں اللہ کا نام تھا بس وہی جگہیں محفوظ ہیں"۔ نبی کا ناصر، اسلام کا غازی، کعبہ کا محافظ، حرم کا متولی، زمزم کا مالک اور خلیل کا وارث شعب سے باہر نکلا، بستی کا رخ کیا، کفار نے دیکھا عرب کا بوڑھا سردار ہماری طرف آ رہا ہے مسلسل

---

[۲۱] زاد المعاد ابن القیم جلد ۱ ص ۲۹۹، روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۱۳۷ ۱۲۹۷ھ۔

[۲۲] سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۱۷۹

[۲۳] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۲

فاقوں نے ضعف میں کافی اضافہ کر دیا، نقاہت بہت زیادہ پیدا ہوگئی ہے مگر تیور سے اب بھی اسدالٰہی برس رہی ہے کفار سمجھے ابوطالب قید سے گھبرا گئے ہیں۔ فاقوں سے اکتا گئے ہیں وہ ہمارے سامنے ہتھیار ڈالنے اور محمدؐ کو ہمارے حوالے کرنے آرہے ہیں ــــ اسلام کا نڈر ساونت قریب پہونچا اور سلطانی لہجہ میں گویا ہوا "میرے لال نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے تحریر کردہ عہد نامہ کو دیمک کھا گئی صرف لفظ اللہ کو چھوڑا ہے۔ ان ابن اخی قد اخبرنی ولم یکذبنی قط۔ مجھے یہ اطلاع میرے بھتیجے نے دی ہے جو کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔ لوگو! اب اپنے ظلم سے باز آجاؤ یقین کرو اگر یہ بات غلط ہے تو میں درمیان سے ہٹ جاؤنگا پھر تمہیں اختیار ہے انھیں قتل کرو یا زندہ رکھو"۔

جب عہد نامہ دیکھا گیا تو واقعی اس کو دیمک نے صاف کر دیا تھا صرف لفظ اللہ کو چھوڑا تھا۔ مگر خدا برا کرے شقاوت وعداوت کا۔ کہنے لگے "یہ تو تمہارے بھتیجے کا جادو ہے"۔ ابوطالب نے شیرانہ گرج کے ساتھ پوچھا! "تم نے ہمیں کیوں محصور کر رکھا ہے۔ اب تو تم لوگوں سے قطع تعلق ہونا چاہیئے" یہ کہہ کر کعبہ کا پردہ پکڑ کر خدا سے فریاد کی "مالک تو ہماری نصرت کر" محمدؐ کا ناصر خدا! سے نصرت کا طالب تھا ابھی دعا ناتمام تھی کہ خود کافروں میں دو رائے ہوگئی نتیجہ میں عہد نامہ چاک کر دیا گیا[24] ظلم کے بادل چھٹ گئے، ستم کے حصار ٹوٹ گئے، جناب ابوطالب پورے قافلہ کو (جس قافلہ میں خدیجۃ الکبریٰ اور ان کی گود میں معصومہ سیدہ بھی ہیں) لیکر شہر میں واپس آئے۔

ناصر رسولؐ موت کی آغوش میں:- قید سے رہائی کے بعد ۲۶ ر رجب سنہ بعثت کو یا بروایتے آخر سال دہم میں وفات پائی[25] ابوطالبؑ نے آنکھیں بند کیں اور کفار مکہ کی آنکھیں روشن ہوگئیں ہادی عالمؐ کے گھر کا روشن چراغ گل ہوگیا اور کافروں کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن ہوگئے وہ گود نہ رہی جس میں ہادیؐ کو آرام ملتا تھا، وہ تلوار نہ رہی جو حفاظت کرتی تھی، وہ قلعہ نہ رہا جس میں ہادی خود کو مامون و محفوظ سمجھتا تھا، وہ پناہ گاہ نہ رہی جس نے ہادی کو پناہ دی تھی اور وہ محترم بزرگ اور شفیق مربی نہ رہا جو دل بڑھاتا تھا۔

کفیل نبوت کا جنازہ:- مجاہدانہ سرفروش کا جنازہ، اسلام اور ہادیؐ کے ناصر و محافظ کا جنازہ مسلمانوں کے کاندھوں پر اٹھا اور نبی برحق، ہادی عالمؐ، محسن اسلام کے غم میں نوحہ پڑھتا ہوا چلا "یا عم! ربیت صغیرا وکفلت یتیما ونصرت کبیرا فجزاك اللہ عنی خیرا" اے میرے چچا! میں چھوٹا تھا تو آپ نے میری پرورش کی، میں یتیم تھا تو آپ نے میری کفالت کی اور جب میں بڑا ہوگیا تو آپ نے میری نصرت وحمایت کی۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے"[26]

سرورِ عالمؐ کی بیقراری:- جناب ابوطالب کی موت کا آنحضرتؐ پر اتنا اثر ہوا کہ اس سال کا نام ہی آپ نے "عام الحزن" رکھ دیا، رنج والم اور غم سے نڈھال ہوگئے[27] بیشہ ہاشمی کا شیر قبر میں سوگیا۔ زمین، رسول اور اسکے ناصر حقیقی کے درمیان حائل ہوگئی، قریش کے وحوش اٹھنے لگے کیوں؟ اس لئے کہ اب شیر کی ڈکار سنائی نہیں دیتی، اب راستہ

---

[24] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص۱۴۰، سیرت حلبیہ جلد ۱ ص۳۴۴، سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص۳۲۰

[25] مرقع اسلام ص۴۷

[26] تاریخ ابن واضح جلد ۲ ص۲۶، الغدیر جلد ۷، ص۳۷۳ روضۃ الصفا جلد ۲ ص۲۸۸۔

[27] روضۃ الصفا جلد ص۲۸۸۔

جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا اللہ اس کے لئے کافی ہے (ارشاد الٰہی)

خالی ہوگیا ہے، زمین ہموار اور فضا سازگار ہوگئی ہے مختلف قسم کی اذیتوں طرح طرح کی زحمتوں تمسخر و اہانت کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ [۲۸]

مکہ رہنے کی جگہ نہیں رہا جبرئیل کا اعلان:- علامہ ابن الحدید معتزلی سنی لکھتے ہیں

کہ "مشہور اور صحیح حدیث ہے کہ جس شب ناصر محمدؐ نے انتقال فرمایا اس رات جبرئیل امین نے آنحضرتؐ سے آکر کہا" اخرج منہا فقد مات ناصرک " آپ کا ناصر مددگار مر گیا اس لئے مکہ چھوڑ دیجئے"۔ [۲۹]

اسلام کے سر پر ابوطالب کا احسان:- جن تکالیف و مصائب اور شدائد و آلام کے ہمالیہ ٹکرا کر جناب ابوطالب نے پیغمبر خدا اور ان کے مشن کی امداد فرمائی ہے اس کا احساس غیروں کو بھی ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں "ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جاں نثاریاں کیں ان سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو دشمن بنالیا آپ کی خاطر محصور رہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا —— کیا یہ محبت یہ جوش یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ [۳۰]

ڈپٹی، حافظ نذیر احمد لکھتے ہیں" جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گو انھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو بجا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے۔ اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے ان کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔ الٰہی صدقہ اپنے پیغمبر کا ابوطالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب"۔ [۳۱]

علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ "جن لوگوں کی علوم سیر پر نظر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ ان الاسلام لولا ابوطالب لم یکن شیئاً مذکورا۔ اگر ابوطالب نہ ہوتے تو یقیناً دنیا میں اسلام کا کوئی وجود نہ ہوتا" [۳۲] یعنی اسلام نصرت ابوطالب کا مرہون کرم ہے۔

ابوطالب کے بعد کیا ہوگا:- جناب عبد المطلب جب دنیا سے جا رہے تھے تو ان کو فکر دامنگیر تھی" میرے بعد محمدؐ کا کیا ہوگا؟" اسی لئے ابوطالب کے حوالے کر کے گئے۔ اب جبکہ ابوطالبؑ نے انتقال فرمایا تو کیا جانشین عبد المطلب کو" میرے بعد محمدؐ کا کیا ہوگا"۔ کی کوئی فکر نہیں تھی جبکہ وہ ہادیؐ کو خطرات کے طوفانوں میں چھوڑ کر جا رہے تھے؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوا۔

ابوطالبؑ کی وصیت:- شفیق مربی، ناصر اور محافظ رسول جواب اس دنیا سے جا رہے ہیں بستر بیماری کے گرد اہل خاندان کو جمع کر کے فرماتے ہیں" یا معشر بنی عبد مناف اطیعوا محمدا و صدقوہ تفلحوا و ترشدوا۔" اے بنی عبد مناف! محمدؐ کی اطاعت کرو ان کی باتوں کو مانتے رہو (اس میں بھلائی ہے) تم کامیاب و کامران ہو گے۔ [۳۳]

باقی صفحہ ۴۶ پر

---

[۲۸] ابوطالب مومن قریش ص ۲۰۱

[۲۹] شرح نہج البلاغہ جلد ۲ جز رابع عشر ص ۱۶۰

[۳۰] سیرت النبیؐ جلد ۱ ص ۱۸۱

[۳۱] امہات الامہ ص ۷۹ منشی پریس دہلی۔

[۳۲] شرح نہج البلاغہ جز اول ص ۲۸ قبل خطبہ شقشقیہ

[۳۳] تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۴۴۹، سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۲۶۲، ابن سعد جلد ۱ ص ۷۷

اللہ پر بھروسہ کرنیوالا کسی کا محتاج نہیں۔

خبردار! احسان جتا کر اور تکلیف دہ الفاظ ادا کر کے احسان کو ضائع نہ کرنا (ارشاد الٰہی)

سید اولاد حیدر فوق بلگرامی مرحوم

پیغمبر اسلامؐ اور انتظام مملکت

جناب رسالت مآبؐ کی نبوت کے اصلی مقاصد۔ مذہب کی دعوت دینیات کی تعلیم اخلاق کی درستی ــــ مراسم ذمیم کی اصلاح اور نفوس کا تزکیہ تھے ان کے علاوہ اور جو فرائض نبوت اور لوازم رسالت تھے وہ سب ضمنی تھے۔ اس بنا پر آں حضرتؐ نے انتظام ملکی اور نظام سیاسی اسی حد تک جاری فرمائے جہاں تک ملکی بدامنی اور فتنہ خیزی کے باعث اسلام کی دعوت توحید کے لیے دشواریاں پیدا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی ذہن نشین کرالینا چاہیے کہ یہ کام اور انتظام بھی بہت دشوار تھا اسلام کے زمانہ تسلط اور ایام امن و امان میں بھی باوجودیکہ سن شریف ساٹھ برس کا ہوچکا تھا لیکن حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ والیان و عمالان ملکی کا تقرر موذنین اور مبلغین کا تعین محصلین زکوٰۃ جزیہ کا انتخاب غیر قوموں سے معاہدہ صلح قبائل اسلامی میں تقسیم جائداد۔ آراستگی فوج۔ ترتیب لشکر تنازعات اور مقدمات کے فیصلے۔ قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد وفود کے لیے تعین وظائف قرآن۔ رسالت کا اجرا نومسلم قوموں کے انتظامات۔ مسائل شرعیہ میں فتاویٰ کا نفوذ۔ جرائم کے لیے اجرائے تقریر۔ ملک و قوم کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات عمال ملکی کے طرز عمل کی خبرگیری اور احتساب النفس آپ ہی سے متعلق تھے ہاں یہ ضرور تھا کہ دور دراز علاقوں میں متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے جاتے تھے لیکن مدینہ اور حوالی مدینہ کے فرائض بنفس نفیس خود انجام فرماتے تھے عبداللہ ابن شفیق کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ سے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے انھوں نے کہا ہاں لیکن اس وقت جب آپ کو لوگوں نے چور چور کر دیا تھا۔

چھوٹے چھوٹے اور معمولی غزوات و سرایا کی سپہ سالاری اکابر صحابہ کو تفویض فرمائی جاتی تھی لیکن بڑے بڑے معرکوں میں امارت و قیادت لشکر خود فرمائی جاتی تھی چنانچہ بدر۔ احد۔ خندق خیبر فتح مکہ اور تبوک میں خود آپ ہی امیر العسکر تھے اس امارت فوج کا مقصد صرف فوجوں کا آپس میں لڑانا اور فتح و ظفر پانا ہی نہیں تھا بلکہ فوج کے عام اخلاقی اور روحانی حفاظت و نگرانی بھی تھی چنانچہ معرکہائے جنگ میں آپ نے مجاہدین اسلام کی جن معمولی سی معمولی اور جزوی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے

احسان کا بدلہ اللہ سے مانگو بندہ سے نہیں

اے نوح: تمہارا بیٹا تمہارے اہل و عیال میں نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں (ارشاد الٰہی)

وہ کتب حدیث فقہ میں بتصریح مذکور ہے اور اسلامی قانون جنگ اسی دار و گیر کے سبب سے وجود پذیر ہوا ہے۔

افتاء:

عہد رسالت میں اکثر صحابہ بھی فتوے دیتے تھے مگر علی الاکثر آپ ہی اس کام کو انجام دیتے تھے فتویٰ دینے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا بلکہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے غرض جس وقت جو شخص احکام اسلام کے متعلق آپ سے سوالات کرتا تھا آپ اس کا جواب دے دیتے تھے۔

فصل قضایا:

عہد مبارک میں قضا کا منصب قائم ہو چکا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام قاضی یمن مقرر ہو چکے تھے اور آپ کے قابلانہ فیصلوں کے نتیجہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے اقضا کم علیا کا خطاب آپ کو مل چکا تھا۔

معاذ ابن جبل بھی یمن کے کسی دوسرے علاقہ میں قضا کے عہدے پر مامور ہو کر بھیجے گئے تھے مگر با اینہمہ خاص مدینہ کے اور اس کے مضافات کے تمام مقدمات کا فیصلہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمایا کرتے تھے اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں تھی. بخاری نے ایک علاحدہ باب لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے

باب ما ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لم یکن لہ بواب

(یعنی باب اس ذکر کا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تھا)

اس لیے دولت سرا کے اندر بھی مقدمات فیصل ہوا کرتے تھے۔ خواتین کے معاملات عموماً بیت الشرف کے اندر ہی پیش ہوتے تھے احادیث کی کتابوں میں آپ کے ان فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر وہ اکٹھا کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد بن جائے گی فقہ و حدیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص میں فوجداری کے معاملات مذکور ہیں۔

توقیعات و فرامین:

یہ ایک مشکل کام تھا عہد مقدس میں اور صیغوں کے لیے کوئی دفتر قائم نہیں ہوا تھا لیکن توقیعات و فرامین کے صیغہ کی ابتدائی شکل آپ کے زمانہ حیات، ہی میں قائم ہو چکی تھی حضرت زید ابن ثابت اس عہدے پر مامور کیے گئے تھے ان کے علاوہ اور صحابہ سے بھی وقتاً فوقتاً یہ کام لیا گیا ہے۔

آنحضرتؐ نے سلاطین و ملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط لکھے۔ غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدے کیے۔ مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے عمال اور محصلین زکوٰۃ کو جو تحریری فرامین عنایت کیے۔ فوج کا رجسٹر مرتب کرایا بعض صحابہ کو جو حدیثیں لکھوا دیں وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام و فرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

مہمانداری:

اکرام ضیف آپ کی فطرت صالحہ و مقدسہ کا لازمہ تھا۔ ہر قسم و ضرورت کے مہمان حاضر خدمت ہوتے تھے۔ جن میں علی الاکثر ہدایت ایمان پانے کی غرض سے باریاب خدمت ہوا کرتے تھے۔ مہمانوں کا انتظام

نجات رشتہ پر نہیں عمل پر موقوف ہے

جس کی حقیقت تمھیں نہیں معلوم اسکا مطالبہ ہم سے نہ کرو (ارشاد الٰہی)

حضرت بلال کے متعلق کر دیا گیا تھا۔ جب کوئی نادار مسلمان حاضرِ خدمت ہوتا تھا اور آپ اس کا جسم عریاں دیکھتے تو بلال کو حکم دیتے وہ قرض لے کر مہمان کے کھانے پینے کا انتظام کر دیتے جب کہیں سے کچھ مال آجاتا تو وہ قرض فوراً ادا کر دیا جاتا تھا۔ اکثر ہدیہ کی رقمیں بھی اسی میں صرف کر دی جاتی تھیں۔ تمام صحابہ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم اس سے وصول ہوتی وہ مفلوک الحال اور نادار مہاجرین کی استمداد میں خرچ ہوتی چنانچہ ایک دفعہ نادار مہاجرین کی ایک جماعت خدمت مبارک میں حاضر ہوئی۔ جن میں سے ہر ایک شخص کے پاس صرف ایک چادر تھی اور ایک تلوار سب کے گلے میں حمائل تھی۔ اس کے سوا کسی کے پاس دوسرا لباس نہیں تھا۔ آپ ان کے یہ پریشان حال دیکھ کر ازحد ملول ہوئے۔

فوراً حضرت بلال سے اذان دلوائی لوگ جمع ہوئے تو نماز پڑھائی نماز کے بعد صحابہ کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی اس کا یہ مفید اثر ہوا کہ ایک انصاری نے فوراً ایک توڑا آپ کی خدمت میں حاضر کیا وہ اس قدر بھاری تھا کہ ان سے بمشکل اٹھ سکتا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام اہل اسلام میں ایثار کا جوش خاص پیدا ہو گیا اور چشم زدن میں ان کے سروسامان مہاجرین کے آگے غلے اور کپڑے کا انبار لگ گیا فتح مکہ کے بعد تمام اطراف سے ملکی اور مذہبی وفود آنے لگے ان کی مہمانی اور ضیافت میں بنفس نفیس اہتمام کیا جاتا تھا حسب ضرورت ان کو وظائف بعد سفر کے اخراجات عنایت فرمائے جاتے تھے تمام اقوام وقبائل پر اس کا بڑا اثر پڑتا تھا اور آپ کو اس کار خیر کی اس قدر یاد منصور تھی کہ وقت وفات کی آخری وصیتوں میں اس کی تاکید ان الفاظ میں ارشاد فرمائی گئی۔

اجیزوا الوفود بنحو ماکنت اجیزہم

(جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرو)

ملا مجلسی عین الحیات میں لکھتے ہیں:

> معتبر اسناد کے ساتھ جناب رسول خدا سے منقول ہے کہ جو شخص کسی گرسنہ مومن کو کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو میوہائے بہشت کھلائے گا اور جو کوئی کسی برہنہ تن مومن کو کپڑے پہنائے خداوند عالم اس کو بہشت کے حلہائے استبرق پہنائے گا اور جب تک کہ اس کا لباس کا ایک تار اس مومن کے بدن پر باقی رہے گا۔ ملائکہ اس پر صلوٰۃ بھیجتے رہیں گے اور جو شخص کسی مومن کو پانی پلائے گا حق تعالیٰ اس کو بہشت میں سربمہر جام ہائے آپ عنایت فرمائے گا اور جو کوئی کسی مومن کی اعانت کرے گا اس کا کوئی فکر وغم زائل کرے گا۔ حق تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔ اس روز سوائے سایہ عرش کے اور کہیں سایہ نہ ہوگا۔

عیادت مرضیٰ اوپر بھی بیان ہو چکا ہے کہ مریضوں کی عیادت یا ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت ہمیشہ کی جاتی

مصلحت حاکم جانتا ہے۔ محکوم کا فرض تعمیل حکم ہے۔

تھی اور یہ ایک مذہبی فرض تھا جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے یہ دستور کر لیا جب کوئی شخص حالت احتضار میں ہوتا تو آں حضرتؐ کو اطلاع دیتے آپ جاکر مریض کے لیے دعائے مغفرت کرتے بعض موقع پر لوگ آپ کو اس لیے بھی لے جاتے تھے کہ مریض صحابہ اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے۔ آں حضرتؐ ایسے موقع پر اس کا صحیح طریقہ بتلاتے تھے جن لوگوں پر قرض آتا تھا ان کے جنازہ میں آپ شریک نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کے ورثا یا دوسر صحابہ کو ان کا قرض ادا کر دینا ہوتا تھا اور اسی سے آئندہ بہت سے معاملات اور نزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں اس کی اکثر مثالیں ملتی ہیں۔

احتساب:

قوم کے اخلاق و عادات بیع و شرا اور معاملات کی نگرانی احتساب میں داخل ہیں اس صیغہ کی نگرانی بالنفس النفیس خود فرمائی جاتی تھی عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی مدینہ میں تشریف لاتے ہی آں حضرتؐ نے ان اصلاحات کو جاری فرمادیا آپ نہایت سختی سے ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے اس پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔ بخاری کتاب البیوع میں ابن عمر سے منقول ہے۔ کہ میں نے آں حضرتؐ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اس جگہ بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔

بقیہ صفحہ ۴۲ کا

میں پیغمبر خیر و برکت کی نصرت کے لئے اپنے بیٹے علیؑ عباس، شیر بیشۂ شجاعت حمزہؓ اور جعفرؓ کو وصیت کرتا ہوں ان کا فرض ہے کہ ان سے دفاع کریں ——— میرے شیرو! میں تم پہ قربان! تم محمدؐ کے لئے ایک محکم سپر کے مانند بن جاؤ تمہارے ہاتھ میں ایسی چمکدار تلواریں ہوں کہ جو تاریکی شب میں مشعل راہ معلوم ہوں۔"[۴۴] ——— بیشۂ شجاعت کے شیروں نے جس لگن سے اسلام کی نصرت کی زمانہ اس سے خوب واقف ہے جب وقت آیا تو وصیت ابوطالب پر عمل کرتے ہوئے ان جانبازوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی ——— جعفرؓ نے بازو حمزہؓ نے کلیجہ اور علیؑ نے نہ صرف سر بلکہ اپنی پوری نسل کو قربان کر دیا۔

---

[۴۴] ابوطالب مومن قریش ص ۱۹۳ ۔

کتاب غدیر

تنظیم المکاتب "کتاب غدیر" پوری آب و تاب سے شایع ہو چکا ہے جس میں ملک و بیرون ملک کے ارباب قلم نے حصہ لیا ہے اور یہ نمبر اپنے مواد کے اعتبار سے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو زبان میں اب تک پورے برصغیر میں غدیر اور اس کے متعلقات پر ایسی جامع تالیف نہیں تھی جو خوبصورت ٹائیٹل چار رنگوں میں آفسٹ پر طبع ہوا ہے جن خریداران کے ذمہ ایک سال سے زیادہ کا چندہ باقی ہے ان سے گذارش ہے کہ چندہ روانہ فرمادیں تاکہ یہ نمبر ان کی خدمت میں بھیجا جا سکے۔

قیمت ۲۷ روپیے

(ادارہ)

احکام شریعت کی مخالفت کے ساتھ دعوائے محبت جھوٹا ہے

سید مظاہر علی واعظ

ہادیٔ عالمؐ کی زندگی کے آخری لمحات

ہادیٔ عالمؐ حضور سرورِ کائنات اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو پورا کر کے خالقِ کائنات سے تکمیلِ دین کی سند لے چکے اب رسالت کا آفتاب غروب ہونے والا ہے کیونکہ حضورؐ آخری حج کے موقع پر عرفات و منیٰ کے خطبوں میں امت کو اپنی موت سے خبردار کر چکے ہیں، آخر میں غدیر کے خطبے میں موت کی واضح خبر دے چکے ہیں اور رسولؐ کے طرزِ عمل اور مستقبل کے لیے واضح اعلان نے امت کو پورا پورا یقین دلا دیا تھا کہ اب ہادیٔ عالم سے زمانہ خالی ہو جائے گا تبلیغِ اسلام کے لیے تن من دھن کی بازی لگانے والا تحفظِ اسلام کے لیے روحانی و جسمانی طاقت صرف کرنے والا مصیبتوں کی چٹانوں کو توڑ کر شدائد کے طوفانوں کا رخ موڑ کر کفر و شرک کے اندھیروں کو چاک کر کے نورِ ایمان کی شمعیں روشن کرنے والا غربت و امیری کے امتیاز کو ختم کر کے مساوات و مواسات کا درس دینے والا، درندگی و سفاکی پر ناز کرنے والوں کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنے والا ہادی کا اب دنیا میں نہ رہے گا،

کسی قوم کے مصلح یا لیڈر کے حادثۂ موت پر ماننے والی قوم کے غم و اندوہ کا اندازہ حساس دل رکھنے والا آسانی سے لگا سکتا ہے، مرنے والے اور اس کے عزیز و اقارب سے محبت فطری تقاضا ہے، ایسے موقع پر دشمن بھی اظہارِ دشمنی ترک کر کے اظہارِ محبت پر مجبور ہو کر اپنی انسانیت و شرافت کا ثبوت فراہم کرتا ہے، اور ہمدردی و محبت کا اظہار اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جس وقت سے موت کا یقین ہونے لگتا ہے، ایسے انسان کی موت پر جس کا حلقۂ اثر غیر محدود اور عالمی ہو تو اس کے لیے یہ اظہارِ جذبات بھی غیر محدود ہو جاتے ہیں اور ایسی شخصیت سے متعلق کوئی بھی انسان غم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا،

ایسا انقلاب زمانے نے نہیں دیکھا کہ ہادی کے چشم و ابرو کے اشاروں پر چلنے والی قوم بیماری میں حکم کی مخالفت کرے اور ہادی کے سینہ پر خون بہانے کا جذبہ رکھنے والی قوم جنازہ میں شرکت کی روادار نہ ہو۔

یہ انقلاب وقتی جوش کا نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ ماننے والی قوم وقتِ آخر اپنے ہادی کی بیماری میں حکم کی کھلی مخالفت پر آمادہ ہو جائے، اور خبرِ موت سن کر اپنے ہادی کے دفن میں بھی شریک نہ ہو سکے، واقعات کی ترتیب اس نتیجہ پر پہونچا دیتی ہے کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس ہادی کی کھلی مخالفت اور ایذا رسانی پر امت آمادہ ہو گئی تھی جس کی زندگی کا ایک. ایک لمحہ امت کے مستقبل کی فکر میں گذر رہا تھا۔ ہادی کی مخالفت کسی ایک فرد کی جانب نہیں تھی بلکہ واقعات ایک پوری جماعت کی نشاندہی کرتے ہیں جس کے ارکان اور نمائندے رسولؐ کے گھر میں بھی موجود تھے جو ہادی عالم کی

فکر ہدایت کے مقابلہ میں اپنے حصول مقصد کے لیے کوشاں اور سرگرداں تھے جس کا ثبوت طبقات کبریٰ ج ۴ ص ۴۷ کے مطالعہ سے ملے گا۔ وَمرض رسول اللّٰہ فجعل یقول فی مرضہ انفذوا جیش اسامہ حتی بلغ الجرف فارسلت الیہ امراتہ فاطمہ بنت قیس فقالت لا تعجل فان رسول اللّٰہ ثقیل۔ فلم یبرح حتی قبض رسول اللّٰہ۔ یعنی رسول حالت مرض میں بار بار فرماتے تھے کہ لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کرو اس تاکید پر وہ جرف تک پہونچے مگر رسول کی زوجہ فاطمہ بنت قیس نے کہلا بھیجا کہ اسامہ ہرگز نہ جانا رسول بہت بیمار ہیں پس وہ نہ گئے یہاں تک کہ رسول کی وفات ہو گئی، عبارت سے واضح ہے کہ ایک حکم لشکر کی روانگی کا دیا گیا اور ایک حکم رکنے کا دیا گیا۔

رسول لشکر کی روانگی کا حکم دیتے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ رسول وقت آخر ان لوگوں کو اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور قطع نظر اس سے کہ زوجہ رسول کو رسول کے حکم کے مقابلہ پر حکم دینے کا اختیار تھا یا نہیں؟ یہ بات ضرور آشکار ہو جاتی ہے کہ سرگرم جماعت کے افراد کی مصلحت یہ تھی کہ وفات رسول کے وقت مدینہ نہ چھوڑا جائے۔

مسلمان اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ نبی اسلام کی قیادت اہلبیت کو سپرد کر چکے ہیں مگر دلوں میں حکومت و اقتدار کی تمنائیں کروٹیں بدل رہی تھیں اس لیے ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی اور اس کے لیے ایک مدت سے زمین ہموار کی جا رہی تھی اور اس کے لیے رسول کی مخالفت ضروری ہو گئی تھی، کیونکہ رسول کا مقصد واضح ہو چکا تھا جس میں اہلبیت کے علاوہ کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی، حضور کو وقت آخر بھی اسلام کے مستقبل کی فکر دامنگیر تھی اور چونکہ اسلام کا تحفظ اور بقا کا راز صرف اہلبیت کی قیادت میں مضمر تھا، اس لیے اعلان کے بعد قیادت اہلبیت مستحکم کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے تاریخی اقرار اور حالات بتاتے ہیں کہ اگر اس وقت رسول کی مخالفت نہ کی گئی ہوتی تو اسلام میں نہ اتنا عظیم انقلاب آتا نہ بعد رسول فتنہ برپا ہوتا جس کے اثرات آج تک دامن اسلام کو داغدار بنائے ہوئے ہیں اور جس طرح رسول اسلام کو مستقبل میں دیکھنا چاہتے تھے آج اسی طرح موجود ہوتا۔

جیش اسامہ:

مرض شروع ہونے سے ایک دن قبل رسولؐ نے لشکر کو مرتب فرمایا لشکر کی سرداری اسامہ بن زید کے سپرد کی حضرت علیؑ اور عباس کے علاوہ تمام مسلمانوں کو اسامہ کی ماتحتی میں روانہ ہونے کا حکم دیا گیا، مگر رسولؐ کی بار بار تاکید کے بعد حکم رسولؐ کی تعمیل نہیں کی گئی یہاں تک کہ رسولؐ کی وفات ہو گئی۔

لشکر کے بھیجنے کی غرض یہ بھی واضح ہے جس سے رسولؐ کے مقصد کی اور وضاحت ہو جاتی ہے ۸ھ میں رسولؐ نے زید بن حارثہ کی ماتحتی میں تین ہزار مہاجرین و انصار کا لشکر شام کی طرف حارث ابن نمیر کا بدلہ لینے کے لیے جو موتہ میں قتل کر دیئے گئے تھے روانہ کیا رسولؐ نے سردار اسی طرح مقرر فرمایا۔ کہ اگر زید قتل ہو گئے تو جعفر بن ابیطالب سردار ہوں گے اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو عبداللّٰہ بن رواحہ سرداری کریں گے مقام موتہ میں قیصر روم ہرقل کے لشکر سے اس لشکر کا مقابلہ ہوا، رسولؐ کے مقرر کردہ سرداروں کے شہید ہونے کے بعد لشکر کے قدم میدان سے اکھڑ گئے، اور مسلمان پسپائی کے ساتھ واپس ہوئے، اس شکست کا بدلہ لینے

کے لیے اسامہ بن زید کی ماتحتی میں یہ لشکر روانہ کیا جا رہا ہے۔

رسول کے حکم اور مسلسل تاکید کے بعد یہ لوگ لشکر گاہ تک جاتے تھے پھر واپس آجاتے تھے یہ ایسی مخالفت تھی کہ مزاج نبوت پر اس قدر گراں گذری کہ شدید مرض کے باوجود منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور مخالفت کرنے والوں پر لعنت کہی، حکم کی شدت اور رسولؐ کی مخالفت پر زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے الفاظ اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں حضور نے فرمایا جہزوا جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنھا ملل و نحل ج اول ص ۱۴ لشکر اسامہ میں جا کر روانہ ہو خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو مامور ہونے کے باوجود کنارہ کشی اختیار کریں، لشکر کی روانگی پر رسول کو کیوں اصرار تھا جبکہ اپنی موت سے باخبر ہی نہیں بلکہ پوری امت کو خبردار کر چکے ہیں اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں سمجھی جا سکتی کہ رسولؐ ان لوگوں کے ارادوں سے واقف تھے، اس لیے ایسے لوگوں کو کہ جن سے خطرہ محسوس کر رہے تھے اپنے قریب دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ جب کہ ہر مرنے والا چاہتا ہے کہ وقتِ آخر عزیز دوست احباب کا مجمع قریب رہے، جو دور ہوتے ہیں۔ انھیں بھی بلایا جاتا ہے اور ہادی عالم اپنے چاہنے والوں کو اپنے سے دور رکھنا چاہتے ہیں، لشکر اس سے پہلے بھی بھیجنے کا موقع تھا کیونکہ موتہ کی شکست کا بدلہ لینا تھا جس کے لیے رسولؐ نے اپنی وفات کا وقت منتخب کیا، جبکہ اس سے پہلے فتح مکہ غزوہ حنین و طائف و تبوک نصاریٰ سے معاہدہ حجۃ الوداع اور یہ تمام امور انجام پا چکے، جنگ موتہ کے بعد بھی لشکر بھیجا جا سکتا تھا مگر اس وقت لشکر کو بھیجنا اور بھیجنے پر اصرار اس کے علاوہ کچھ نہیں سمجھا تا کہ رسولؐ وقت آخر اپنے گرد کس طرح کا مجمع دیکھنا چاہتے تھے اور کن لوگوں کا وجود اسلام کے مستقبل کے لیے خطرناک سمجھ رہے تھے۔

مخالفت کی وجہ:۔

بعض مورخین نے نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اسامہ بن زید کمسن تھے اور آزاد کردہ غلام کے بیٹے تھے اور جنھیں ماتحتی میں بھیجا جا رہا تھا ان میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے انھیں اسامہ کی ماتحتی پسند نہ آئی، چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جز اول ص۲۱ پر اس کا تذکرہ کیا ہے کہ مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے عمائد اس لشکر میں اسامہ کے ماتحت تھے، ابوبکر و عمر بھی اس میں مامور کیے گئے تھے لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس لڑکے کو بڑے بڑے مہاجر و انصار پر سردار مقرر کیا ہے جب آں حضرت نے یہ سنا تو آپ بہت غضبناک ہوئے اور بیت الشرف سے باہر تشریف لائے آپ کے سر پر کپڑا بندھا ہوا تھا منبر پر جا کر فرمایا اے لوگو تم کیا اعتراض کرتے ہو تم اس بات پر طعنہ زنی کرتے ہو کہ میں نے تم پر اسامہ کو سردار مقرر کیا ہے تم نے اس وقت بھی طعنہ زنی کی جب اس کے باپ زید کو تم پر امیر مقرر کیا تھا اور قسم بخدا زید تم سے زیادہ امیری کے لائق تھا اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ امیری و سرداری کے لیے تم سے زیادہ لائق ہے۔

اس بیان سے جہاں مخالفت پر آمادہ جماعت کے ایمان کی حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کیونکہ رسولؐ کے حکم میں کسی قیل و قال و اعتراض کی گنجائش نہیں رہ جاتی وہاں اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسکیم ایسی تھی کہ اس کی کامیابی کے لیے مخالفت رسولؐ کو سرمایۂ آخرت بنانا گوارا کیا گیا ان مخالفتوں کے بعد وفات پیغمبر کے بعد رونما ہونے

جس کو مسلمانوں کا غم نہیں وہ ہماری امت سے نہیں (رسولِ اکرمؐ)

والے واقعات حیرت انگیز نہیں رہ جاتے مخالف جماعت کے دامن سے اس دھبہ کو ہلکا کرنے کی سعی و کوشش نے یہ بھی کہنے پر مجبور کیا کہ نہ جانے کی وجہ محبتِ رسولؐ تھی کیونکہ رسولؐ کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا۔ محبت کے تقاضے سے مجبور ہو گئے اس فعل کو محبت رسولؐ پر اس وقت محمول کیا جا سکتا تھا جب لشکر سے واپس آکر رسول کو نہ چھوڑتے رسول کے دفن میں شرکت کرتے مگر جو مسلمان مخالفت میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے تاریخ ان کے نام دفنِ رسول میں شرکت کرنے والوں میں نہ پیش کر سکی ان کے ارادے اور مقاصد واضح ہو چکے تھے ایک طرف حکمِ رسولؐ اور دفن رسول اور دوسری طرف قیادت حاصل کرنے کے لیے حکم رسول کی مخالفت اور سقیفہ کی کارروائی دو فکریں تھیں دو منصوبے تھے ایک فکر کا اظہار رسول کی طرف سے ہو رہا تھا دوسری فکر مخالفت رسولؐ کرنے والوں کو تھی ایک منصوبے کی تکمیل کے لیے رسولؐ کی بیماری میں ایک ایک لمحہ گذر رہا تھا دوسرے منصوبے کی تکمیل کے لیے رسولؐ کا جنازہ اور دفن میں شرکت کو غیر اہم قرار دیا جا رہا تھا جیش اسامہ کی مخالفت کا سلسلہ ابتدا مرض سے وفات رسول تک جاری رہا۔

امامتِ نماز:

نماز کو قائم کرنے والا ہادی بستر علالت پر ہے مسجد اگرچہ گھر سے نزدیک ہے مگر اتنی طاقت نہیں ہے کہ خود مسجد تک پہونچ سکیں جب کچھ افاقہ ہوتا تھا تو حضور خود تشریف لاتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے ورنہ کسی بھی صحابی کو امامتِ نماز کے لیے مقرر فرما دیتے تھے مگر ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ شدید بیماری کے باوجود حضور کو دو آدمیوں کا سہارا لیکر مسجد میں جانا پڑا اور خود امامت فرمائی۔ تاریخ میں اس نماز کے واقعہ کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے جس کا تجزیہ آسانی سے اس نتیجہ پر پہونچا دیتا ہے کہ جو لوگ منظم ہو کر رسولؐ کی مرضی کے خلاف سرگرم عمل تھے وہ رسول کی بیماری اور تکلیف کا خیال کئے بغیر اہلبیت کی قیادت کے خلاف دوسروں کے لیے زمین ہموار کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اگرچہ رسول کی بیماری میں متعدد اصحاب کی اقتدا میں نماز جماعت ہوتی رہی اور کسی کی پیش نمازی کو دلیل قیادت اسلام نہیں قرار دیا جا سکتا بالخصوص ان لوگوں کے لیے جنھیں رسول نے لشکر کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا اور وہ مسلسل مخالفت رسولؐ کرتے رہے اور رسولؐ کے غضب کے مستحق قرار پائے اہلِ قلم نے حضرت ابوبکر کی امامت نماز سے دلیل امامت فراہم کرنے کی سعی میں اوراق کے اوراق سیاہ کر دیئے اور حکم رسولؐ تو ثابت نہ ہو سکا البتہ یہ کہا گیا کہ خود پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے تھے یا بیٹی نے باپ کو امامت نماز کا اجازہ دیا تھا۔

طبری کا مطالعہ بتائے گا کہ رسولؐ نے اس پیش نمازی کی اپنے عمل سے شدید مخالفت کی:

دو مردوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر رسولؐ اس طرح مسجد میں تشریف لائے کہ پیر زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ حضورؐ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے پہونچے اور حضرت ابوبکر کو ہٹا کر پیچھے کر دیا اور خود نماز پڑھائی طبری جز ۳۔ ط ۱۹۶۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کو یہ امامت برداشت نہ ہوئی اور انتہائی تکلیف کے بعد خود نماز پڑھائی اگرچہ اس کے بعد بھی یہ فضیلت کا پہلو نکالا گیا کہ مجمع حضرت ابوبکر کی اقتدا کر رہا تھا اور حضرت ابوبکر رسولؐ کی اقتدار کر رہے تھے اور اس کوشش میں توہینِ رسالت کا بھی خیال نہیں کیا اور عقلی تقاضوں کو بھی نظر انداز کر دیا گیا۔ امکان سے بعید ہے یہ مان لینا کہ رسول کی موجودگی میں کسی اور کی اقتدا کی گئی۔

ہر مسلمان کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھو

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم (رسول اکرمؐ)

ملا صالح کشفی وغیرہ کا بیان ہے کہ سورہ برات کی تبلیغ کے لیے عارضی طور پر نبی کریم نے حضرت ابو بکر کو مصلحتاً روانہ کیا تھا اس کے بعد جبرئیل اللہ کا پیغام لے کر آگئے۔ صاحب ریاض النضرہ کے مطابق لایبلغہا الا انت او رجل منک ۔ سورہ برات کی تبلیغ آپ خود فرمائیں یا اس کو مامور فرمائیے جو آپ سے ہو لہذا رسول نے علی کو بھیجا اور جب علی ناقہ رسول پر سوار ہو کر قافلہ کے قریب پہونچے تو قافلہ مکہ کے قریب پہونچ چکا تھا اور تمام لوگ صفیں درست کر کے نماز پڑھنے کے لیے آمادہ تھے۔ حضرت ابو بکر تکبیرۃ الاحرام نہ کہہ پائے تھے کہ لوگوں کے کانوں سے رسول کے ناقہ کی آواز ٹکرائی ۔

اس پر لوگوں نے کہا ٹھہریئے معلوم ہوتا ہے رسول تشریف لا رہے ہیں اب ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے جب دامن گرد چاک ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ رسولؐ کے ناقہ پر حضرت علیؑ سوار ہیں۔ بہر حال حضرت ابو بکر کو جگہ سے ہٹایا گیا اور جناب امیرؑ نے نماز پڑھائی۔

قابل غور ہے یہ بات کہ لوگ حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنے کے واسطے تیار نہ تھے کہ رسول تشریف لائے ہے ہیں اور جب حضرت علیؑ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا نہ کیا۔ تو جب رسولؐ حضرت ابو بکر کو اپنی جگہ سے ہٹا کر مسجد میں خود نماز پڑھا رہے تھے تو کیسے ممکن تھا کہ لوگ رسول کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر کی نماز میں اقتدا کرتے لہذا اس نماز کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

مرسل اعظم کی آخری خواہش:

مرسل اعظم کی وفات کا وقت جتنا قریب آتا جاتا تھا اتنی ہی اسلام کے مستقبل کی فکر بڑھتی جاتی تھی پنجشنبہ کا دن تھا مرض کا دوسرا دور شب ہی سے شروع ہو چکا ہے تبلیغ اسلام سے کسی آن بھی بے پرواہ نہ رہنے والے ہادی کو بستر علالت پر بھی اسلام کے مستقبل اور امت کے نجات کی فکر بے چین کر رہی ہے کروٹ بدلتے ہوئے آواز دی "لاؤ قلم دوات" تمہاری نجات کے واسطے ایک تحریر لکھ دوں جس کے ذریعہ تم قیامت تک گمراہ نہ ہو سکو" انسان کی آخری تمنا اور خواہش کی قیمت ہوتی ہے" دنیا میں مجرم اور سزائے موت پانے والے انسان کی بھی آخری خواہش کا احترام کیا جاتا ہے حتی الامکان آخری خواہش پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کتنا تکلیف دہ وقت آ گیا تھا مرسل اعظمؐ کے لیے کہ وصیت اور آخری خواہش لکھنے سے ذہن پر الزام لگا کر رد کر دیا گیا اور اتنا ہنگامہ برپا کیا گیا کہ رحمت مجسم کو قوموا عنی کہہ کر ذہن پر الزام لگانے والوں کو اپنے پاس سے اٹھا دینا پڑا۔ مرسل اعظم جو آخری خواہش کے طور پر لکھنا چاہتے تھے وہ واضح تھا ورنہ تحریر لکھنے سے رد کرنے والا الزام ہذیان لگانے کے بعد یہ نہ کہتا کہ "ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے" یہ فقرہ واضح کر رہا ہے کہ کہنے والے کا ذہن اس سے خالی نہیں تھا کہ رسولؐ اہلبیت کے لیے کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ دوسری کتابوں کے علاوہ صرف صحیح بخاری میں سات جگہوں پر اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے اور بخاری ہی کی روایت سے کہنے والے کا نام کا بھی پتہ چل جاتا ہے قال عمران النبی قد غلبہ الوجع بخاری ج ۱ ص ۲۱ کہنے والے حضرت عمر تھے جو اس جماعت کی قیادت کر رہے تھے جس کے ہاتھوں تیرہ دن کے شدید مرض میں بے حد مشکلات اور ناخوشگوار اور بے انتہا تکلیف دہ حالات سے دوچار ہونا پڑا اور جماعت اپنے ارادوں کو بے نقاب کر اس منزل پر آ گئی تھی کہ ارادوں کی تکمیل کی راہ میں رسول

کی ایذا، توہین اور اپنے لیے خارج اسلام ہونے کے خطرہ سے بے پرواہ تھے۔ ہادی عالمؐ کو اس حد تک صدمات پہونچائے گئے کہ اس سے متاثر ہو کر ابن عباسؓ زندگی بھر اس دن اور رسولؐ کی بے کسی اور امت کی نافرمانی یاد کر کے آنسو بہاتے رہے۔ اس طرز عمل سے کتنی تکلیف پہونچی ہوگی اسے ہادی عالمؐ کا دل ہی محسوس کر سکتا تھا سب سے زیادہ امت کا درد رکھنے والے ہادیؐ عالم کی نگاہیں آنے والے واقعات و حادثات کو محسوس کر رہی تھیں کہ جس اسلام کو محنت و مشقت برداشت کر کے تکمیل کی منزل تک پہونچایا ہے اُسے یہ مسلمان کس طرح تباہی کے گھاٹ پر لگانے کی کوشش کریں گے یہ تصورات و خیالات ہادی کے لیے اس مرض میں زندگی کے تمام مصائب و شدائد سے کہیں زیادہ بے چین کرنے والے تھے مگر اللہ رے مجسم رحمتؐ کا استقلال کہ ان مشکلات کے طوفانوں سے دل تنگ ہو کر بد دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتے بلکہ امت کی نجات کی فکر میں ایک ایک لمحہ گذر رہا ہے اور امت کے حق میں اپنے پروردگار سے دعا کر رہے ہیں۔

مرسل اعظم منبر پر :.

اسلام کا ہادی ضعف و ناتوانی کے باوجود آخری تقریر کے لیے منبر پر آرہا ہے بلال کو بلا کر شہر میں منادی کرادی گئی، لوگ ہادی عالم کی تقریر سننے کے لیے مسجد میں جمع ہو گئے حضور نے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا نصیحتیں کیں پھر اپنی موت کی خبر دے کر فرمایا کہ اے لوگوں اگر کسی کا قرض ہو وہ مجھ سے طلب کرے یہ سنتے ہی عکاشہ نامی ایک شخص اٹھ کر کہنے لگا آپ کا ایک تازیانہ میری پشت پر لگ گیا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں، مرسل اعظم نے اجازت دی عکاشہ نے کہا اسی تازیانہ سے بدلا لوں گا جو میری پشت پر لگا تھا آپ نے فاطمہؑ کے پاس سے وہ تازیانہ منگایا فاطمہؑ نے کہا بابا جب سفر پر جاتے تھے تب یہ تازیانہ منگاتے تھے میرے بابا مرض کی وجہ سے کہیں جا نہیں سکتے تو پھر تازیانہ کیوں منگایا ہے سلمان نے پورا واقعہ سنادیا شریک کار رسالت بیٹی نے بلا عذر تازیانہ سلمان کے حوالہ کر دیا عکاشہ اس تازیانہ کو لے کر کہتا ہوا آگے بڑھا کہ جب میری پشت پر تازیانہ لگا تھا تو میری پشت برہنہ تھی آپ بھی پشت سے کپڑا اٹھا لیں رسول نے کپڑا اٹھایا مجمع میں سناٹا تھا نگاہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ اب کیا ہوگا کہ اتنے میں مجمع کی نگاہوں نے تازیانہ پشت رسول پر دیکھنے کے بجائے عکاشہ کو مہر نبوت کے بوسہ لیتے ہوئے دیکھا اور عکاشہ کہہ رہا تھا کہ ساری تدبیر میں نے اسی لیے کی تھی کہ مہر نبوت چوم سکوں۔ یہ تھا اسلام کے ہادی کا کردار جو دنیا کو درس دے رہا تھا دنیا چھوڑنے سے پہلے اپنے عمل و کردار کا حساب کر لو کسی کا حق اپنے اوپر باقی نہ رہ جائے۔

حالتِ مرض میں ظہور آنے والے واقعات نے ہادی عالم کے مقاصد اور مخالفین مقاصد کے طرز عمل کو واضح کر دیا تھا کوشش اس بات کی تھی کہ وقتِ آخر رسول کے کسی حکم اور تمنا و خواہش کو پورا نہ ہونے دیا جائے چنانچہ اس بیماری میں رسولؐ اپنے حبیب قریب سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور وصیتیں کرنا چاہتے ہیں بار بار پکارنے پر دو سروں کو لاکر رسول کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے جن سے نفرت کا اظہار حضور فرما چکے تھے۔ واقعہ کی تفصیل حضرت عائشہ کی زبانی سنیے:

عن ام المومنین عائشہ قالت لما حضر رسول اللہ الموت قال ادعوا لی حبیبی فدعوت له ابا بکر فنظر الیه ثم وضع رأسه فقال ادعو لی حبیبی فدعوت له عمر فنظر الیه ثم

جنت میں اہل بیتؑ کا پڑوسی بننا ہے تو بد عملی سے انھیں اذیت نہ دو

مسلمان کی رنجش کا خاتمہ سلام ہے (رسولِ اکرمؐ)

وضع راسہ فقال ادعوالی حبیبی فقلت ویلکم ادعولہ علی ابن ابی طالب فواللہ مایرید غیرہٗ فلما راٰہ اخرجہٗ الثوب الذی کان علیہ ثم ادخلہ فیہ فلم یزل .... حتی قبض ویدہٗ علیہ ۔ ارجح المطالب ص۵۹۰ ب ۲ و ریاض النضرہ ج ۲ ص۱۸۱ مطبوعہ حسینیہ مصر۔ یعنی حضرت عائشہ نے کہا کہ جب رسول کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ میں نے ابو بکر کو بلا بھیجا ان کے آنے پر رسول نے سر اٹھا کر دیکھا پھر تکیہ پر سر رکھ لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ میں نے عمر کو بلا بھیجا، آپ نے سر اٹھا کر ان کو بھی دیکھا اور تکیہ پر سر رکھ لیا اور فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ، تب میں نے لوگوں سے کہا تم پر افسوس ہے علی کو بلاؤ جب حضور نے علی کو دیکھا تو جو کپڑا آپ اوڑھے ہوئے تھے اس میں علی کو لے لیا، اور علی سے بغل گیر ہوئے یہاں تک آپ کا انتقال ہو گیا اس بیان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وقت آخر رسول کی تمنا اور خواہش کے پورا ہونے میں کتنی دشواریاں حائل تھیں کہ جب حبیب خاص سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور وصیتیں کرنے کے لیے بے چین ہیں مگر علی کے بجائے دوسروں کو لاکر پیش کر دیا جاتا ہے جن سے رسول بات کرنا کیا انھیں پسند نہیں کرتے۔

وصیتیں:

رسول نے انصار و مہاجرین اور قریش وغیرہ کے متعلق وصیتیں کی۔ حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ تم پر میرے بعد بہت سے مکروہات واقع ہوں گے تم ان سے دل تنگ نہ ہونا اور صبر و تحمل سے کام لینا لوگ جب دنیا کو اختیار کریں تو تم آخرت کو اختیار کرنا اور اے علی فلاں یہودی کا مجھ پر اتنا قرض ہے تم اس کو ادا کر دینا۔ جو قرض تجہیز جیش اسامہ کے لیے لیا گیا تھا (روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب معارج النبوت) ان وصیتوں کا تعلق رسول کے جانشیں ہی سے ہو سکتا ہے اور وہ علی ہی سے کی جاتی ہیں اور دوسروں کو رسول قابل خطاب نہیں سمجھتے۔

بیٹی سے راز کی باتیں:

جناب فاطمہ زہرا باپ کی حالت کو دیکھ کر بے چین ہیں رسولؐ نے لاڈلی بیٹی کو قریب بلایا تسلی دی اور کان میں کچھ کہا سنتے ہی فاطمہ زہراؑ غمگین ہو گئیں دوسری بار پھر بیٹی کے کان میں کچھ کہا سن کر فاطمہ زہراؑ مسکرانے لگیں۔ دیکھنے والوں کو فکر ہونا ہی چاہیئے تھی نہ جانے کس کے لیے باپ نے بیٹی سے کیا کہہ دیا۔ اس فکر نے سوال کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے بے چین ہو کر پوچھ ہی لیا کہ رسولؐ نے تم سے کیا کہا تھا کہیں ہمارے متعلق تو کوئی بات نہیں کہی تھی فاطمہؑ نے بتانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب وقت آئے گا تو اس کو ظاہر کروں گی ایک مدت کے بعد فاطمہ زہراؑ نے فرمایا کہ پہلے رسول نے اپنے انتقال کی خبر دی جس کو سن کر میں غمگین ہو گئی لیکن جب اس کے بعد رسول نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ اہلبیت میں تو سب سے پہلے مجھ سے ملے گی اور تو تمام عورتوں کی سردار ہے تو میں خوش ہو گئی۔

مدارج النبوت ج ۲ ص۱۱۱ صحیح بخاری جز ثالث ص۶۲ و ارجح المطالب

ملک الموت کی آمد!

ابن عباس سے منقول ہے کہ روز وفات سرور کائناتؐ خداوند عالم نے ملک الموت کو زمین پر جانے کا حکم دیا ملک ہزاروں ملائکہ کے ہجوم میں چلا اور دروازہ پر اعرابی کی صورت میں آیا اور کہا السلام علیکم اہل بیت النبوۃ و معدن الرسالۃ و مختلف الملائکہ مجھے اندر آنے کی اجازت دیجیے فاطمہ زہراؑ

سلام خوردی و بزرگی کا معیار نہیں۔ خلوص و محبت کا پیغام ہے

جو بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے ہماری امت سے نہیں (رسول اکرمؐ)

رسول کے سرہانے تھیں جواب دیا اس وقت ملاقات ممکن نہیں رسول کی حالت ٹھیک نہیں ہے دوسری مرتبہ پھر اجازت طلب کی پھر وہی جواب ملا تیسری مرتبہ پھر بآواز بلند کہا مگر یہ ایسی آواز تھی جس نے گھر کے ہر شخص کو لرزہ براندام کر دیا رسولؐ غش سے چونکے کہا فاطمہ معلوم ہے یہ کس کی آواز تھی اور تم نے کسے آنے سے روکا یہ ملک الموت ہے لزتوں کو ختم کرتا ہے آرزؤں کو قطع کرتا ہے عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیتا ہے فاطمہؑ یہ سن کر بے چین ہو گئیں (روضۃ الاحباب ص ۵۵۷ و ص ۵۵۸)

اس عبارت سے جہاں عظمت معصومۂ عالم ظاہر ہوتی ہے کہ ملک بھی بغیر اجازت گھر میں داخل نہیں ہو سکتا وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کا انتقال خانہ جناب معصومہ میں ہوا۔

وفات:

صفر کی اٹھائیس تاریخ تھی۔ رسولؐ علیؑ کو قریب بلا کر دیر سے باتیں کر رہے تھے کہ وقت احتضار آیا علی سے کہا میرا سر اپنی آغوش میں لے لو آہ وہ وقت آ ہی گیا کہ مرسل اعظمؐ سے زمانہ خالی ہو گیا حسنینؑ کے سر سے شفیق نانا کا سایہ اٹھ گیا علیؑ اب تنہا رہ گئے اہلبیتؑ کے لیے مصائب کا نیا باب شروع ہو گیا گھر میں کہرام برپا ہوا سیدہ پچھاڑیں کھانے لگیں وقت وہ تھا کہ جب مرنے والے اور اس کے عزیزوں سے ہر ایک محبت کا برتاؤ کرتا ہے تسلی دی جاتی ہے تکفین و تدفین میں ہاتھ بٹایا جاتا ہے آج تو ایسا ہادی دنیا سے اٹھ رہا ہے جس نے تاریخ انسانیت میں عظیم انقلاب پیدا کیا جس نے بے باطن انسانوں کو زیور انسانیت سے آراستہ کیا جس نے پست و ذلیل انسانوں کو عزت بخشی جاہلوں کو علم کی دولت عطا کی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ یہ دن مسلمانوں کے لیے عظیم مصیبت کا دن ہوتا اور اس دن کا غم ناقابل فراموش ہوتا مگر قوم اپنے ہادی اور مصلح کی موت پر کیا کر رہی ہے؟

تاریخ بتائے گی کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہیں کہ ایک بار فضا میں تلوار لہراتی ہوئی نظر آئی یہ تلوار کو گردش دینے والا کون ہے وہی ہے جس نے کل ذہن نبی پر الزام لگا کر تحریر لکھنے سے روکا تھا زبان پر الفاظ یہ تھے کہ "جس نے کہا کہ محمدؐ کی وفات ہو گئی" تلوار سے گردن اڑا دوں گا مگر کچھ دیر کے بعد نہ یہ آواز سنائی دیتی ہے نہ کہنے والا نہ سننے والا مجمع یہ سب کہاں گئے تاریخ ایک گھر کا پتہ دے رہی ہے جس کی کارروائی نے رسولؐ کے دفن میں شرکت سے محروم کر دیا۔

غسل کس نے دیا:

علیؑ اور اہلبیت مرسل اعظم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہیں حضرت علیؑ نے خود رسول کو غسل دیا عباس فضل و قثم کام میں شریک رہے اور سہارا دیتے رہے۔ جنازہ کے نزدیک مردوں میں صاحب روضۃ الصفا کے مطابق حضرت علیؑ عباس، فضل، قثم، اسامہ بن زید اور صالح کے نام ملتے ہیں۔

نماز جنازہ:

غسل و کفن کے بعد جنازہ رکھا گیا اور ملائکہ نے نماز پڑھی اس کے بعد حضرت امیرؑ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دفن میں تاخیر کی گئی جس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ قائد اسلام وارث و جانشین رسولؐ دوسروں سے زیادہ اپنے نفس پر قابو پانے والے علیؑ نئے اٹھنے والے فتنہ کا سدباب کر رہے تھے ورنہ ارباب سقیفہ برسرپیکار نظر آتے کہ ہمارے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور رسول کو دفن کر دیا حضرت علیؑ نے موقع دے کر ان کے ایمان کی حقیقت کو واضح کر دیا کہ موقع پانے

بزرگوں کی تعظیم نہ کروگے تو کس کی تعظیم کروگے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کروگے تو کس پر شفقت کروگے۔

تین دن سے زیادہ کسی آشنا سے ترک کلام نہ کرو (رسول اکرمؐ)

کے بعد بھی دفن رسول میں شرکت نہ کر سکے۔

دفن :

دفن کے وقت خاندان رسالت کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا یہ خاص فضیلت بھی اسی خاندان کے لیے مخصوص تھی حضرت علیؑ نے اپنے رسولؐ کو قبر میں اتارا۔ فضل و قثم اور شقران ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

جنازہ پر بے کسی و مظلومیت چھائی رہی اور کسی مصلح یا لیڈر کے دفن میں کسی قوم کا یہ انداز نہ رہا ہوگا جو مصلح اعظمؐ کے ساتھ اختیار کیا گیا۔

تاریخ میں وفات کا دن بڑا اہم دن ہونا چاہیے تھا کیونکہ مسلمانوں کی اس سے زیادہ کیا بدنصیبی ہوگی کہ ایسا عظیم ہادی ان کے درمیان سے اٹھ گیا ایسے ہادی کی یادگار قائم کی جاتی برخلاف اس کے وفات کے واقعات ہی کو چھپانے کی کوشش کی گئی تاریخ وفات میں اختلاف اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے — غم اور یادگار سے اس لیے پرہیز کیا گیا کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ صحیح واقعات سامنے آتے رسول کی تکالیف اور ایذا رسانیاں ظاہر ہوتیں تھیں اور حقائق کا انکشاف ہوتا تھا یہ سب کچھ اس جماعت کے لیے جس نے اقتدار اسلامی کو ٹھکرا کر خلافت حاصل کی تھی نقصان رساں ثابت ہوتا لہذا مصلحت یہی تھی کہ رسول کا غم نہ منایا جائے اسی مصلحت کے تحت تاریخ اس انداز سے سامنے آئے کہ جناب سیدہؑ کو باپ کا ماتم کرنے سے روکا گیا — یہ پرانی تاریخ ہے کہ ظالم مظلوم کے آنسوؤں سے قاتل مقتول کے نالوں سے ہمیشہ گھبراتا رہا ہے معصومۂ عالم حضرت علیؑ کا مرثیہ ہی نہیں پڑھ رہی تھیں بلکہ رسولؐ کی خلافت و جانشینی اور مسند رسولؐ کے صحیح وارث کا پتہ دے رہی تھیں۔ ظلم کی تاریخ کو بے نقاب کرنے میں ان آنسوؤں نے جو بے مثال کردار پیش کیا وہ حکومت و سلطنت کے زور پر بھی نہیں پیش کیا جا سکتا اسی لیے صاحبان تخت و تاج ان آنسوؤں کے تیز و تند دھاروں کو روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن جب تیغ و تفنگ کے سایہ میں یہ آنسو خون بن کر نکلنا شروع ہوئے تو اس کے لیے شیطانی قہقہوں کا سہارا لیا گیا ورنہ کون ایسی سنجیدہ فکر و نظر کا انسان ہوگا جو غم والم کے ہمالیہ کے نیچے دب کر اپنے آنسوؤں کو روک لے وفات کے نام پر خوشی مرسل اعظم حضور سرور کائناتؐ کے خلاف پائے جانے والے جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔

قطعہ

جو بات کہی آیتِ قرآن بنی
جو سانس بھی لی منزلِ ایمان بنی
شاہوں سے بھی افضل ہیں غلامانِ بتول
سلمان کی تصغیر سلیمان بنی

پیام اعظمی

غلط فہمیوں کا منہ بند کرنا ہے تو بول چال بند نہ کرو۔

جس نے ظالم کی مدد کی اس نے خدا کا غضب مول لیا (رسول اکرمؐ)

السیدؒ احسان حیدر الرضوی
حوزہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ
السیدہ زینب السویہ

اعجاز نبوت

توحید و عدالت کے بعد اسلام کے بنیادی اصول میں جن کا دل سے اقرار اور زبان و عمل سے اظہار کئے بغیر کوئی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا، دوسری اصل نبوت ہے۔ وجود الٰہی اور اس کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرنے کے فوراً بعد جو عقیدہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے لئے ضروری و لازمی ہے وہ نبوت ہی کا عقیدہ ہے کیوں کہ اگر کوئی انسان پروردگار کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن نبوت کا اقرار نہیں کرتا تو وہ کچھ بھی ہو مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وجود نبوت، وجود الٰہی اور وحدانیت الٰہی کی دلیل ہے، اور اگر کوئی انسان یہ کہے کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے نبی کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں کیوں کہ اگر اللہ ہے اور اس نے نبی کو نہیں بھیجا ہے تو اس کا وجود لغو قرار پائے گا کہ اگر وہ ہے تو اس نے اس کائنات کو کیوں خلق کیا، اور وہ اپنی مخلوقات سے کس چیز کا متقاضی ہے؟ ان چیزوں کی نشاندہی نبی ہی کرتا ہے کیوں کہ نبی خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ ہوا کرتا ہے ـــــ اب اگر کوئی انسان وجود الٰہی کو تسلیم کرتا ہے اور وجود نبوت سے انکار کرتا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے اور اس کے خالق کے درمیان اس کے پاس کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں ہے اور وہ اپنے خالق کے تقاضوں کو جان کر اس پر صحیح طریقے سے عمل کر کے اس کی خوشنودی نہیں حاصل کر سکتا ہے اور ساری عمر عمل کر کے بھی یہ یقین نہیں کر سکتا ہے کہ اُس نے جو اعمال انجام دیئے ہیں وہی مقتضائے خالق تھے یا اس نے حق بندگی ادا کیا یا نہیں۔

اس کے علاوہ وجود نبوت اس اعتبار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت، عقل، اخلاق اور سماج کسی بھی نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرنے کا تقاضہ کرتی ہے اور یہ اس کی طبیعت میں شامل ہے کہ جس سے بھی اسے کوئی بڑی یا چھوٹی نعمت ملے اس کا شکریہ ادا کیا جائے ـــــ پھر جب وہی انسان اپنے اندر اور اپنے اردگرد ساری کائنات میں لاتعداد نعمتیں دیکھتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ ساری نعمتیں ہمارے لئے ہی خلق کی گئی ہیں تو اس کی فطرت تقاضہ کرتی ہے کہ ان نعمات کے دینے والے کا شکریہ ادا کیا جائے۔ لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نعمات کے منعم کا کس طرح شکریہ ادا کیا جائے کیوں کہ کوئی انسان جب کسی انسان کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے تو وہ سامنے موجود ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں زبانی یا جس انداز سے بھی وہ راضی ہو جائے اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ـــــ لیکن

خدا کے غضب سے بچاؤ مظلوم سے اچھا برتاؤ

آپس میں سلام کرو محبت بڑھے گی (رسول اکرمؐ)

اس ساری کائنات کا منعم حقیقی سامنے تو ہے نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کر دیا جائے اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کر لی جائے، لہٰذا اب کسی ایسے واسطے یا رابطے کا ہونا لازمی ہے کہ جس کا شکر، منعم حقیقی کا شکر ہو اور جس کی رضا منعم حقیقی کی رضا ہو تاکہ انسان اس کا شکریہ ادا کر کے منعم حقیقی کی خوشنودی حاصل کر لے ـــــ اسی واسطے اور رابطے کا نام نبی ہے۔

اب جب کہ ہر اعتبار سے وجود نبوت ثابت ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ نبی کو کس طرح پہچانا جائے اور کیسے جانا جائے کہ یہی شخص نبی ہے اور اسی کا شکر اور اسی کی رضا، منعم حقیقی کا شکر اور اس کی رضا ہے ـــ بظاہر نبی کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے چار باتیں ہیں جن پر نظر کرنا ضروری ہے اگر یہ چاروں باتیں کسی شخص میں پوری پوری صحیح طور پر پائی جاتی ہیں تو اس شخص کو نبی تسلیم کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۱) انسان خود اپنی نبوت کا دعویٰ کرے اور اگر وہ انسان خود اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تو چاہے ساری دنیا اسے نبی کہے، ایسے شخص کو نبی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۲) انسان کوئی ایسا معجزہ پیش کرے جو اس کی نبوت کی دلیل ہو اور وہ ایسا خارق العادۃ امر ہو کہ جس کو پیش کرنے سے تمام انسان (مومن و کافر) عاجز ہوں

(۳) وہ جس چیز کو معجزے کے طور پر پیش کرے وہ چیز ظہور میں ٹھیک حسب اظہار ہو یعنی جس طرح سے وہ دعویٰ کر رہا ہو اسی طرح سے دعویٰ ثابت بھی ہو جائے اُس کے برخلاف یا اُس سے کم و زیادہ نہ ہو مثلاً ایک نبی معجزے کے طور پہ کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں کنویں کو حکم دونگا اور اس کا پانی بالکل اوپر آجائیگا لیکن جب وہ حکم دے تو اس کے برخلاف ہو اور پانی بجائے اوپر آنے کے خشک ہو جائے یا اور نیچے اُتر جائے تو ایسے شخص کو بھی نبی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوا۔ اس کے دعویٰ میں اظہار کچھ تھا اور ظہور کسی اور چیز کا ہوا۔

(۴) نبی اپنے زمانے اور قوم کے تمام دوسرے انسانوں سے اعلم، افضل اور اکمل ہو۔ کسی مسئلۂ دین و دنیا میں اسے کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے کیوں کہ اگر نبی اعلم، افضل اور اکمل نہ ہوگا تو اسے مسائل کے حل کے سلسلے میں دوسرے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور جو کسی بھی مسئلہ میں دوسروں کی ہدایت کا محتاج ہوگا وہ دوسروں کے لئے ہادی نہیں ہو سکتا۔

یہاں تک پہونچنے کے بعد آیئے اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ اس معیار پر کس قدر پورے اُترتے ہیں۔ تاریخ کے حوالے سے یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی ولادت کے بعد چالیس سال تک خاموش زندگی گزارتے رہے اور اس کے بعد آپنے دعویٰ نبوت کیا۔ پھر آپ کی افضلیت و اکملیت کے سلسلے میں تاریخ شاہد ہے کہ دعویٰ نبوت سے پہلے ہی آپکے فضائل و کمالات اس منزل پر تھے کہ جاہل عرب ہزاروں تجربوں کے بعد آپ کو صادق اور امین کہا کرتے تھے اور تنازعات کے فیصلے کے لئے بھی آپ ہی پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور پھر معجزے کے بارے میں بھی تاریخ گواہ ہے اور روایات میں بھی وارد ہوا ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً تقریباً چار ہزار

ترک سلام نہ کرو تاکہ محبت گھٹنے نہ پائے۔

مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (رسول اکرمؐ)

معجزے دکھلائے جن میں شق القمر (چاند کا ٹکڑے ہونا)، حرکت الاشجار (درختوں کا حرکت کرنا) اور نطق الاحجار (پتھروں کا کلام کرنا)، وغیرہ آپ کے مشہور معجزے ہیں لیکن آپ کے تمام معجزوں میں جو سب سے عظیم معجزہ (قرآن کریم) ہے۔ جو قیامت تک کے لئے معجزہ ہے اور کسی وقت کسی علاقے اور کسی قوم کے لئے محدود نہیں ہے۔

قرآن کریم آپ کا ایسا معجزہ ہے جسے آپ نے جزیرۂ عرب میں پیش کیا جو فصاحت اور بلاغت کے میدان میں حد درجہ ماہر تھے اور اسے اپنے دعوائے نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کر کے اس کی مثال اور اس کا جواب مانگا۔ اس معجزے میں بھی وہ تمام امور پائے جاتے ہیں جو کسی بھی معجزے کے لئے لازمی ہوتے ہیں مثلاً آپ کا یہ معجزہ خارق العادت ہے یا مثلاً تمام انسانوں کے سامنے ہونا اور ان سب کا اس کے مثل سے عاجز ہونا تو یہ معجزہ بھی تمام انسانوں کے سامنے ہے ایسا نہیں ہے کہ کوئی دیکھ سکے اور کوئی نہ دیکھ سکے اور ساری کائنات کے انسان اپنی تمام تر علمی اور فنی صلاحیتیں صرف کرنے کے بعد بھی اس کے مثل اور جواب سے قاصر ہیں۔

دوسرے معجزوں کی طرح اس معجزے کے جواب اور مثل کا تقاضہ بھی کیا گیا ہے بلکہ اس کے جواب کے سلسلے میں شدت بھی اختیار کی گئی ہے اور اس معجزے نے خود اپنا جواب لانے کی بات کہی ہے۔ قرآن کریم میں پانچ آیات ایسی ہیں جن میں قرآن نے اپنا جواب طلب کیا ہے۔

(۱) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (الاسراء ۸۸)

اے رسولؐ کہدیجئے اگر تمام دنیا کے انسان اور جنات اس بات پر یکجا ہو جائیں کہ قرآن کا مثل لے آئیں گے تو بھی اس کا مثل نہیں لاسکتے اگرچہ وہ اس کوشش میں ایک دوسرے کے مددگار بھی ہو جائیں۔

اس آیت کریمہ میں پورے قرآن کا جواب مانگا جارہا ہے اور اس چیز کی کھلی چھوٹ دی جارہی ہے کہ تم سب ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکتے ہو۔

(۲) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (هود ۱۳)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے اس قرآن کو اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے تو تم ان سے صاف کہدو کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو ایسی دس سورتیں گڑھ کر لے آؤ اور اس سلسلے میں خدا کے سوا جن کو چاہو مدد کے لئے بلالو ــــ اس آیۂ کریمہ میں پہلی آیت سے زیادہ شدت اختیار کی جارہی ہے اور تمام انسانوں کے لئے مدد کی چھوٹ بھی دی جارہی ہے اور یہاں صرف دس سورتوں کے مثل کا تقاضہ کیا جارہا ہے کہ اگر پورے قرآن کے جواب سے قاصر ہو تو صرف دس سورتوں کا ہی جواب لے آؤ اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی ہو رہا ہے کہ اگر جواب نہ لاسکے تو تم سب کے سب جھوٹے ہو۔

دعا کی قبولیت کے لئے بہت سی شرطیں ہیں۔ بددعا کی قبولیت کیلئے ایک شرط ہے مظلومیت۔

مومن کا چہرہ بشاش رہتا ہے اور دل غمگین۔ (رسول اکرم)

(۳) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرہ ۲۳)

اور اگر تم لوگ اس کلام سے جو ہم نے اپنے بندے محمدؐ پر نازل کیا ہے شک میں پڑے ہو تو اگر تم سچے ہو تو تم بھی ایک ایسا ہی سورہ لے آؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں انھیں بھی بلا لو۔

(۴) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (یونس ۳۸)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو خود رسولؐ نے گڑھ لیا ہے تو اے رسولؐ کہدو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایک ہی سورہ اس کے برابر کا بنا لاؤ اور خدا کے علاوہ جس کو چاہو مدد کے لئے بلا لو۔

ان دونوں آیات میں بھی وہی سختی اور شدت اختیار کی گئی ہے اور اتنی ہی چھوٹ ہونے کے باوجود اب صرف ایک ہی سورے کا جواب مانگا جا رہا ہے کہ اگر تم دس سورے کے جواب سے قاصر ہو تو ایک ہی سورہ لے آؤ اور دونوں آیات کا آخری حصہ وہی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو یعنی تم نے پہلے بھی دعوے کئے لیکن دعوے پورے نہ کر سکے اور نہ اب پورا کر سکو گے یعنی تم پہلے بھی جھوٹے تھے اور اب بھی جھوٹے ثابت ہو جاؤ گے۔

(۵) اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن از خود گڑھ لیا ہے اصل یہ ہے کہ یہ ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں۔ تو اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ایسا ہی ایک کلام بنا لائیں۔ (الطور ۳۳-۳۴)

اس آیۂ شریفہ میں بھی جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو جھوٹا ہونے اور ایمان نہ رکھنے والوں کی سند دی جا رہی ہے جو اپنی تمام کوششوں میں ناکامی کے باوجود بھی اسے گڑھا ہوا کہہ رہے ہیں اور یہاں پر صرف ایک کلام کا تقاضہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن تمام تاریخیں اور مشاہدات اس بات کے گواہ ہیں کہ آج تک دنیا تمام کوششوں کے باوجود بھی معجزۂ رسول اکرمؐ کے ایک جملہ کا بھی جواب اور مثل نہیں لا سکی ہے

معجزۂ ختمی مرتبت قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے سلسلے میں متکلمین اور محققین نے یہ اختلاف ضرور کیا ہے کہ آیا قرآن اپنی فصاحت و بلاغت، نظم و ترتیب وغیرہ کے اعتبار سے بذاتہ معجزہ ہے یا صرفہ کے ذریعہ معجزہ ہے اور صرفہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی صلاحیتوں کو قرآن کا جواب لانے سے صرف کر لیا ہے اور تمام زبانوں کی صلاحیتیں سلب کر لی ہیں کہ وہ قرآن کا مثل پیش کریں" مسلمانوں کا ایک فرقہ "معتزلہ" اس بات کا قائل ہے کہ قرآن بالذات معجزہ نہیں ہے بلکہ صرفہ کی وجہ سے معجزہ ہے جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن بالذات معجزہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن صرفہ کے ذریعہ معجزہ ہوتا تو نزولِ قرآن سے پہلے عربوں میں ایسا کلام رائج ہوتا اور کسی بھی ایسے کلام کا قرآن سے پہلے نہ پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن بذاتہ معجزہ ہے ——— اور دونوں میں چاہے جس قول کو اپنایا

دوسروں کو خوش رکھنے کے لئے خوش رہو اور ان کے غم کو اپنا غم سمجھو۔

علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہ جواب دے تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے۔ (رسول اکرمؐ)

جائے نتیجتاً قرآن کا معجزہ ہونا ثابت ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ معجزہ اور ممتنع کا فرق بھی واضح کر دیا جائے۔ ممتنع اس امر کو کہتے ہیں جب عقل ایک شئی کے اثبات کا حکم دیتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ اس کی مخالف شئی کی نفی بھی کرتی ہے مثلاً اگر دن موجود ہے تو ممتنع اور محال ہے کہ رات کا وجود بھی ہو اگر رات کا وجود ہے تو دن کا عدم ثابت ہے۔ اور معجزہ ممتنعات کے اجتماع کا نام نہیں ہے بلکہ خارق العادات شئی کے ظہور کا نام ہے —— قرآن کریم ممتنع نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرآن اور اس کا مثل ایک جگہ نہ پائے جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے کہ اسی قرآن کی طرح کے کئی قرآن اور پیش کر دے۔

قرآن کریم کے اعجاز کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اگر صرف کتاب کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہر کتاب ہمیشہ مصنف کی ثقافت، اس کے علم، آداب و اطوار کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر اسے غیر معجزہ کتاب تسلیم کر لیا جائے اور اس کے مصنف کے سلسلے میں مان لیا جائے کہ اس کے لکھتے وقت اسے ساری دنیا کے ماضی حال اور مستقبل کا علم تھا پھر بھی وہ انسان اپنی ساری معلومات کو صحیح طریقے سے ایک جگہ پر یکجا کرنے پر قادر نہ ہوتا اور تمام کتابوں کی طرح اس میں بھی خوبیوں اور اخلاق فاضلہ کے بیان کے ساتھ ساتھ نقائص اور اخلاق سیئہ کا وجود بھی ہوتا اور تمام مصنفین کی طرح اس کی رائے اور استنتاج میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلاف پیدا ہو جاتا اور اس کے کل کے نتائج آج باطل ہو جاتے —— لیکن نزولِ قرآن سے آج تک چودہ سو سال گزر جانے اور دنیا کے مشینری اور ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو جانے کے باوجود بھی اس میں کسی طرح کا نقص یا کمی کا نہ پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عام کتابوں کی طرح کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ معجزہ ہے جسے پروردگار عالم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب شخصیت ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطور معجزہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ بارگاہِ ربّ العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ ہم سب کو اس معجزے سے زیادہ سے زیادہ قریب تر ہونے اور اس کے احکام پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

باسمہ سبحانہ
بانیٔ تنظیم المکاتب خطیبِ اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ
کی یادگار تالیف
پیاس
دوبارہ منظر عام پر آ رہی ہے
ہم سے طلب فرمائیں۔
(ادارہ)

سوچئے۔ قوم میں پھیلی ہوئی جہالت کا سبب کہیں بے عملی تو نہیں۔

اچھا وہ ہے جو دیر میں ناراض ہو جلدی راضی ہو جائے (رسول اکرمؐ)

خطبۂ فدک

ترجمہ: ذیشان حیدر جوادی

ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اسکے انعام پر اور اس کا شکر ہے اسکے الہام پر۔ وہ قابلِ ثنا ہے کہ اس نے بے طلب نعمتیں دیں اور مکمل نعمتیں دیں اور مسلسل احسانات کئے جو شمار سے بالاتر، معاوضہ سے دور اور ادراک سے بلند ہیں۔ بندوں کو دعوت دی کہ شکر کے ذریعہ نعمتوں میں اضافہ کرائیں پھر ان نعمتوں کو مکمل کرکے مزید حمد کا مطالبہ کیا اور انھیں دہرا دیا۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کلمہ کی اصل اخلاص ہے اس کے معنی دلوں سے وابستہ ہیں اس کا مفہوم فکر کو روشنی دیتا ہے۔ وہ خدا وہ ہے جس کی آنکھوں سے رویت زبان سے تعریف اور خیال سے کیفیت محال ہے اس نے چیزوں کو بلا کسی مادے اور نمونے کے پیدا کیا صرف اپنی قدرت اور مشیت کے ذریعہ اسے نہ تخلیق کے لئے نمونہ کی ضرورت تھی نہ تصویر میں کوئی فائدہ سوائے اس کے کہ اپنی حکمت کو مستحکم کرے اور اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوں قدرت کا اظہار ہو، بندے اسکی بندگی کا اقرار کریں تقاضائے عبادت کرے اور اپنی دعوت کو تقویت دے۔ اس نے اطاعت پر ثواب اور معصیت پہ عذاب رکھا تاکہ لوگ اس کے غضب سے دور ہوں اور جنت کی طرف کھنچ آئیں۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ میرے والد حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور وہ رسول ہیں جن کو بھیجنے کے پہلے چنا گیا اور بعثت سے پہلے منتخب کیا گیا۔ اس وقت جب مخلوقات پردۂ غیب میں پوشیدہ اور حجاب عدم میں محفوظ اور انتہائے عدم سے مقرون تھیں آپ مسائل امور اور حوادث زمانہ اور مقدرات کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔ اللہ نے آپ کو بھیجا تاکہ اپنے امر کو تمام کریں حکمت کو جاری کریں اور حتمی مقدرات کو نافذ کریں آپ نے دیکھا کہ امتیں مختلف ادیان میں تقسیم ہیں۔ آگ کی پوجا، بتوں کی پرستش اور خدا کے جان بوجھ کر انکار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ظلمتوں کو روشن کیا۔ دل کی تاریکیوں کو مٹایا آنکھوں سے پردے اٹھائے۔ ہدایت کے لئے قیام کیا۔ لوگوں کو گمراہی سے نکالا اندھے پن سے بابصیرت بنایا۔ دین مستحکم اور صراطِ مستقیم کی دعوت دی۔ اس کے بعد اللہ نے انتہائی شفقت مہربانی اور رغبت کے ساتھ انھیں بلا لیا اب وہ اس دنیا کے مصائب سے راحت میں ہیں ان کے گرد ملائکہ ابرار اور رضائے الٰہی ہے اور سر پر رحمت خدا کا سایہ۔ خدا میرے اس باپ پر رحمت نازل کرے جو اس کا نبی، وحی کا امین، مخلوقات میں منتخب مصطفےٰ اور مرتضیٰ تھا اس پر سلام و رحمت و برکتِ خدا ہو۔

بندگانِ خدا! تم ان کے حکم کا مرکز، ان کے دین و وحی کے حامل، اپنے نفس پہ اللہ کے امین اور امتوں تک اس کے پیغام رساں ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہارا اس پر کوئی حق ہے حالانکہ تم میں اس کا وہ عہد موجود ہے جسے اس نے بھیجا اور وہ بقیہ ہے جسے اپنی خلافت دی۔ وہ خدا کی کتاب ناطق قرآن صادق، نور ساطع ضیاء روشن ہے، جس کی بصیرتیں

برا وہ ہے جو جلدی ناراض ہو جائے اور دیر میں راضی ہو۔

نامحرم پر نظر آنکھوں کی بدکاری ہے۔ (رسول اکرمؐ)

ہیں اور اسرار واضح۔ ظواہر منور۔ اتباع قابل رشک، قائد رضا الٰہی اور سماعت ذریعۂ نجات ہے۔ اسی سے اللہ کی روشن حجتیں اس کے واضح فرائض مخفی محرمات۔ روشن بینات کافی دلائل۔ مندوب فضائل لازمی تعلیمات اور قابل رخصت احکام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد خدا نے ایمان کو شرک کی تطہیر نماز کو تکبر سے پاکیزگی۔ زکوٰۃ کو نفس کی صفائی اور رزق کی زیادتی۔ روزہ کو خلوص کا استحکام۔ حج کو دین کی تقویت۔ عدل کو دلوں کی تنظیم۔ ہماری اطاعت کو ملت کا نظام۔ ہماری امامت کو تفرقہ سے امان۔ جہاد کو اسلام کی عزت۔ صبر کو طلب اجر کا معاون۔ امر بالمعروف کو عوام کی مصلحت۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کو عذاب سے تحفظ۔ صلہ رحمی کو عدد کی زیادتی قصاص کو خون کی حفاظت۔ ایفا نذر کو مغفرت کا وسیلہ ناپ تول کو فریب دہی کا تغیر۔ حرمت شراب خوری کو رجس سے پاکیزگی۔ تہمت سے پرہیز کو لعنت سے محافظت۔ ترک سرقہ کو عفت کا سبب قرار دیا۔ شرک کو حرام کیا تاکہ ربوبیت سے اخلاص پیدا ہو۔ لہٰذا اللہ سے باقاعدہ ڈرو اور بغیر مسلمان ہوئے نہ مرو۔ اس کے امر و نہی کی اطاعت کرو اس لئے کہ اس کے بندوں میں خوف خدا رکھنے والے صرف صاحبان علم و معرفت ہیں۔

لوگو یہ جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں اور میرے باپ محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ یہی اول و آخر کہتی ہوں اور نہ غلط کہتی ہوں اور نہ بے ربط۔ وہ تمہارے پاس رسول بن کر آئے ان پر تمہاری زحمتیں شاق تھیں۔ تمہاری بھلائی کے خواہاں اور صاحبان ایمان کے لئے رحیم و مہربان تھے۔ اگر تم انھیں اور ان کی نسبت کو دیکھو تو تمام عورتوں میں صرف میرا باپ اور تمام مردوں میں صرف میرے ابن عم کا بھائی پاؤ گے اور اس نسبت کا کیا کہنا۔

میرے پدر بزرگوار نے کھل کر پیغام خدا کو پہنچایا۔ مشرکین سے بے پروا ہو کر ان کی گردنوں کو پکڑ کر اور ان کے سرداروں کو مار کر دین خدا کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دی۔ بتوں کو توڑ رہے تھے اور مشرکین کے سرداروں کو سرنگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رات کی صبح ہو گئی حق کی روشنی ظاہر ہو گئی دین کا ذمہ دار گویا ہو گیا۔ شیاطین کے ناطقے گنگ ہو گئے۔ نفاق تباہ ہوا۔ کفر و افترا کی گرہیں کھل گئیں اور تم لوگوں نے کلمۂ اخلاص کو ان روشن چہرہ فاقہ کش لوگوں سے سیکھ لیا جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا اور حق طہارت عطا کیا۔ تم جہنم کے کنارے تھے میرے باپ نے تمہیں بچایا۔ تم ہر لالچی کے لئے مال غنیمت اور ہر زود کار کے لئے چنگاری تھے۔ ہر پیر کے نیچے پامال تھے۔ گندہ پانی پیتے تھے۔ پتے چباتے تھے۔ ذلیل اور پست تھے۔ ہر وقت چار طرف سے حملے کا اندیشہ تھا لیکن خدا نے میرے باپ کے ذریعہ تمہیں ان تمام مصیبتوں سے بچا لیا

خیر ان تمام باتوں کے بعد بھی جب عرب کے نامور سرکش بہادر اور اہل کتاب کے باغی افراد نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے بجھا دیا یا شیطان نے سینگ نکالی یا مشرکوں نے منہ کھولا تو میرے باپ نے اپنے بھائی کو ان کے حلق میں ڈال دیا۔ وہ اس وقت تک نہیں پلٹے جب تک ان کے کانوں کو کچل نہیں دیا اور ان کے شعلوں کو آب شمشیر سے بجھا نہیں دیا۔ وہ اللہ کے معاملہ میں زحمت کش اور جدوجہد کرنیوالے تھے اور تم عیش کی زندگی آرام سکون چین کے ساتھ گذار رہے تھے ہماری مصیبتوں کے منتظر اور ہماری خبر بد کے خواہاں تھے۔ تم لڑائی سے منہ موڑتے تھے اور میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔ پھر جب اللہ نے اپنے نبی کے لئے انبیاء کے گھر

آنکھوں کو بدکاری سے بچاؤ۔ نامحرم پر نگاہ نہ ڈالو۔

جوانی جنون کی شاخ ہے۔ (رسول اکرمؐ)

اور اصفیاء کی منزل کو پسند کرلیا تو تم میں نفاق کی روشنی ظاہر ہوگئی چادر دین کہنہ ہوگئی۔ گمراہوں کا منادی بولنے لگا۔ گمنام منظرِ عام پر آگئے۔ اہل باطل کے دودھ کی دھاریں بہہ بہہ کر تمہارے صحن میں آگئیں شیطان نے سر نکال کر تمہیں آواز دی تو تمہیں اپنی دعوت کا قبول کرنے والا اور اپنی بارگاہ میں عزت کا طالب پایا تمہیں اٹھایا تو تم ہلکے دکھائی دیئے۔ بھڑکایا تو غصہ ور ثابت ہوئے۔ تم نے دوسرے کے اونٹ پر نشان لگا دیا اور دوسرے کے چشمہ پر وارد ہوگئے حالانکہ ابھی زمانہ قریب کا ہے اور زخم کشادہ ہے جراحت مندمل نہیں ہوئی اور رسولؐ قبر میں سو بھی نہیں سکے۔ یہ جلدی تم نے فتنہ کے خوف سے کی حالانکہ فتنہ ہی میں گرے اور جہنم تو تمام کفار کو محیط ہے۔

افسوس تم پر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم کہاں جارہے ہو۔ تمہارے درمیان تو خدا موجود ہے جس کے امور واضح۔ علائم روشن۔ ممانعت تابندہ۔ اوامر نمایاں ہیں تم نے اسے پسِ پشت ڈالدیا۔ کیا اس سے انحراف کے خواہاں ہو یا کوئی دوسرا حکم ہے تو بہت برا بدل ہے اور جو غیر اسلام کو دین بنائے گا اس سے وہ قبول بھی نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ بھی ہوگا۔

اس کے بعد تم نے صرف اتنا انتظار کیا کہ اس کی نفرت ساکن اور مہار ڈھیلی ہوجائے پھر آتش جنگ کو روشن کرکے شعلوں کو بھڑکانے لگے۔ شیطان کی آواز پر لبیک کہنا اور دین کے انوار کو خاموش کرنا اور سنت پیغمبرؐ کو برباد کرنے کی کوشش شروع کردی بالائی جہاد میں اپنی سیری سمجھتے ہو اور رسولؐ کے اہل و اہلبیتؑ کے لئے پوشیدہ ضرر رسانی کرتے ہو ہم تمہارے حرکات پر یوں صبر کرتے ہیں جیسے چھری کی کاٹ اور نیزے کے زخم پر۔ تمہارا خیال ہے کہ میرا میراث میں حق نہیں۔ کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو جبکہ ایمان والوں کے لئے اللہ سے بہتر کوئی حاکم نہیں؟

تمہارے لئے مہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ میں اسی نبیؐ کی بیٹیؑ ہوں۔ اے ابوبکر کیا مجھے ان کی میراث نہ ملے گی۔ کیا قرآن میں یہی ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں۔ یہ کیسا افتراء ہے؟ کیا تم نے قصداً کتابِ خدا کو پس پشت ڈالدیا جبکہ اس میں سلیمان کے وارث داؤد ہونے کا ذکر ہے اور حضرت زکریا کی یہ دعا ہے کہ خدایا مجھے ایسا ولی دے جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور یہ اعلان ہے کہ قرابتدار بعض بعض سے اولیٰ ہیں اور یہ ارشاد ہے کہ خدا اولاد کے بارے میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کا دوگنا ملے اور یہ تعلیم ہے کہ مرنے والا اپنے والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کرے یہ متقین کی ذمہ داری ہے اور ـــ تمہارا خیال ہے کہ نہ میرا کوئی حق ہے نہ میرے باپ کی میراث ہے نہ میری کوئی قرابتداری ہے کیا تم پر کوئی خاص آیت آئی ہے جس میں میرا باپ شامل نہیں ہے یا تمہارا کہنا یہ ہے کہ میں اپنے باپ کے مذہب سے الگ ہوں اس لئے وارث نہیں کیا تم عام و خاص قرآن کو میرے باپ اور میرے ابن عم سے زیادہ جانتے ہو۔ خیر ہوشیار ہوجاؤ۔ آج تمہارے سامنے وہ ستم رسیدہ ہے جو کل تم سے قیامت میں ملے گی جب اللہ حاکم، محمدؐ طالبِ حق ہوں گے موعد قیامت کا ہوگا۔ ندامت کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا اک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوگا کہ کس کے پاس رسواکن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔

(اس کے بعد آپ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا) اے جوانمرد گروہ۔ ملت کے قوتِ بازو۔ اسلام کے انصار۔ یہ میرے حق میں چشم پوشی اور میری ہمدردی سے غفلت کیسی ہے۔ کیا وہ رسولؐ میرے باپ نہ تھے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ انسان کا تحفظ اس کی اولاد میں ہوتا ہے۔ تم نے بہت جلدی خوف زدہ ہوکر یہ اقدام کیا حالانکہ تم میں وہ حق والوں کی طاقت تھی جس کے

جوانی کے پودے میں دین کی قلم باندھو تاکہ جنون کا اثر کمزور پڑ جائے۔

لئے میں حیران و پریشان ہوں۔ کیا تمہارا یہ بہانہ کہ رسولؐ کا انتقال ہوگیا تو بہت بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا رخنہ وسیع شگاف کشادہ۔ اتصال شگافتہ ہے۔ زمین ان کی غیبت سے تاریک۔ ستارے بے نور۔ امیدیں ساکن۔ پہاڑ سرنگوں۔ حریم زائل اور حرمت برباد ہوگئی۔ یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ اور بڑی عظیم مصیبت ہے نہ ایسا کوئی حادثہ ہے اور نہ سانحہ۔ خود قرآن نے تمہارے گھروں میں صبح و شام باآواز بلند تلاوت والحاق کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ اس سے پہلے جو کچھ دوسرے انبیاء پر گذرا وہ اٹل حکم اور حتمی قضا تھی اور یہ بھی ایک رسول ہیں جنہیں موت آئے گی تو کیا تم ان کے بعد الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور وہ اہل شکر کو جزا دے کے رہے گا۔

ہاں اے انصار کیا تمہارے دیکھتے سنتے اور تمہارے مجمع میں میری میراث ہضم ہو جائے گی تم تک میری آواز بھی پہونچی تم باخبر بھی ہو۔ تمہارے پاس اشخاص۔ اسباب۔ آلات۔ قوت۔ اسلحہ اور سپر سب کچھ موجود ہے لیکن تم نہ میری آواز پر لبیک کہتے ہو اور نہ میری فریاد کو پہنچتے ہو تم تو مجاہد مشہور رہے ہو۔ خیر و صلاح کے ساتھ معروف ہو۔ منتخب روزگار اور سرآمد زمانہ ہو۔ تم نے عرب سے جنگ میں رنج و تعب اٹھایا ہے۔ امتوں سے ٹکرائے ہو۔ لشکروں کا مقابلہ کیا ہے۔ ابھی ہم دونوں اسی جگہ ہیں جہاں ہم حکم دیتے تھے اور تم مانتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے دم سے اسلام کی چکی چلنے لگی۔ زمانہ کا دودھ نکال لیا گیا۔ شرک کے نعرے پست ہوئے۔ افتراء کے فوارے دب گئے۔ کفر کی آگ بجھ گئی۔ فتنہ کی دعوت خاموش ہوگئی۔ دین کا نظام مستحکم ہوگیا تو اب تم اس وضاحت کے بعد کہاں چلے اور اس اعلان کے بعد کیوں پردہ پوشی کی؟ آگے بڑھ کے قدم کیوں پیچھے ہٹائے؟ ایمان کے بعد کیوں مشرک ہوئے جاتے ہو؟ کیا اس قوم سے جنگ نہ کرو گے جس نے اپنے عہد کو توڑا اور رسولؐ کو نکالنے کی فکر کی اور پہلے تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو جبکہ خوف کا مستحق صرف خدا ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ خبردار میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دائمی پستی میں گرگئے اور تم نے بست و کشاد کے صحیح حقدار کو دور کر دیا۔ آرام طلب ہوگئے اور تنگی سے وسعت میں آگئے جو سنا تھا اسے پھینک دیا اور جو بادلِ ناخواستہ نگل لیا تھا اسے اگل دیا۔ خیر تم کیا اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں۔

خیر مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی تمہاری بے رخی اور بے وفائی کو جانتے ہوئے جس کو تم لوگوں نے شعار بنایا ہے لیکن یہ تو ایک دل گرفتگی کا نتیجہ اور غضب کا اظہار ہے ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے۔ اتمام حجت ہے۔ چاہو تو اسے ذخیرہ کر لو مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے۔ پیروں کا گھاؤ ہے۔ ذلت کی بقا اور غضب خدا اور ملامت دائمی سے موسوم ہے اور اللہ کی اس بھڑکتی آگ سے متصل جو دلوں پر روشن ہوتی ہے خدا تمہارے کرتوت کو دیکھ رہا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہوگا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔ میں تمہارے اس رسولؐ کی بیٹی ہوں جس نے عذاب شدید سے ڈرایا ہے اب تم بھی عمل کرو میں بھی عمل کرتی ہوں۔ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔

خطبۂ زہراؑ

دربار میں جو زورِ خطابت دکھا دیا
لفظوں نے ذوالفقار کو پیچھے ہٹا دیا
خطبہ نے تیر سے کر دیا باطل کو بے نقاب
باغی ہے کون باغِ فدک نے بتا دیا

پیامؔ اعظمی

خصائص الزہراؑ

السید ذیشان حیدر جوادی

کسی شخص کے خصوصیات و امتیازات کے بارے میں دو طرح سے بحث کی جا سکتی ہے۔ ایک بحث کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس کے امتیازات عام افراد بشر اور بنی نوع انسان کے درمیان کیا ہیں اور وہ دوسرے افراد نوع کے مقابلہ میں کن خصوصیات کا حامل ہے اور ایک بحث کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحبان فضل و کمال کے درمیان کیا امتیاز رکھتا ہے اور اسے کون سے خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صاحبانِ فضل و کمال کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

پہلا انداز بحث نسبتاً آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے کہ ہر شخص میں عوام الناس کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ خصوصیات اور امتیازات بہرحال پیدا ہو جاتے ہیں اور ان خصوصیات کو اس کے وجود کا طرۂ امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے —— لیکن دوسرا انداز بحث بہرحال مشکل ہے کہ صاحبانِ کمال کے درمیان امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے باہمی تفاوت کا اندازہ لگایا جائے۔

یہ بحث اس لئے بھی مشکل ہے کہ ہر انسان امتیازات اور خصوصیات کا مالک بھی نہیں ہوتا ہے اور اس لئے بھی مشکل ہے کہ صاحبان کمالات کے درمیان امتیاز قائم کرنا اور خصوصیات کا سراغ لگانا ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں ہے —— پھر اگر موضوع ایسے افراد کی زندگی ہو جہاں قدم قدم پر حد ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو اور حفظ مراتب کے ادنیٰ تغافل سے دین و ایمان اور دنیا و آخرت کے خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

خصائص الزہراؑ کے موضوع پر بحث کرنے کی سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ صدیقۂ طاہرہؑ کا تقابل عام بنی نوع انسان سے نہیں ہو سکتا ہے اور ان کے سامنے دیگر افراد کا تذکرہ بھی ایک طرح کی توہین کا درجہ رکھتا ہے جس طرح ایک شیر دل خاتون نے حاکم ظالم کے دربار میں یہ کہا تھا کہ یہ میرے اوپر الزام ہے کہ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کو دیگر افراد امت اور حکام اسلام سے افضل قرار دیتی ہوں۔ اس لئے کہ افضلیت کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں طرف فضیلت ہو اور صرف کم و بیش کا فرق ہو لیکن جہاں ایک طرف فضیلت ہی فضیلت ہو اور دوسری طرف فقدان ہی فقدان ہو وہاں افضلیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

صاحبان فضل و کمال کے درمیان امتیازات کا پتہ لگانا صاحبان فضل و کمال ہی کا کام ہے۔ عام انسانوں کے بس کا کام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ میرا شمار ان صاحبان فضل و کمال میں نہیں ہے جنھیں اس کام کا اختیار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ کام میرے اختیار کا بہرحال نہیں ہو سکتا ہے —— تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر میں نے اس بحث کا آغاز کیوں کیا

پردیس میں موت شہادت ہے۔ (رسول اکرمؐ)

اور اس طرح کا موضوع کیوں اٹھایا اور مجھے یہ اندازہ کس طرح ہو گیا کہ صاحبان عصمت و فضیلت کے درمیان بھی تفاوتِ کمالات ہو سکتا ہے اور ان کمالات کے درمیان صدیقہ طاہرہؑ کے کمالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔؟

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ میرے ذہن کی اپج نہیں ہے۔ اس کا سراغ آیات قرآن اور احادیث مرسل اعظمؐ میں موجود ہے اور اسی نکتہ نے اس حساس موضوع کے چھیڑنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

رب العالمین نے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ ہم نے مرسلین کے درمیان بھی فضیلت و کمالات کے درجات رکھے ہیں اور ان میں بھی تفاوت مراتب قرار دیا ہے اور سرکار دو عالمؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سردارانِ جوانانِ جنت ہونے کا اعلان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے پدر بزرگوار ان سے بھی افضل ہیں ـــــ جو اس بات کی علامت ہے کہ مرسلینؑ کی طرح ائمہ معصومینؑ کے درمیان بھی کسی نہ کسی اعتبار سے امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔ اور اسی بات نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی کہ تاریخ بشریت و عصمت میں صدیقہ طاہرہؑ کے خصوصیات و امتیازات کا پتہ لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیازاتؑ حاصل ہیں جنہیں امت اسلامیہ نے مسلمہ طور پر صاحب کمال قرار دیا ہے اور ان خواتین کے مقابلہ میں کیا خصوصیات حاصل ہیں جو نگاہ قرآن و سنت میں بھی صاحبان فضل و کمال ہیں اور جن کی فضیلت و شرافت کا اعلان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے کیا ہے ـــــ اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ خواتین ہی کی طرح صدیقہ طاہرہؑ کو صنف رجال کے مقابلہ میں کیا امتیاز حاصل ہے، جس کی بنا پر سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا چاہے آدم ہوتے یا غیر آدم۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا موضوع ایک مضمون کا موضوع نہیں ہے بلکہ ایک مفصل کتاب کا موضوع ہے اس لئے میں صرف اشارات اور علامات پر اکتفا کروں گا اور تفصیلات کا معاملہ ارباب دانش اور اہل علم کے حوالے کر دوں گا تاکہ وہ افراد ملت کو تفصیلات اور تشریحات سے باخبر کر سکیں۔

صدیقہ طاہرہؑ کے امتیازات کی دو قسمیں ہیں۔ ذاتی امتیازات اور اضافی امتیازات۔ اضافی امتیازات کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے تمام رشتے اس قدر بلند و برتر ہوں جس قدر بلند و برتر رشتے صدیقہ طاہرہؑ فاطمہ زہراؑ کے ہیں کہ آپ کا باپ کائنات کے تمام انسانوں سے بالاتر اور آپ کا شوہر امت اسلامیہ کے تمام نامور افراد سے بہتر بلکہ انبیاء و مرسلین سے افضل اور آپ کے فرزند جوانانِ جنت کے سردار اور منصبِ امامت کے مالک۔

وطن کے اعتبار سے جائے پیدائش مدینہ منورہ اور بیت رسالت ـــــ خاندان کے اعتبار سے کائنات کا منتخب ترین گھرانہ بنی ہاشم ـــــ زبان کے اعتبار سے لغت قرآن میں گفتگو کرنے والی جس کی خادمہ متکلمہ بالقرآن کا لقب حاصل کرے ـــــ اور اس طرح کے بے شمار خصوصیات ہیں جو دیگر افراد امت کے مقابلہ میں حاصل ہیں لیکن یہ اضافی کمالات عام طور سے واقعی کمالات کا درجہ حاصل نہیں کر پاتے ہیں کہ ان میں انسان کے ذاتی کسب و اکتساب سے زیادہ دخل پروردگار کے فضل و کرم کا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پروردگار نے اس شخص کو اس فضل و کرم کے قابل سمجھا ہے اور دیگر افراد کو نہیں سمجھا ہے لیکن

اپنے عمل سے جنت کو گھر بناؤ تاکہ موت شہادت بن جائے۔

انکار کرنے والا اور بے محل دینے والا دونوں برابر ہیں (رسول اکرمؐ)

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شخص نے اپنی صلاحیت و استعداد سے یہ امتیاز حاصل کیا ہے — یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اضافی کمالات ہمیشہ دوسرے انسان کے ہوتے ہیں جن کی نسبت دوسرے انسان کی طرف دیدی جاتی ہے اور ذاتی کمالات خود اپنے ہوتے ہیں چاہے زور بازو سے حاصل کیے جائیں یا وہ بھی کرم پروردگار کا نتیجہ ہوں لیکن بہرحال ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے ذاتی کمالات و امتیازات کی چند قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق مادی جسم سے ہے اور ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق روحانیات اور معنویات سے ہے۔ اور پھر روحانیات و معنویات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق علمی پہلو سے ہے اور ایک کا تعاق عملی پہلو سے ہے۔ ذیل میں ان تمام کمالات اور امتیازات کا ہلکا سا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جسمانی امتیازات:-

۱۔ بتول۔ علماء شیعہ و سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مالکِ کائنات نے جناب فاطمہؑ کو بتول قرار دیا تھا اور ان تمام عوارض سے الگ رکھا تھا جن میں عام طور سے ہر عورت ہر مہینہ مبتلا ہوا کرتی ہے۔

علمائے اہلسنت میں صاحب ینابیع المودۃ علامہ قندوزی، صاحب مناقب علامہ صلح کشفی، صاحب ارجح المطالب علامہ امرتسری، صاحب تاریخ بغداد حافظ ابوبکر شافعی، صاحب تاریخ کبیر ابن عساکر، صاحب ذخائر العقبیٰ علامہ طبری اور حافظ سیوطی نے خصائص میں اس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے جس کے بعد کسی شک اور شبہہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اور نہ اس تشکیک کا کوئی اعتبار ہے کہ ہر عورت کے عورت ہونے کا لازمہ جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا ہے یا یہ کہ یہ خون زمانہ حمل میں بچہ کی غذا بن جاتا ہے لہٰذا اس عادت سے پاک عورت نہ حاملہ ہو سکتی ہے اور نہ صاحب اولاد ——— اس لئے کہ ان دونوں باتوں کا جواب جناب مریم کی زندگی میں موجود ہے کہ ایک طرف مریم طاہرہ تھیں اور مادی عوارض سے پاک تھیں اور دوسری طرف قدرت نے عام قوانین فطرت سے ہٹ کر انھیں صاحبِ اولاد بنا دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون طبیعت ایک حقیقی قانون ہے لیکن اس کا پابند خالقِ طبیعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقرر کردہ قوانین میں تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ امیر المومنینؑ کے حیات فاطمہؑ میں عقد ثانی نہ کرنے کا ایک راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رب العالمین نے صدیقہ طاہرہؑ کو تمام عوارض سے پاک رکھا تھا لہٰذا دوسرے عقد کا کوئی داعی اور موجب نہیں تھا۔ علاوہ اس کے کہ کوئی عورت صدیقہ طاہرہؑ کی عظمت اور محبت میں شریک و سہیم نہیں ہو سکتی ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کو بتول قرار دینے کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ عورت ان ایام میں عبادات سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کے اعمال میں یک طرح کا نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ رب العالمین نے یہ پسند نہیں کیا کہ صدیقہ طاہرہؑ کی عبادات میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو اور انھیں کسی زمانے میں بھی عبادات سے محروم رکھا جائے اور اس طرح یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کی ہر خاتون نقص عبادات کا شکار ہو سکتی ہے لیکن صدیقہ طاہرہؑ اس اعتبار سے بھی کامل و اکمل ہیں اور ان کے کردار میں کسی نقص کی گنجائش نہیں ہے۔

مستحق کو محروم کرنے والے اور غیر مستحق کو دینے والے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

احسان کا اہل یا شریف ہے یا دیندار۔ (رسول اکرمؐ)

۲۔ حسن :۔ صدیقہ طاہرہؑ کے جسمانی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم نے انھیں دائمی طور پر عذرا قرار دیا تھا اور ان کی یہ صفت جنت کی ان حوروں سے متشابہ تھی جنھیں "اتراب ابکارا" قرار دیا گیا تھا اور اسی اعتبار سے رسول اکرمؐ نے صدیقہ طاہرہؑ کو حوراء انسیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ فاطمہؑ ظاہری اعتبار سے انسان ہیں لیکن باطنی اعتبار سے حوران جنت کی صفت کی حامل ہیں۔

معنوی کمالات :۔ ۱۔ ان کمالات میں سب سے واضح کمال آپ کا محدثہ ہونا ہے کہ آپ ملائکہ سے ہمکلام ہوتی تھیں اور ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام کیا کرتے تھے۔ امر و نہی اور آیات قرآن کی وحی رسول اکرمؐ پر تمام ہو گئی لیکن دیگر معاملات کی وحی اور اس کے الہام کا سلسلہ برابر جاری رہا جس طرح کہ قرآن مجید نے مادر جناب موسیٰ اور جناب مریم کو منزل وحی قرار دیا ہے اور ملائکہ سے ہمکلام ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے اس محدثہ ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے ان تمام الہامات کو اس طرح جمع کر لیا کہ ایک صحیفہ تیار ہو گیا جسے مصحف فاطمہؑ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ یہ صحیفہ حجم اور ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن کا تین گنا ہے لیکن اس میں قرآن کے مطالب و معارف کی تکرار نہیں ہے بلکہ ان تمام معاملات کا تذکرہ ہے جن کی ضرورت عالم انسانیت کو ہو سکتی ہے اور ان تمام حادثات اور حکومتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت تک قائم ہونے والی ہیں۔

اس مقام پر یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ کوئی دوسرا قرآن ہے جس پر کسی قوم یا مذہب نے اعتماد کیا ہے۔ قرآن ایک ہی قرآن ہے جس کا شریک و سہیم اہلبیت اطہارؑ کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک صحیفہ ہے جسے لغوی اعتبار سے مصحف کہا گیا ہے کہ مصحف لغوی اعتبار سے مجموعہ رسائل و کلمات کا نام ہے۔ قرآن مجید کو اصطلاحاً مصحف کہا جاتا ہے ورنہ یہ لفظ بالکل عام ہے جس کا اطلاق ہر صحیفہ اور کتاب پر ہو سکتا ہے۔

وحی کا اطلاق بھی قرآن مجید نے مختلف مقامات پر الہام اور القاء پر کیا ہے اور اس کا کوئی اختصاص آیات قرآن یا احکام شریعت سے نہیں ہے۔ اس کا استعمال شہد کی مکھی کے بارے میں ہوا ہے تو بشر تو بشر ہے۔ پھر اگر بشر بھی خیر البشر ہو اور اس کا مرتبہ تمام عالم بشریت سے بالاتر ہو۔

۲۔ طہارت :۔ مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہؑ کو تطہیر کا مرکز قرار دیا ہے اور آیت تطہیر کے نزول کے لئے ان کے گھر اور ان کی چادر کا انتخاب کیا ہے جس کا اعتراف بیشمار محدثین اور مفسرین نے کیا ہے اور حدیث کساء میں اس واقعہ کی مفصل تشریح موجود ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کساء کے دو نسخے رائج ہیں ایک علامہ طریحی کی منتخب سے نقل کیا گیا ہے اور ایک کتاب عوالم ہے۔ منتخب کا نسخہ مختصر ہے اور اس میں جواب سلام کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ بہت سے القاب و خطابات کا بھی تذکرہ نہیں ہے اور ابتدا بصیغۂ مجہول (رُوِیَ) سے ہوئی ہے جبکہ عوالم کے نسخہ میں جابر بن عبداللہ الانصاری کی صراحت موجود ہے اور انھیں راوی اول قرار دیا گیا ہے۔ منتخب کے رُوِیَ ہی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے حضرات نے روایت کے ضعیف اور غیر مستند ہونے کا اعلان کر دیا اور انھیں تحقیق کرنے کی توفیق نہیں ہوئی حالانکہ عوالم کے نسخہ میں اس کے راوی اور مکمل اسناد کا تذکرہ موجود ہے۔ جس کے بعد کسی شک اور شبہہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

طالب خیر ہو تو شرافت و دیانت پیدا کرو۔

خالق کی نافرمانی کے ساتھ مخلوق کی فرمانبرداری حرام ہے۔ (رسول اکرمؐ)

عوالم العلوم جلد گیارہ میں حافظ شیخ عبداللہ بن نوراللہ بحرانی نے اس حدیث مبارک کا تذکرہ اس سلسلہ کے ساتھ کیا ہے سید ہاشم بحرینی از سید ماجد بحرینی از شیخ حسن بن زین الدینؒ از مقدس اردبیلی از علی بن عبدالعالی کرکی از علی بن ہلال الجزائری از شیخ احمد بن فہد الحلی از شیخ علی بن الخازن الحائری از شیخ ضیاء الدین علی بن شہید اول از فخر المحققین از علامہ حلی از محقق حلی از شیخ ابن نما حلی از محمد بن ادریس حلی از ابی حمزہ طوسی از محمد بن شہر آشوب از طبرسی صاحب احتجاج از شیخ جلیل حسن بن محمد بن الحسن الطوسی از شیخ الطائفہ از شیخ مفید از شیخ ابن قولویہ از شیخ کلینیؒ از علی بن ابراہیم بن ہاشم از ابراہیم بن ہاشم از احمد بن محمد ابی نصر بزنطی از قاسم بن یحییٰ الجلا کوفی از ابوبصیر از ابان بن تغلب از جابر بن یزید جعفی از جابر بن عبداللہ الانصاری —— از فاطمہ زہراؑ۔

۳۔ صداقت:۔ میدان مباہلہ میں رسول اکرمؐ اسلام کے عقائد کی حقانیت، قرآن کی عظمت اور اپنی صداقت کے گواہ لیکر نکلے تو خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا جو اس بات کی علامت ہے کہ مردوں میں چار مرد بیک وقت ایک جیسی صداقت کے حامل نکل آئے لیکن صنف خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی ایسا نہ تھا جسے رسالت کا گواہ بنا کر پیش کیا جاتا اور یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ تن تنہا بھی رسالت کی گواہی کیلئے کافی ہیں تو ان سے کسی معاملہ میں گواہی طلب کرنا قرآن مجید سے تغافل یا مقابلہ کے مترادف ہے۔

۴۔ شجاعت:۔ شجاعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک شجاعت کا اظہار قوت قلب و جگر سے ہوتا ہے جو عام طور سے خطرات کی منزل اور میدانوں میں سامنے آتی ہے اور ایک شجاعت کا اظہار زور زبان سے ہوتا ہے جہاں سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کیا جاتا ہے۔

مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہؑ کو دونوں طرح کی شجاعت سے نوازا تھا۔

قوت قلب و جگر کے اعتبار سے وہ منظر بھی قابل توجہ ہے جب رسول اکرمؐ کا سارا گھر کفار و مشرکین کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔

خانۂ رسالت میں اگر ایک طرف شیر خدا علیؑ مرتضیٰ بستر رسالت پر محو استراحت تھے تو دوسری طرف صدیقہ طاہرہؑ نہایت ہی کمسنی کے عالم میں اس محاصرہ کا مقابلہ کر رہی تھیں اور آپ تک کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں تھا جبکہ انھیں کفار کے خوف سے بڑے بڑے بہادر افراد حزن و خوف میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

خود میدان احد میں بھی اس شجاعت کا ایک منظر دیکھنے میں آیا جہاں کفار و مشرکین کے خوف سے سپاہیان اسلام نے میدان چھوڑ دیا لیکن صدیقہ طاہرہؑ جناب صفیہؓ کے ہمراہ میدان میں آگئیں اور جناب حمزہ کے لاشہ پر گریہ بھی کیا اور اپنے باپ کے زخموں کا علاج بھی کیا۔

احد کی جنگ کا نقشہ دیکھنے والے اور قرآن مجید میں اصحاب رسولؐ کے فرار کی داستان پڑھنے والے صدیقہ طاہرہؑ کی اس قوت قلب و جگر کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور انھیں احساس ہو سکتا ہے کہ اس قیامت خیز موقع پر میدان جہاد کی طرف قدم بڑھانا کس ہمت اور طاقت کا کام ہے۔

ادبی شجاعت کے لئے تاریخ صدیقہ طاہرہؑ کا وہ قیامت خیز موقع ہی کافی ہے جب رسول اکرمؐ کے بعد اپنے حق کے اثبات کے لئے دربار خلافت میں آئیں اور وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس نے اہل دربار کے دل ہلا دیئے اور حاکم وقت کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ تاریخ میں اس خطبہ اور اس کے

وہی نوکری کرو جو شریعت کی پابندی میں رکاوٹ نہ بنے۔

عورت شیطان کی رسّی (آلۂ کار) ہے۔ (رسول اکرمؐ)

متعلقات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے اور اس تذکرہ سے اس شجاعت و ہمت کا مکمل اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس خطبہ میں اسلامی احکام کے علل و اسباب۔ آیاتِ قرآنی سے استدلال، انصار و مہاجرین کی غیرت کو چیلنج اپنے حق کے اثبات اور عورتوں کے حقوق سے دفاع کے بارے میں جن حقائق و معارف کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا ہوش پرسکون حالات میں بھی نہیں رہ جاتا ہے چہ جائیکہ ایسے سنگین حالات میں اور ایسے سخت ترین ماحول۔ ایسا خطبہ ایک خاتون کی زندگی کا وہ شاہکار ہے جسے معجزہ و کرامت سے کم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔

تسبیح فاطمہؑ :- اضافی کمالات اور ذاتی مناقب کے بعد اسلام میں صدیقہ طاہرہؑ کی عطا کا جائزہ لیا جائے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

صدیقہ طاہرہؑ نے ملت اسلامیہ کو درسِ تسبیح بھی دیا ہے اور اسلام کو محافظ بھی فراہم کئے ہیں۔ درسِ تسبیح کے اعتبار سے آپ کی تسبیح آج بھی ہر نماز کی تکمیل اور ہر عبادت کی جان ہے۔ معنوی اعتبار سے تسبیح تکبیر۔ تحمید اور تسبیح سے مرکب ہے اور ظاہری اعتبار سے ابتدا میں یہ تسبیح دھاگے کی گرہوں سے بنائی گئی۔ اس کے بعد جب جناب حمزہ کی شہادت واقع ہوئی تو معصومۂ عالمؑ نے ان کی خاکِ قبر سے تسبیح کے دانے تیار کئے اور اسی طرز عمل کے اتباع میں امام سجادؑ نے خاک قبر سید الشہداء سے تسبیح کے دانے تیار کئے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ خاک شفا خود بھی تسبیح پروردگار کرتی رہتی ہے چاہے کوئی تسبیح پڑھنے والا ان دانوں پر ذکر خدا نہ بھی کرے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے اگر سورہ جمعہ کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ تسبیح پروردگار کر رہا ہے تو جن ذرات میں خونِ معصوم جذب ہو گیا ہے ان کے تسبیح پروردگار کرنے میں کیا تعجب ہے۔

تسبیح کے بارے میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ دانے ذکر خدا کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ذکر وہی ہے جو انسان کی زبان پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر پلاسٹک کے دانوں کو ذریعہ بنا کر صلوات بھی پڑھی جاسکتی ہے اور خاک شفا کے دانوں کو ذریعہ بنا کر لعنت بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اس کا کوئی تعلق دانوں سے نہیں ہے۔ دانوں پر نہ صلوات پڑھی جاتی ہے اور نہ لعنت۔ دانے صرف عدد و شمار کرنے کا ذریعہ ہیں بلکہ خاک شفا کے دانے خود بھی ظالموں پر اس طرح لعنت کرتے ہیں جس طرح ذکر پروردگار کرتے رہتے ہیں۔

اسلام کو محافظ فراہم کرنے میں صدیقہ طاہرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں مالکِ کائنات نے مصداق کوثر قرار دیا ہے اور ایک وحدت میں بے پناہ کثرت کو سمو دیا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ وہ دخترِ پیغمبرؐ ہیں جو نسل پیغمبرؐ کی بقا کا ذریعہ ہیں جبکہ دنیا میں ہر انسان کی نسل بیٹے کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ اللہ نے پیغمبر اسلامؐ کی نسل کو بیٹی کے ذریعہ قرار دیا اور پھر اس میں اس قدر برکت دیدی کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق آج دنیا میں تقریباً ۳۵ - ۴۰ ملین سادات پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے تقریباً ۲۰ لاکھ عراق میں ۴۰ لاکھ ایران میں۔ ۵۰ لاکھ مصر میں، ۵۰ لاکھ مغرب میں پھر لاکھوں کی تعداد میں الجزائر۔ تیونس۔ اردن۔ شام۔ لبنان۔ سوڈان۔ خلیج اور سعودی عرب میں۔ پھر تقریباً ۲ کروڑ یمن۔ ہندوستان۔ پاکستان۔ افغانستان۔ انڈونیشیا وغیرہ میں ــ جیسا کہ "فاطمۃ الزہراءؑ من المہد الی اللحد" کے مصنف نے تحریر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے صدیقہ طاہرہؑ کے خصوصیات

عورت کو شیطان کے تسلط سے بچاؤ۔

وہ قوم بھلائی سے محروم رہے گی جس کی حاکم عورت ہو۔ (رسول اکرمؐ)

اور امتیازات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کے جن کمالات میں دوسرے افراد شریک ہیں ان میں بھی صدیقہ طاہرہؑ کو ایک امتیاز حاصل ہے۔

مثال کے طور پر اگر نسبی اعتبار سے بعض خواتین معصوم کی بیٹی۔ یا زوجہ یا ماں ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ ہر اعتبار سے عصمتی رشتہ کی مالک ہیں اور ان کے دو فرزند امام ہیں۔

اگر طہارت کے اعتبار سے مریم بتول ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ زوجہ شیر خدا ہونے کے باوجود اور اپنے فرزندوں کی ولادت کے باوجود بتول ہیں۔

اگر بعض خواتین کو ملائکہ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہے تو صدیقہ طاہرہؑ نے ایک پورا مصحف بطور وراثت چھوڑا ہے جو دو چار کلمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اولین و آخرین کے حالات و کوائف کا مجموعہ ہے۔

اگر صداقت کے اعتبار سے مادر جناب عیسٰیؑ صدیقہ ہیں تو جناب فاطمہ زہراؑ صدیقہ کبریٰ ہیں کہ مریم اپنی عصمت میں عیسٰیؑ کی گواہی کی محتاج تھیں اور صدیقہ طاہرہؑ نے مباہلہ میں رسول اکرمؐ کی صداقت کی گواہی دی ہے۔

اگر شجاعت کے اعتبار سے رسول اکرمؐ اور مولائے کائنات نے مرد ہو کر ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے تو صدیقہ طاہرہؑ نے صنف نازک سے تعلق رکھنے کے باوجود اس ہمت و طاقت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ادبی شجاعت میں اگر مولائے کائنات نے مجمع مسلمین میں خطبے دیئے ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ نے دشمنوں کے اجتماع میں خطبہ پڑھا ہے اور وہاں خطبہ پڑھا ہے جہاں مولائے کائنات بیت الشرف میں تھے اور صدیقہ سر دربار گرم خطابت تھیں اور باطل کو مکمل طور پر بے نقاب کر رہی تھیں۔ صدیقہ طاہرہؑ کے شرف کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مباہلہ میں رسالت کو ضرورت پڑی تو اس کی گواہی دی اور خلافت میں امامت کو ضرورت پڑی تو اس کی وکالت کا فرض انجام دیا۔ فسلام اللہ علیہا و علی ابیہا و بعلہا و بنیہا و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

قطعہ

آیت تطہیر تو اک مطلع تفسیر ہے
تیری ساری زندگی تطہیر ہی تطہیر ہے
تیری صورت کا تتمہ صبر زینبؑ کا کمال
تیری محنت کا نتیجہ عصمت شبیرؑ ہے

قاسم شبیر نقوی
الہ آبادی

قطعہ

آج بھی دیتا ہے کعبہ یہ صدائیں بار بار
اس جہاں نے آج بھی ذات علیؑ جانی نہیں
خاص لوگوں نے مسلماں کو اندھیروں میں رکھا
بات احمدؐ کی کبھی مانی کبھی مانی نہیں

عالم سنبھلی

عورت حکومت کے لئے نہیں تربیت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

ڈاکٹر پیام اعظمی

فاطمہؑ بعدِ پیغمبرؐ

پیغمبر اسلام نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
سلسلۂ وحی ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔
فرشتوں نے اپنے پر سمیٹ لیے۔
امینِ وحی نے زمین پر الوداعی نظر ڈالی اور
رخصت ہو گئے

اب
اسلام کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ دار تنہا علیؑ کی ذات ہے اور علیؑ کے لیے واحد سہارا فاطمہؑ ہیں۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر اگر علیؑ نہ ہوتے تو اللہ کا دین ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ لیکن اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو "حالات" علیؑ کو ایک سانس بھی لینے کی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد آنے والا پہلا لمحہ علیؑ کے لیے موت کا پیغام لے کے آیا تھا مگر فاطمہؑ علیؑ کے لیے پناہ گاہ بن گئیں موت نے بار بار علیؑ کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر فاطمہ زہراؑ نے علی کے گرد اپنے آنسوؤں کا ایسا حصار کھینچ دیا۔ جس سے ٹکرانا ناممکن تھا۔ نوزائیدہ اقتدار نے کئی مرتبہ ہاتھ بڑھایا کہ علی کی شمعِ حیات گل کر دے مگر ہر بار فاطمہؑ سینہ سپر ہو گئیں۔ شمعِ امامت گل کرنے کیلئے منحرف طاقت برسرِ پیکار ہوئی تو عصمتِ زہراؑ فانوس بن گئی

اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا کہ اربابِ حکومت علیؑ کے مقابلے میں بری طرح احساسِ کمتری کا شکار تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ علیؑ کے مقابلے میں ہم سب پستہ قد نظر آتے ہیں وہ جانتے تھے کہ علیؑ کے مقابلے میں ہماری شخصیتیں پس منظر میں کھو جاتی ہیں۔ انھیں علم تھا کہ آیاتِ قرآن اور فرمودات رسولؐ علیؑ کے ساتھ ہیں۔ انھیں احساس تھا کہ علیؑ کا دامنِ حیات علم و حکمت شجاعت و فداکاری ایثار و قربانی کے محیرالعقول کارناموں سے گھرا ہوا ہے ـــــ علیؑ کی عظمت و جلالت ان کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ علیؑ کے ہوتے ہوئے اپنے اقتدار کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے۔ وہ علیؑ کی ہیبت کردار سے خوف زدہ تھے اور اسی خوف نے انھیں تشدد پر آمادہ کر رکھا تھا۔

لہذا انھوں نے اپنی پہلی فرصت میں یہ طے کر لیا کہ یا تو علیؑ "بیعت" یعنی عہد اطاعت کر لیں ورنہ پھر نام نہاد اسلامی حکومت سے بغاوت کا الزام لگا کے قتل کر دیا جائے ظاہر ہے کہ ایک معصوم کے لیے غیر معصوم کی بیعت محال ہے ناممکن تھا کہ علیؑ اہل حکومت کی بیعت کر لیں اور اسلام فنا کے گھاٹ اتر جائے۔

لیکن علیؑ اگر بیعت نہ کریں تو انھیں قتل ہونے سے کون بچائے؟ ـــ یہ اس وقت کی تاریخ کا سب سے بڑا سوال تھا جس کا جواب تنہا بنتِ رسولؐ نے دیا۔

ظالم حاکم کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی۔ (رسول اکرمؐ)

یہیں پہونچ کے ہمیں فاطمہؑ زہرا کے وجود کا احساس ہوتا ہے اور ان کی مختصر حیات کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔۔۔ آج اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو علیؑ کو کون بچا سکتا تھا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کے نمائندے بار بار علیؑ کی موت کا پیغام لے کے آتے ہیں مگر فاطمہؑ کی ذات اقدس راستے میں حائل ہو جاتی ہے۔ خلافت کے ہرکارے آگے بڑھتے ہیں مگر فاطمہؑ کے رونے کی آواز ان کو الٹے قدموں واپس جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ایسا بھی ہوا کہ تشدد پر آمادہ ہجوم اسلحے لیے ہوئے شور و غل کرتا ہوا علیؑ کے دروازے پر پہونچا جن کی تلواریں علیؑ کے خون کی پیاسی تھیں۔ علیؑ کو باہر نکلنے کے لیے گھر میں آگ لگانے کا اعلان کیا گیا مگر یک بیک فاطمہؑ کی فریاد کانوں سے ٹکرائی۔۔۔ ایسی فریاد جسے سن کے پتھر بھی پگھل سکتے تھے۔۔۔ تلواریں جھک گئیں آوازیں بلند کرنے والے خاموش ہو گئے۔ بنی آخرؐ کی یتیم بیٹی کی آواز نے دلوں کو تڑپنے پر مجبور کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔ بدلے ہوئے ماحول کو دیکھ کر اہل اقتدار مجمع کو لے کے واپس پلٹ گئے۔

بعد میں پھر لوگ اکٹھا کیے گئے، شاید اب کے بار کا غضب ناک مجمع گریہ فاطمہؑ سے بھی متاثر ہونے والا نہیں تھا۔ پوری تیاری کے ساتھ علیؑ کو قتل کر دینے والا جذبہ در زہراؑ سے ٹکرایا اور لوگوں نے دیکھا کہ غیض و غضب کا وہ شعلہ جو علیؑ کے خرمن حیات کو جلا دینے کے لیے بلند ہوا تھا اسے علیؑ تک پہونچنے سے پہلے ہی سیدۂ عالمیان کے مقدس پہلو کے زخموں سے بہے ہوئے مقدس خون نے بجھا دیا۔ اور شاہزادی کی ٹوٹی ہوئی پسلیاں علیؑ کی سپر بن گئیں

ایسا بھی ہوا کہ ایک دن علیؑ گرفتار کر لیے گئے گلے میں رسی باندھ دی گئی۔۔۔ لیکن فاطمہؑ چادر اوڑھے ہوئے گھر سے باہر آ گئیں مدینے کی زمین لرز اٹھی علیؑ سے بیعت کا سوال پس پشت چلا گیا کیونکہ لوگوں کے سامنے ایک دوسرا سوالیہ نشان آ گیا تھا حساس اور شریف مسلمان یہ سوچنے لگے کہ ہمارے نبیؐ کی بیٹی چند دنوں میں اس قدر نحیف و لاغر کیوں ہو گئی؟ اس عمر میں کمر کیوں خم ہو گئی؟ عصا کا سہارا لے کے کیوں چل رہی ہیں؟۔۔۔ اور جب اہل سیاست نے دیکھا کہ جذبات اس وقت اہلبیتؑ رسول کے ساتھ ہیں گھبرا کے علیؑ کو چھوڑ دیا۔

فدک پر قبضہ کر لیا گیا یقیناً یہ اقدام کرنے والے اپنے اس عمل سے کئی مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یعنی اس طرح وہ اپنے مالیات میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا مقصد اہلبیتؑ کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر دینا تھا۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح فقرا و مساکین کا رابطہ بھی اہلبیت سے ختم ہو جائے گا۔ چوتھا مقصد تھا کہ اہلبیت رسولؐ کی خصوصی حیثیت کو ختم کر کے انھیں "رعایا" کی عمومی سطح پر کھڑا کیا جا سکے۔۔۔ مگر ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اس طرح علیؑ گھر سے میدان میں نکل آئیں گے اور انھیں آسانی سے قتل کر دینے کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔

مگر انھوں نے دیکھا کہ علیؑ کے بجائے فاطمہؑ زہرا انتہائی پرامن طور پر "دعویٰ ہبہ" کر رہی ہیں۔ نتیجے میں فاطمہؑ اور ان کے گواہوں کو جھٹلا دیا گیا۔۔۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ پھر معصومہ نے وراثت کا مطالبہ کر دیا یہ ایسا دعویٰ تھا جس کے لیے گواہ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ "باپ بیٹی" کے رشتے سے کون انکار کر سکتا تھا؟ جواب میں پیغمبرؐ سے منسوب کر کے ایک ایسی لاوارث حدیث

علی الاعلان گناہ کرنے والا میری شفاعت نہ پائیگا۔

مومن کا راز ظاہر کرنا بھی خیانت ہے۔ (رسول اکرمؐ)

سنادی گئی جو آج بھی اپنے راویوں کا منہ چڑھا رہی ہے۔

بظاہر فاطمہؑ فدک کے سلسلے میں ناکام لوٹ آئیں مگر حقیقت یہ ہے کہ فاطمہؑ نے ایک ایسی کامیابی حاصل کر لی تھی جس کی مثال ناممکن ہے یعنی فاطمہؑ نے اہل اقتدار پر ایسی کاری ضرب لگا دی تھی کہ بے چارے خود اپنے ہی زخموں کے اندمال کی کوششوں میں مشغول ہو گئے اور انھیں اس کا موقع نہ مل سکا کہ وہ علیؑ کو قتل کر دیں۔

وہ دماغ جو ہر وقت "قتل علیؑ" کا پروگرام ترتیب دینے میں مصروف تھے اب اپنے ہی دامن پر لگے ہوئے داغ دھبوں کو چھپانے کے لیے تاویلیں ڈھونڈھنے میں پھنس گئے۔

ذرا سوچیے! ایک دن جو لوگ برہنہ تلواریں لیے علیؑ کو قتل کرنے کے لیے در سیدہؑ پر جمع ہوئے تھے آج وہی لوگ اسی بارگاہ میں معذرت کرنے اور معافی مانگنے کے لیے حاضر ہونے پر مجبور ہیں۔

کل جن پیشانیوں پر غیض و غضب کی شکنیں تھیں آج انھیں پیشانیوں پر عرق ندامت ٹپک رہا تھا یہ وہ "انقلاب فاطمہؑ" ہے جس کی مثال تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔

اور جب تقریباً تین مہینے گذر گئے تو اہل اقتدار کا خوف بھی ختم ہو گیا اور انھیں یقین ہو گیا کہ علیؑ حکومت کے حصول کیلئے طاقت کا استعمال نہیں کریں گے وہ قرآن کی حفاظت اور شریعت کی وضاحت پر قناعت کر چکے ہیں۔ ہمارا راستہ الگ ہے ان کا راستہ الگ انھیں ان کا کام کرنے دو ہم اپنا کام کریں۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد فاطمہ زہراؑ تقریباً ۹۰ دن زندہ رہیں اور علیؑ کی حفاظت کرتی رہیں اور جب خطرہ ٹل گیا تو شاہزادی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

مشکل کشا کی مشکل کشائی فاطمہ زہراؑ کا کام تھا۔

وہ جس طرح عائلی زندگی میں علیؑ کی دمساز تھیں اسی طرح جادۂ امامت میں بھی علیؑ کی کارساز تھیں۔ معصومہؑ نے ایک طرف علیؑ کی شمع حیات کو بجھنے سے بچایا ہے تو دوسری طرف علیؑ کے مقصد حیات کی بھی حفاظت کی۔

ہوا یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی امت نے یہ طے کر لیا کہ قائد کا انتخاب آسمان پر نہیں بلکہ زمین پر ہوگا۔ قیادت کا تعین اللہ و رسولؐ کی مرضی سے نہیں بلکہ ہماری خواہشات کے مطابق ہوگا ــــ یہ ایک ایسا انحراف تھا جس کی کوکھ سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں انحرافات جنم لینے والے تھے اور امت نے ایک ایسے راستے کا انتخاب کر لیا تھا جو تباہی و بربادی کا راستہ تھا اور جس کی منزل دائمی ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی۔

اب علیؑ و فاطمہؑ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اس انحراف کا مقابلہ تلوار سے کرنے کے بجائے کردار سے کریں اور اہل اقتدار سے براہ راست ٹکرانے کے بجائے پرامن احتجاج و تنقید سے کام لے کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کے ورثے کی حفاظت کریں۔ قرآن و مفاہیم قرآن کو تحریف سے بچائیں، اور اپنے قول و عمل سے دنیا کے سامنے اسلام کے حقیقی خد و خال واضح کرتے رہیں اور منحرف تاریخ کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام سے ملنے والی تاریخ کو منقطع نہ ہونے دیں اور اسے آگے بڑھاتے رہیں۔ ان کے بعد ان کی معصوم ذریت بے پناہ قربانیوں کے ذریعے اس سلسلے کی حفاظت کرتی رہی۔ اس طرح اسلام اور انسانیت کی آفاقی

رسولؐ کو امین مانتے ہو تو راز کو امانت رکھو۔

حرام غذا سے بننے والا گوشت حقدارِ دوزخ ہے۔ (رسول اکرمؐ)

قدریں ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہیں اور مسلمانوں میں صالحین کا ایک ایسا طبقہ منظم ہوجائے جو ہر دور میں اسلام کے حقیقی عقائد کا اعلان کرتا رہے اور حکومت کے غیر اسلامی کردار کی نشاندہی کرتا رہے اس کے لیے انھیں خواہ مقتل سے گزرنا پڑے یا دار پر چڑھنا پڑے۔

یہی تھا وہ لائحہ عمل جسے بعد پیغمبر علیؑ و فاطمہؑ نے ترتیب دیا۔

اور ہم جب کہتے ہیں کہ فاطمہؑ زہرا نے محضرِ شہادت حسینؑ پر دستخط کر دیا ـــــ تو اس کا مفہوم اس کے علاوہ کیا ہے کہ وہ جانتی تھیں کہ اب اسلام کی حفاظت عظیم ترین قربانیوں کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں انھیں معلوم تھا کہ خود ان کی اولاد کو خاک و خون میں غلطاں ہونا پڑے گا۔ وہ پوری طرح سمجھ رہی تھیں کہ اب اسلام کو اپنا وجود بچانے کے لیے دشتِ کربلا سے گزرنا پڑے گا۔ وہ آنے والی تاریخ کے نشیب و فراز کا پوری وضاحت کے ساتھ مطالعہ کر رہی تھیں۔ وہ پیش آنے والے واقعات کا مشاہدہ کر رہی تھیں ـــــ اس لیے کہ اسلام کی حفاظت کے لیے قربانیوں کا یہ طریقۂ کار خود فاطمہؑ نے کیا تھا۔ وہ اپنے بچوں کی معصوم نفسیات سے بھی واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ حسنؑ کیا کریں گے؟ اور حسینؑ کو کیا کرنا ہوگا؟ زینبؑ اور ام کلثوم کون سا کارنامہ انجام دیں گی؟

اللہ کتنی عظیم تھی "وہ ماں" جس نے اپنے بیٹوں کی قربانی کا راستہ خود ہی ہموار کیا ہو؟ اس لیے کہ اسلام کی حفاظت کا کوئی دوسرا ذریعہ ممکن ہی نہ تھا۔

اور جب خلافت کی پہلی اینٹ رکھ دی گئی اور غیر معصوم قیادت کا وہ سلسلہ شروع ہوگیا جس میں ایسے افراد بھی بروئے کار آنے والے تھے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کی جگہ دینے کی جرأت کریں گے۔ جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھا دیں گے۔ مسندِ خلافت بزمِ ناؤ نوش میں تبدیل ہو جائے گی ـــ قرآن کا مذاق اڑائیں گے۔ نشہ میں مدہوش امام نمازِ صبح پڑھانے کے بعد مومنین سے پوچھے گا کہ بس کروں یا اور دو چار رکعت پڑھا دوں؟ ـــــ یعنی ان کے نزدیک اللہ کے دین کی حیثیت باندی گاہِ سیاست سے زیادہ نہ ہوگی ـــــ یہ ناممکن تھا کہ علیؑ و فاطمہؑ اسلام کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو فاطمہ زہراؑ نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ ایک ایسی جنگ جو کسی میدانِ جنگ کی محتاج نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے دل و دماغ اور ضمیر میں لڑی جانے والی تھی ـــ ایک طویل ترین جنگ جو نہ جانے کتنی صدیوں تک جاری رہے۔

بے شک یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس جنگ کا آغاز علیؑ نے نہیں بلکہ فاطمہؑ نے کیا۔ اس لیے کہ حالات کی مصلحت کے پیشِ نظر علیؑ وقتی طور پر گوشہ نشین تھے اور جب باہر آئے بھی تو منزلِ احتجاج میں فاطمہؑ آگے تھیں اور علیؑ پیچھے ـــــ لہٰذا پہلا حملہ فاطمہؑ نے کیا پہلی ضرب فاطمہؑ نے لگائی ایک ایسی ضرب جس کا زخم پیکرِ سیاست پر آج بھی تازہ ہے اور سیکڑوں تاویل و تلبیس کا مرہم کو بھی اسے مندمل نہ کر سکا

ایک زمانہ ہوا تو نے کیا تھا سوال
اہلِ جہاں آج تک ڈھونڈھ رہے ہیں جواب

اس انحراف کی پشت پناہی "صحابیت" "قرشیت" کے رشتوں کے ذریعے کی جا رہی تھی اور حضرت عائشہ

حلال روزی کماؤ دوزخ سے نجات پاؤ۔

میرا دوست صرف وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔ (رسول اکرمؐ)

(ام المومنین) اس نقطۂ نظر کی زبردست حامی تھیں اور اس حمایت کے لیے وہ زوجیت پیغمبرؐ کے جذباتی رشتے سے بھرپور کام لے رہی تھی۔ ایسی صورت حال میں مقابلے کے لیے ایک ایسے "رشتے" کی ضرورت تھی جو مذکورہ تینوں رشتوں کے اثرات کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لیے اس موقع کے لیے قدرت نے فاطمہ زہراؑ کا انتخاب کیا تھا کیوں کہ فاطمہؑ کا پیغمبرؐ سے رشتہ تمام رشتوں پر بھاری تھا اور رسولؐ اکرم کی اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سے بے پناہ محبت کے لیے بے شمار حوالے مسلمانوں کو یاد تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب فاطمہ کی آواز بلند ہوتی تھی تو ساری آوازیں دب جایا کرتی تھیں۔

فاطمہؑ نے جنگ کا آغاز اپنے آنسوؤں اور اپنے جگر خراش نوحوں سے کیا اور شریف مسلمانوں کے احساسات کا رشتہ اہلبیتؑ سے ٹوٹنے نہ دیا۔ پھر مقدمہ فدک کے ذریعے "اقتدار" کے سیاسی چہرے سے اسلام کی نقاب اتار لی اور اپنے تاریخی خطبے کے ذریعے، حکومت الٰہیہ کا قرآنی نقطۂ نظر پیش کر کے غیر اسلامی سیاست کی بنیادیں ہلا دیں۔ خطبۂ زہراؑ پیغمبرؐ کے خطبۂ غدیر کا اعادہ تھا جو مسلمانوں کو رسولؐ سے کیا ہوا عہد یاد دلا رہا تھا۔

آخر میں معصومۂ عالمین نے اہل اقتدار کو اپنے جنازے میں شرکت سے محروم کر کے انھیں مصلحین کی فہرست سے نکال کے ظالمین کی فہرست میں شامل کر دیا۔

یہ فاطمہؑ زہرا صلوات اللہ علیہا کا کارنامہ تھا کہ۔

●۔ مسلمانوں میں حکومت کے خلاف تنقیدی شعور پیدا ہو گیا۔

●۔ مسلمانوں میں حکومت کے غیر اسلامی اقدامات پر احتجاج کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔

●۔ ایک ایسا طبقہ عالم وجود میں آگیا جو غیر اسلامی سیاست کے مقابلے میں اسلام کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔

●۔ فاطمہؑ نے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ "اصل اسلام" دربار خلافت میں نہیں بلکہ خانۂ اہلبیتؑ سے ملے گا۔

●۔ فاطمہ زہراؑ نے بتا دیا کہ اہل خلافت مسلمانوں کی قیادت کا نہ حق رکھتے ہیں نہ صلاحیت۔

●۔ فاطمہ زہراؑ نے اس سرفروش جماعت کی تشکیل کر دی جو نہ حکومت سے مرعوب ہوتے تھے نہ خوف زدہ۔

الغرض سیدۂ عالم نے اپنی مختصر حیات کے مختصر ترین وقت میں ایک ایسی کامیابی حاصل کر لی کہ جس کے اثرات آنے والی ہر صدی پر چھائے ہوئے ہیں انقلاب فاطمہؑ کی کامیابی کی سب سے پہلی دلیل یہی ہے کہ جو لوگ ایک دن خانۂ سیدہؑ پر آگ اور لکڑیاں لے کے جمع ہوئے تھے وہی لوگ معافی مانگنے کے لیے اسی چوکھٹ پر حاضر ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس مختصر وقفے میں فاطمہؑ نے گراں نہ مانوں کے لیے روحانی اخلاقی اور فکری دانائیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے جو ہمیشہ دل مومن کو دھڑکاتا رہے گا۔

اسلام جس راستے پر چل کے ہم تک پہنچا ہے یہ فاطمہؑ کا بتایا ہوا راستہ ہے اور حق و صداقت کی ہر آواز فاطمہؑ کی صدائے بازگشت ہے اور انحراف کے نقطۂ آغاز پہ فاطمہؑ نے مقابلہ کیا اور انحراف کے نقطۂ اختتام پر پسر فاطمہؑ آخری جنگ لڑے گا اور انحراف کی اس کتاب کو ہمیشہ کے لیے بند کر دے گا جو آج بے گناہوں کے خون سے لکھی جا رہی ہے۔

محبت کا دعویٰ بغیر تقویٰ بے معنی ہے۔

سیرت فاطمہؑ کے تعلیمی پہلو

سید علی اختر گوپالپوری

بچے کا اولین مدرسہ ماں کی آغوش ہے۔ ماں اپنے بچے کو بولنا سکھاتی ہے، خاندانی روایات سے روشناس کراتی ہے۔ پھر اس کے بعد دوسرے مدرسہ یعنی روایتی مکتب میں بھیجتی ہے۔ اچھی مائیں اولین مدرسہ میں جس طرح پیار، توجہ اور شفقت کے جذبات کے ساتھ درس دیتی ہیں، دوسرے مدرسے میں بھیج کر اس سے غافل نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ اس کے تعلیمی ارتقاء کی طرف ہر وقت نگراں رہتی ہیں۔ یہ نگرانی اور توجہ اسکے اپنے معیار و رفتار کی صحیح سمت پر مرتکز رکھتی ہے، نیز بچے کی ذہنی نشوونما کے ساتھ تیز رفتار ارتقائی مراحل میں معین ہوتی ہے۔ زیادہ تعلیم یافتہ مائیں اپنے بچوں کی روزانہ علمی ترقی کا جائزہ لیتی رہتی ہیں۔

جناب فاطمہؑ ام الائمہؑ تھیں۔ ائمہؑ راسخون فی العلم تھے۔ علم بالقرآن اور مافی الصحف الاولیٰ کے عالم و معلم تھے۔ اس طرح علم و دانش، تعلیم و تربیت، تدریس و تدریب اپنے تمام معانی سمیت جناب فاطمہؑ سے متعلق ہے۔ آپ کی گفتار و کردار، نقل و حرکت، اشارۂ چشم و ابرو، جذبات و احساسات سبھی کچھ وسیع و بلیغ درس و تدریس کا حامل ہے۔ ہمیں سیرت کے واقعات میں تدریسی ضیاباریوں کی سب سے پہلے نشاندہی کرنی چاہیے۔

جناب فاطمہؑ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے جو نمونے چھوڑے انکی بظاہر مدت بہت کم ہے۔ بحیثیت ماں کے آپ کا زمانۂ حیات صرف سات سال کے مختصر عرصے میں محدود ہے۔ لیکن اگر ان کو صحیح سمت میں بلیغ و عمیق جائزہ لیا جائے تو بے انتہا افادیت کے دائرے اولین و آخرین کے تمام روحانی و مادی معلموں کی مساعی جمیلہ کو اپنے احاطے میں لے لینگے۔ کیونکہ آپ معصومہ تھیں۔ جنہیں خداوند عالم نے اپنے خصوصی مکتب سے علم و دانش کا زیور پہنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ آپ کو تدریس کا خدا نے جو میدان عطا فرمایا تھا اس کا سرا قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ بظاہر تعلیم و تربیت کے جو نمونے عطا فرمائے گئے تھے ان میں دو معصوم ہیں جو دنیاوی تعلیم و تربیت سے بے نیاز ہیں۔ خود خدا نے انہیں پاکیزہ ترین زندگی عطا فرمائی اور دنیا میں علم و دانش سے سجا سنوار کر بھیجا۔ دو بچیاں ہیں جنہیں عالمہ غیر معلمہ کی سند حاصل ہے اور زندگی کی سخت ترین آزمائشوں میں قریب بہ عصمت کردار کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق بچے خدا کی امانت ہوتے ہیں۔ اس طرح جناب فاطمہؑ کو خدا کی طرف سے ان چار معصوم اور غیر معصوم امانتوں کی عطا بجائے خود ہمارے لئے معیار درس ہے۔ آپ نے جس طرح انہیں زندگی کے میدان کے لئے سجایا، سنوارا، نکھارا اسے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی تخلیق و صناعی میں ساتھی نظر

ایمان شرک سے پاک کرتا ہے۔ (خاتون عصمتؑ)

بھی شریک ہے۔

ہمارے لئے جناب فاطمہؑ کے تدریسی و تعلیمی پہلو بے شمار ہیں صرف ایک واقعاتی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں ہر سطح عرفان کی مائیں اپنے بچوں کی ابتدائی نشو ونما، تعلیم و تربیت اور تدریب کے جامع اور ہمہ گیر گوشے تلاش کر سکتی ہیں۔ شرط ہے خلوص، صداقت آمیز جائزہ اور عمیق نظر — اگر اس سیرت پر عمل کیا جائے تو مائیں اپنے بچوں کو تمام زندگی ہم جہتی میدان کے لئے تیار کر سکتی ہیں اور یہی تعلیم ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں کتاب الفضائل ابو السعادات اور مناقب بن شہر آشوب کے حوالے سے ایک دور رس روایت نقل کی ہے کہ امام حسنؑ بچپن میں اپنے نانا رسولِ خداؐ کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے۔ وحی کی باتیں سنتے، اسے یاد رکھتے پھر اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنتے وہ سب بیان کر دیتے تھے۔

اس میں امام حسنؑ کا مجلس وعظ میں شریک ہونا اور پھر آکر اپنی والدہ ماجدہ کو سنانا بڑا اہم ہے۔ ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مکتب کے لئے تیار کر کے بھیجیں لیکن یہ تیاری صرف کپڑے پہنانے اور کتاب حوالے کرنے کی حد تک نہ ہو بلکہ اس تیاری کا مطلب ہے کہ انھیں امنڈتے پیار کے ساتھ اس بات کے لئے بھی آمادہ کریں کہ وہ جو کچھ علم حاصل کریں جو کچھ سیکھیں اسے یہاں واپس آکر سنائیں تاکہ اس طرح بچے کی پوری توجہ تعلیم کی طرف رہے وہ اپنا مکتب کا وقت کھیل کود میں برباد نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ واپس جاکر ماں کو سنانے کا پیار بھرا تصور اسے حافظے میں اچھی طرح محفوظ کرنے پر آمادہ کرے گا۔

ماں کا یہ دباؤ، کسی زور زبردستی سے کہیں زیادہ موثر ہے۔ پھر یہ کہ واپس آکر سنانے اور سننے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو بچے کو جو کچھ مکتب میں حاصل ہوا ہے اسے دہرا دینے اور بیان کر دینے سے پوری بات اس کے حافظے میں ہمیشہ کے لئے مرتسم ہو جائیگی۔ آجکل یہی چیز مدارس میں مذاکرے کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔ دوبارہ اسے ذہن و حافظے کی برقی رو پر رائج کر لینے کے بعد وہ کبھی فراموش نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس سے ماں کو فیصلہ کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے کہ جو کچھ اس نے مکتب میں حاصل کیا ہے وہ اسکے عقائد، روایت اور ثقافت سے الگ یا نقصان دہ تو نہیں ہے۔ کیونکہ بچے کا ذہن ایک سادہ ورق ہے۔ اس پر جو بات آج چھپے گی وہ اسکی ہمیشہ کی پونجی ہو جائیگی۔ آہستہ آہستہ یہی بات شعور سے تحت الشعور میں پہونچ جائیگی۔ اس لئے ماں کو اس بچپن کے زمانے میں بہت زیادہ چوکنا رہنا چاہیئے کہ اس کے ذہن و حافظے میں جو سرمایہ جمع ہو رہا ہے وہ اس کی مذہبی، روایتی و ثقافتی حیثیت سے ہم آہنگ ہے یا نہیں۔ آجکل اسکول اور کالج میں جو کچھ عقائد و اخلاق کے خلاف باتیں بنام علم و دانش بچوں کے حوالے کی جا رہی ہیں ان کو اگر مائیں ابتدا ہی میں کنڈم کر دیں تو آئندہ شعور کی پختگی کے وقت اس کی زندگی کے لئے ضرر رساں نہیں ہوں گی۔ اس کام میں بچے کے لئے باپ سے زیادہ ماں کی حیثیت موثر ہے۔ کیونکہ اسی عہد میں بچہ باپ سے زیادہ ماں سے اور اس کے پیار کا زیادہ مورد ہوتا ہے۔

امام حسنؑ جو کچھ اپنی والدہ ماجدہ سے بیان فرماتے اس کو جناب فاطمہؑ اپنے شوہر حضرت علیؑ سے بیان کر دیتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ بچوں کے کارنامے اس کی ماں سب سے پہلے

باقی ص ۸۹ پر

عقیدہ کی پاکیزگی کا معیار غیر خدا کی بندگی سے انکار۔

نماز تکبر سے پاک کرتی ہے۔ (خاتون عصمتؑ)

سید شبیہ الحسن رضوی
لندن

تحریک امامت اور فاطمۃ الزہراؑ

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد فوراً ہی مملکت اسلامیہ جن حالات سے دوچار ہوئی وہ اتنے ناگفتہ بہ تھے کہ اہلبیتؑ اور چند اصحاب کے علاوہ سارا عالم اسلام بالکل منقلب ہوا چاہتا تھا ایسے حالات میں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اہلبیتؑ کا کوئی فرد آگے بڑھتا اور مسلمانوں کے ہدایت کے تسلسل میں پیدا ہونے والے خلل کا سدباب کرتی اس ذمہ داری کو جو شخصیت پورا کر سکتی تھی وہ امیر المومنینؑ کی ذات گرامی تھی مگر مشکل یہ تھی ماحول کو اتنا خراب کر دیا گیا تھا کہ حالات کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو فوراً دبا دیا جا سکتا تھا اور امیر المومنینؑ کو شہید کیا جا سکتا تھا اس لئے اس فریضہ کو یادگار رسالت حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے اوپر عائد کیا اور بظاہر باغ فدک کا مقدمہ لے کر دربار میں پہنچیں لیکن خطبے کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صرف باغ فدک واقتدار کا معاملہ نہیں تھا بلکہ اسلام اور اس کے وجود کا مسئلہ تھا اور زہراؑ نے فدک کو انحراف ظلم وجور جہالت و بے انصافی کی علامت کے طور پر استعمال کیا مقصد یہ تھا کہ دین کے صحیح خدوخال کو نمایاں کیا جائے اور عوام پر واضح کر دیا جائے کہ حکومت قرآنی احکام سے منحرف ہو چکی ہے اور ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو حکومت کے خود ساختہ قوانین پر عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان خطوط پر چلنا چاہئے جو خدا کی جانب سے بنائے گئے اور جن کی رہنمائی کے لئے خدا نے اپنے نبیؐ کو مبعوث فرمایا اور اُن کے بعد علیؑ کو منصوب و معیّن کر دیا ہے۔

جنانچہ خطبہ میں سب سے پہلے معصومہؑ نے حمد وثنائے الٰہی کرنے کے بعد اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان کو کسی حالت میں خدا سے غافل نہ ہونا چاہئے اور صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات کی حمد وثنا ذات خداوندی سے مخصوص ہے۔

اس کے بعد شریک رسالت نے خدا کی وحدانیت کی وضاحت فرمائی اور فطرت عقل اور دل کی فطرت کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا موجودات عالم کا نظم وضبط خدا کے وجود کی واضح دلیل ہے اور جب خدا ہے تو وہ قدیم بھی ہے اور ازلی بھی اور تمام صفات خدا کو بیان کیا۔

جب معصومہ ارباب حکومت کو خدا کا وجود اور اُس کے صفات سمجھا چکیں تب آپ نے مسئلہ نبوت پر روشنی ڈالی مگر یادگار نبوت کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا:۔ اَشْهَدُ اَنَّ اَبِی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ یعنی معصومہؑ نے نبوت سے اہلبیت نبوت کے ازلی وابدی اور کبھی منقطع نہ ہونے والے معنوی رشتے

حکم خدا کی تعمیل سے انکار ابلیسی کردار۔

روزہ اخلاص کو باقی رکھنے کے لئے ہے۔ (خاتون عصمتؑ)

کا تعارف کرانے پر اکتفا کی اس لئے کہ بظاہر اسلامی سماج پیغمبر کی نبوت پر ایمان لا چکا تھا لیکن اُن کی اکثریت یا منافق تھی یا ناآگاہ اور اقتدار سے مرعوب نبوت پر ان ایمان لانے والوں میں سے اکثر افراد نبوت کی عمیق معرفت اور آسمانی ہدایت کی ابدیت کا بالکل یقین نہیں تھا کہ امامت اس خدائی منصب کا تتمہ اور دوام نبوت کا ذریعہ ہے جو کہ ایسا آسمانی عہدہ ہے جو عالم موجودات کے لئے لازمی ہے۔

افصح العرب کی نور نظر نے فصاحت و بلاغت کے چشمے بہاتے ہوئے موقع کو غنیمت جانا اور فرمایا روئے زمین پر حکومت خدا ایک ایسی ضرورت ہے جس کا تعلق مشیت خدا سے ہے اور یہ حکومت انبیاؑ کے ذریعہ قائم ہوئی اور یہ انبیاءؑ خلافتِ الٰہیہ کے عہدہ پر فائز تھے اس لئے کہ حکومت الٰہیہ مخلوقات عالم کا آخری اور انتہائی مقصد ہے جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ حکومت بھی باقی ہے چاہے اس حکومت کے قائم کرنے والے خود پیغمبرؐ ہوں یا ایسی فرد ہو جس کو پیغمبرؐ نے مقرر فرمایا اور دونوں ہی اُمت کے لئے خدا کی حجت ہیں۔

شریکۃ القرآن نے نبوت و امامت پر روشنی ڈالنے کے بعد قرآن کی اہمیت بیان فرمائی کہ قرآن کو معمولی نہ سمجھنا یہ اپنے دعوے میں سچّا ہے اور ایسا نور ہے جس کی شعاعیں بہت بلند ہیں اور قرآن کی پیروی کرنے والوں کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں کے دلوں میں امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔

اب صدیقہ نے فرمایا:- یاد رکھو! ایمان اس لئے ہے کہ تم کو شرک سے پاک کردے نماز تمہاری کبر و نخوت دور کرنے کے لئے ہے اور زکوٰۃ تمہارے اندر پاکیزگی پیدا کرتی ہے روزہ سے تمہارے اندر دائمی جاگزیں ہوتا ہے حج سے دین قائم رہتا ہے، عدل و انصاف دلوں کو ملاتا ہے امامت تفرقہ سے محفوظ رکھتی ہے اور جہاد سے اسلام کو عزت حاصل ہوتی ہے۔۔۔۔۔

معصومہ کے اسی خطبۂ انقلاب کا اثر تھا کہ مدینہ پوری طرح بیدار ہو گیا اور اکثر اصحاب رسولؐ نے اس تحریک کی پرزور حمایت کی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا جلوس رسولؐ کے صحابی بریدہ ابن خضیب اسلمی نے نکالا اس جلوس میں شامل ہونے والوں نے مدینہ کی شاہراہوں پر گشت کیا اور حکومت کے خلاف نعرے لگائے اور یہ اعلان کیا کہ یہ خلافت رسولؐ نہیں ہے بلکہ اسلام سے منحرف ایک گروہ کی سیاسی چال ہے جو ہم پر مسلّط ہونا چاہتا ہے۔

یہ خطبہ اتنا مشہور ہے کہ عامہ و خاصہ نے معتبر اسناد و روایات کے ذریعہ ثانیٔ زہرا حضرت زینبؑ سے نقل کیا ہے۔

علمائے امامیہ میں سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ نے "شافی" میں سید ابن طاؤس نے "طرائف" میں شیخ صدوق نے علل الشرائع میں اور اُس کے علاوہ تمام علمائے امامیہ اسے نقل کیا ہے۔

عالم اہل سنت ابن ابی الحدید معتزلی نے اس خطبہ کو چار طریقوں سے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ!

(۱) جوہری نے محمد بن ذکریا سے انھوں نے جعفر بن عمارہ سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے حسن بن صالح بن حی سے اور انھوں نے بنی ہاشم کے دو افراد سے اور اُن حضرات نے

روزہ رکھا با ایمان گنوایا۔

ثانیٔ زہرا حضرت زینب ابنت امیرالمومنینؑ سے روایت کی ہے۔

(۲) جوہری نے جعفر بن محمد بن عمارہ سے انھوں نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انھوں نے جعفر بن محمد بن علی بن الحسین علیہم السّلام سے روایت کی ہے۔

(۳) جوہری نے عثمان بن عمران عجیفی سے انھوں نے نائل بن نجیح سے انھوں نے عمر بن شمر سے انھوں نے جابر جعفی سے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

(۴) جوہری نے احمد بن محمد بن یزید سے انھوں نے عبداللہ بن حسن معروف بہ عبداللہ محض بن فاطمہ بنت الحسین و ابن الحسن المثنیٰ سے روایت کی ہے۔

(۵) ابن ابی الحدید نے جوہری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔ احمد بن عبدالعزیز جوہری بہت بڑے ادیب، عظیم محدث عابد و زاہد اور ایسے معتبر و باوثوق شخصیت کے مالک ہیں کہ تمام محدثین اہلسنت نہ صرف ان کے مداح ہیں بلکہ میری طرح انھوں نے بھی موصوف کی تصنیفات کے اپنی کتابوں میں حوالے دیئے ہیں اور میں خطبۂ زہراؑ کو ان کی مشہور کتاب "سقیفہ وفدک" سے نقل کر رہا ہوں۔

علی بن عیسی ار نے کتاب "کشف الغمہ" میں اس خطبہ کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اس خطبہ کو احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب "سقیفہ وفدک" سے نقل کیا ہے یہ کتاب بہت قدیم ہے اور میں نے ۳۲۲ھ میں اس کا مطالعہ کیا ہے اس کے علاوہ مسعودی نے مروج الذہب میں اس کا حوالہ دیا ہے اور مامون الرشید کے دور کے عظیم دانشور ابوالفضل احمد بن ابی طاہر نے "بلاغات النساء" میں کئی اسناد سے اس خطبہ کو نقل کیا ہے۔

الغرض خطبۂ زہراؑ کی تاریخی حیثیت ناقابل انکار ہے اور خطبہ فاطمہ زہراؑ بعد پیغمبر آگے بڑھنے والی اس تحریک کا سنگ بنیاد ہے جسے "تحریک امامت" کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

اس تحریک کا مقصد سقیفہ کے انحرافی انقلاب کے خلاف ایک مستحکم محاذ قائم کرنا تھا مسلمانوں کو آسمانی قیادت کی ضرورت کا احساس دلانا اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی کوشش کرنا تھا۔

یہ تحریک کل بھی زندہ تھی اور آج بھی زندہ ہے۔ جنگ صفین و جمل سے لے کر میدان کربلا تک اور میدان کربلا سے لے کر انقلاب ایران تک اس تحریک نے نہ جانے کتنے مرحلے سر کئے ہیں اور ظہور حضرت حجت تک ابھی نہ جانے کتنے معرکوں سے اس تحریک کو گزرنا ہے دنیا میں نفاذ احکام قرآنی کی ہونے والی ہر کوشش اقدام زہراؑ کی کامیابی کا اعلان ہے

قطعہ

جس بام کسی چھت پہ ستارہ نہ ہوا
یوں تا کوئی تم کو تعظیم دو بارہ نہ ہوا
ہے کہ جو جانی [illegible] میں شامل دینا
تیری عصمت کو تو اتنا بھی گوارہ نہ ہوا

پیامؔ اعظمی

حج چھوڑ کے دین کی بنیادوں کو کھوکھلا نہ کرو۔

سیرت فاطمہؑ

شفیق حسین

نمونۂ عمل

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفٰیؐ نے اپنی تیئس ۲۳ سالہ کارگزاریوں میں تعلیماتِ اسلام کو حدِ کمال تک پہونچا دیا، اور مختصر سی مدت میں بنی نوع انسان کو اپنے علم و عمل سے مالا مال کر دیا، دنیائے انسانیت کو حق و صداقت اور صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی۔ رسولؐ کا ہر طرز عمل شریعت کا آئینہ دار اور اسلام کا عکس بردار ہے، ... پیغمبر اسلامؐ ہر شئے کے لئے رحمت بنکر آئے تھے ہر صنف کے لئے رسول بنکر آئے، لیکن منزلِ عمل میں رسول عورتوں جیسے اعمال نہیں بجالا سکتے، رسول مردوں جیسی نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن عورتوں جیسی نماز نہیں پڑھ سکتے، میدان میں جہاد راہِ خدا کا عملی نمونہ پیش کر سکتے ہیں، لیکن پردے کی عملی تعلیم نہیں دے سکتے۔

لہذا تبلیغ رسالت کی تکمیل کے لئے ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جو عورتوں کو شریعت کے اعمال سکھائے اور اپنی سیرت کو نمونۂ عمل بنائے، اور وہ خاتون رسولؐ ہی کے اخلاق و کمالات سیرت و کردار کی آئینہ دار ہو، خداوندِ عالم نے تبلیغ کی اس کمی کو فاطمہ زہرؐا کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہونچایا جن کا ہر عمل شریعت کا آئینہ اور طبقۂ نسواں کے لئے عملی نمونہ، چنانچہ فاطمہ زہرؐا رفتار و گفتار، سیرت و کردار، عصمت و عفت، عبادت و ریاضت، جود و سخاوت ایثار و قربانی، مہمان نوازی، زہد و تقویٰ، خلق و کرم، علم و حلم میں اپنے پدر بزرگوار کی ہو بہو تصویر تھیں، جناب عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہؑ اپنے باپ سے بالکل مشابہ تھیں، اخلاق و آداب، نشست و برخاست، رفتار و گفتار بالکل ویسے ہی تھے جیسے آنحضرتؐ کے تھے۔ (صحیح ترمذی ۲۳۶) اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ آپ جزوِ رسالت، نورِ رسالت، شریک کارِ رسالت ہیں۔

آپ کی سیرت و کردار کا مطالعہ بنی نوع انسان کے لئے ضروری اور طبقۂ نسواں کے لئے اہم ترین فریضہ ہے، فاطمہ زہرؐا وہ عالمہ تھیں جنکو کوئی چیز سکھانے اور پڑھانے کی ضرورت نہ تھی، جیسا کہ روایت سے ثابت ہے کہ جناب ام سلمیٰ سے کہا گیا کہ وہ جناب سیدہؑ کو اصولِ تہذیب سکھائیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس مجسمۂ عصمت و طہارت کو کیا تعلیم دے سکتی ہوں، میں تو خود اس بچی سے تہذیب سیکھتی ہوں۔

(بحار الانوار)

کمسنی کے عالم میں تعلیماتِ رسولؐ کا آپ پر اتنا اثر تھا کہ ایک دن جناب خدیجہ ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے سجانے لگیں، اور فاطمہ زہرؐا کے لئے نئے کپڑے نہ تھے جناب خدیجہ متردد ہوئیں تو جناب سیدہؑ نے عرض کیا کہ مادرِ گرامی آپ پریشان نہ ہوں میں پرانے کپڑے پہن کر چلونگی، کیونکہ میں نے اپنے پدر بزرگوار جناب رسولِ خداؐ کو فرماتے

انصاف اٹھا قوم بکھری

ہماری اطاعت ملت کے نظام کو برقرار رکھنے کے لیئے ہے (خاتون عصمتؑ)

ہوئے سنا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کا بہترین زیورِ حیات تقویٰ ہے، اور بہترین آرائش شرم و حیا ہے۔ (بحار)

اس واقعے سے یہ بات ثابت ہے کہ سماج میں لباس اور زیب و زینت کی اہمیت نہیں ہے بلکہ سماج کا مزاج تقویٰ و پرہیزگاری، اور زیب و زینت شرم و حیا ہونا چاہیے، کنیزانِ فاطمہؑ درس حاصل کریں اور تقویٰ و حجاب کو اپنا شعار بنائیں، فاطمہ زہراؑ کی کنیزی کے دعوے کے ساتھ ان کی سیرت پر عمل کریں اور سادگی، ریاضت و محنت و عبادت کی خوگر بنیں۔

بنتِ رسولؐ کی عبادت کا تذکرہ کرتے ہوئے حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ اس امت کی خواتین میں جناب فاطمہؑ سے زیادہ کسی نے خدا کی عبادت نہیں کی، آپ راتوں کو اتنی نمازیں پڑھتی تھیں کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا (اعیان الشیعہ جزو دوم) جناب فاطمہ زہراؑ محرابِ عبادت، مصلائے عبادت پر کھڑی ہوتی تھیں تو زمین سے آسمان تک نور کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، صبح کے وقت ایک نور ساطع ہوتا تھا، ظہر کے وقت دوسرا نور ساطع ہوتا تھا، مغرب کے وقت دوسرا نور نظر آتا تھا، سارا مدینہ نورِ زہراؑ سے منور ہو جاتا تھا، اسی وجہ سے آپ کو زہراؑ کہتے ہیں، اس سے فاطمہ زہراؑ کی عبادت اور تقربِ خدا اور کردارِ زہراؑ دنیا پر واضح ہوتا ہے، فاطمہ زہراؑ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے، کردار کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ ایک دن مرسلِ اعظمؐ ایک نابینا صحابی کے ساتھ بیٹی کے گھر تشریف لاتے ہیں اور دروازے پر رک کر اجازت مانگتے ہیں کہ بیٹی سیدہؑ کیا اجازت ہے کہ میں گھر کے اندر آؤں؟ فاطمہؑ عرض کرتی ہیں بابا آپ کا گھر ہے شوق کر تشریف لائیے، رسولؐ فرماتے ہیں بیٹیؑ! میرے ساتھ ایک نابینا صحابی بھی ہیں، فاطمہ خاموش ہو جاتی ہیں، رسولؐ پھر اجازت طلب کرتے ہیں، فاطمہ فرماتی ہیں بابا اجازت کا کیا سوال ہے؟ آپ آیئے۔ رسول پھر وہی فرماتے ہیں کہ بیٹی میرے ساتھ نابینا صحابی بھی ہے، فرماتی ہیں بابا آپ کو معلوم ہے کہ میرے پاس ایک چادر ہے اگر سر چھپاتی ہوں تو پیر کھل جاتے ہیں اور پیر ڈھانکتی ہوں تو سر کھل جاتا ہے، فرمایا بیٹی! وہ تو نابینا ہے سیدہؑ نے فرمایا کہ بابا اگر وہ نابینا ہے تو میں تو نابینا نہیں ہوں، میں پسند نہیں کرتی ہوں کہ میری نگاہ نامحرم کے چہرے پر پڑے، کیونکہ آپ ہی نے ایک مرتبہ سوال کیا تھا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر شے کیا ہے؟ تو علیؑ بیت الشرف میں تشریف لائے تھے تو میں نے عرض کیا تھا کہ اے ابوالحسن بابا سے کہہ دیجئے عورت کے لئے سب سے بہتر شے یہ ہے کہ نہ اس کی نگاہ نامحرم کے چہرے پر پڑے اور نہ نامحرم کی نگاہ اس کے چہرے پر پڑے، بیٹیؑ سے یہ جواب سن کر پیغمبرِ اسلامؐ نے فاطمہؑ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

بیشک رسولؐ کی بیٹی کا کردار ایسا ہی ہونا چاہیے۔ بنتِ رسولؐ نے امت کے سامنے ایک مستقل درسِ ہدایت اور نمونۂ عمل پیش کر دیا، جو خواتین کے لئے بہرحال لمحۂ فکریہ ہے، کنیزانِ فاطمہؑ فکر فرمائیں کہ ہماری شہزادی نے ہمیں کیا کیا درسِ عمل دیا ہے اور ہماری خود حالت کیا ہے؟۔

صدیقہ طاہرہؑ نے باپ کی خدمت یوں کی کہ ام ابیہا کا لقب حاصل کیا، یعنی رسولؐ نے ماں کہہ کر پکارنا شروع کیا، گویا رسولؐ کو فاطمہ زہراؑ سے ماں کی الفت اور بیٹی کی محبت ملی، کفارِ مکہ جب حضور مرسلِ اعظمؐ کو پتھروں سے لہولہان کرتے تھے تو فاطمہؑ باپ کا حال دیکھ کر تڑپ اٹھتیں، اور پیغمبر کے سرِ مبارک کو دھوتیں اور مجروح بدن سے خون کو صاف کرتیں۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ مکہ کی ایک گلی سے گذر رہے تھے

اتحاد کی ضرورت کا احساس ہے تو احکام شریعت پر عامل ہو جاؤ۔

ایک دشمنِ خدا نے آپ کے فرقِ مبارک پر کیچڑ ڈالدیا۔ آپ اسی حالت میں اپنے عصمت کدے میں تشریف لائے، جناب فاطمہؑ باپ کا یہ حال دیکھ کر بے چین ہوگئیں اور پانی لیکر دوڑیں، آپ رسولِ خداؐ کا سر دھوتی جاتیں اور روتی جاتی تھیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ بیٹی نہ روؤ خدا تیرے باپ کی حفاظت کرے گا۔ (ینابیع المودۃ)

فاطمہؑ زہرا کو اپنے باپ سے کس قدر محبت اور الفت تھی ہر وقت بابا کی فکر رہتی تھی، اور فی زمانہ اولاد والدین سے کتنی محبت کرتے ہیں اور کیا خدمت کرتے ہیں، بوڑھے باپ سے نفرت کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جلد از جلد خدا انکو اٹھالے، چہ جائیکہ کوئی خدمت! کرنا عار و ننگ سمجھتے ہیں۔

بچوں کی خدمت! چونکہ اولاد کی پہلی درسگاہ آغوشِ مادر ہوا کرتی ہے، جس صفت کی ماں ہوتی ہے اسی صفت کی اولاد ہوا کرتی ہے۔

معصومۂ عالم نے اپنے کردار سے واضح کر دیا کہ ایک عورت اپنے دائرۂ عمل میں رہکر بہت کچھ خدمت انجام دے سکتی ہے، عورت کا کام خدمتِ خانہ ہے، ایک عورت اپنی تربیت سے صالح نسل پیدا کر دے تو وہ ان لاکھوں عورتوں سے بہتر ہے جو خود میدانِ عمل میں رہتی ہیں، اور بچوں کی تربیت سے غافل ہو جاتی ہیں۔

صدیقۂ طاہرہؑ نے گھر کے اندر رہکر وہ صالح اور طیب و طاہر نسل کائنات کے سامنے پیش کیا ہے جس کا جواب آج تک نہیں پیش ہو سکا، اور نہ قیامت تک پیدا ہو سکے گا۔ فاطمہؑ کی نسلِ طاہر قیامت تک قائم رہے گی۔

کنیزانِ فاطمہؑ طہارت کا خیال فرمائیں اور مسائلِ شریعہ کی جانکاری اپنا فرض سمجھیں تاکہ اولاد صالح پیدا ہو اور نسل طاہر ہو۔

معصومۂ عالم نے شوہر کی خدمت ایک مثالی خدمت کی ہے جب سے شوہر کے گھر بیاہ کر آئیں اور شوہر سے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی اور دنیا کی عورتوں کو بتادیا کہ شوہر کو فرمائش کرنا عورت کی کمزوری ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مردوں کو بھی بتادیا کہ میرے شوہر کی طرح گھر کا خیال کرو تاکہ زوجہ کو فرمائش کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ لیکن ہمارے سماج کا یہ ماحول ہے کہ شوہر کے گھر آتے ہی فرمائشوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں، آج یہ چاہیئے کل وہ چاہیئے، شوہر تنگ اور عاجز آجاتا ہے، نتیجتاً پریشان ہو جاتا ہے جس کے اثرات مضر ہوتے ہیں اور زندگی بھر خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن شوہروں کو بھی اپنی بیویوں کو پریشان نہیں کرنا چاہیئے ان کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرنی چاہیئے۔

اگر مزاج میں اعتدال ہو تو کبھی پریشانی، کشیدگی اور شکر رنجی نہیں ہوگی، سیدۂ عالمؑ نے پوری صنف کو زندگی کا سلیقہ سکھایا، والدین کے ساتھ بیٹی کا برتاؤ، شوہر کے ساتھ زوجہ کا برتاؤ، بچوں کے ساتھ ماں کا برتاؤ، عزیزوں کے ساتھ عزیز کا برتاؤ، یہ سب مثالیں فاطمہ کے کردار میں بدرجۂ اتم ملیں گی، اور دنیا کے کسی عورت کے کردار میں آپ ڈھونڈھ ڈالیں یہ مثالیں نہیں ملیں گی۔

دنیاوی عورتوں کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک زمانے میں وہ بیٹی ہوتی ہے اس کے بعد وہ زوجہ و بہو کہلاتی ہے پھر تیسرے زمانے میں ماں کہلاتی ہے۔

رسول اکرمؐ چونکہ تمام عالم کے لئے رحمت بن کر آئے اور معلم کتاب و حکمت بھی بنکر آئے اور عالمین میں عورت بھی شریک ہے، لہذا رسول عورتوں کے لئے نمونۂ عمل نہیں بن سکتے تھے، عورت کے لئے عورت ہی نمونۂ عمل بن سکتی ہے۔

اس لئے رسولؐ اللہ نے فاطمہؑ کو کارِ رسالت میں شریک

کرکے عالمین کی عورتوں کے لئے نمونہ بنایا، گویا فاطمہ زہرا رسولؐ کی بیٹی ہوکر بیٹیوں کے لیے نمونۂ عمل بنیں اور علیؑ کی زوجہ ہوکر ازواج کے لیے نمونۂ عمل بنیں اور حسنین علیہم السلام کی ماں ہوکر عورتوں کے لئے ماں کا کردار پیش کیا۔

بنتِ رسولؐ نے شوہر کے گھر جانے کے بعد جس نظام زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے وہ طبقۂ نسواں کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ گھر کا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چکی پیسنا، بچوں کی تربیت وغیرہ یہ سب کام اکیلی کرتی تھیں لیکن کبھی تیوری پر بل نہیں آئے اور کبھی شوہر سے شکایت کی اور نہ مددگار کی فرمائش کی، جناب فضہ کنیز کی حیثیت سے گھر میں آتی ہیں لیکن فضہ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ ایک عزیز رفیق کار جیسا برتاؤ کرتی تھیں۔ ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور دوسرے دن فضہ۔ ایک دفعہ سرور کائناتؐ گھر میں تشریف لائے، دیکھا کہ سیدہ بچوں کو گود میں لئے ہوئے چکی پیس رہی ہیں، فرمایا بیٹی! ایک کام فضہ کے حوالے کردو، عرض کی بابا آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب) اس طرح سے فاطمہ زہراؑ عالم کی شہزادی خادمہ کو خادمہ ہونیکا تصور نہ ہونے دیتی تھیں۔ دراصل یہ مساوات کی اعلیٰ مثال ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کا جہاد شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۲) اور دوسری حدیث میں ہے کہ عورت اگر شوہر کا حق ادا نہیں کرتی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اللہ کا حق بھی ادا نہیں کر سکتی۔
(مکارم الاخلاق)

فاطمہ زہراؑ شوہر کے حقوق سے جس درجہ واقف تھیں کوئی بھی واقف نہ تھا، انھوں نے ہر موقع پر اپنے شوہر کا لحاظ و خیال کیا اور کبھی انھوں نے ان سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جس کے پورا کرنے کے لئے حضرت علیؑ عاجز رہے ہوں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بھی حضرت علیؑ اور فاطمہؑ میں کسی بات کی شکر رنجی نہیں ہوئی، فاطمہ زہراؑ اور بنت اسد میں جبکہ ساس بہو کا رشتہ تھا کبھی بھی کشیدگی پیدا نہ ہوئی۔ جناب معصومہؑ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ عورت کے لئے خدا کی بارگاہ میں تقرب کرنیکا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ وہ گھر کے اندر رہنے کی پابند رہے۔ (بحار)

فاطمہ زہراؑ کی زندگی ایک ایسی زندگی ہے کہ بیٹی ہونے کی حیثیت سے وارثِ رسولؐ ہے اور ام الائمہ ہونے کی حیثیت سے ہر امام کے کمال و جمال کی آئینہ دار ہے —— فقط

پیغمبر اسلامؐ

جیت لی حق و باطل کی لڑائی تم نے
شان اعجاز زمانے کو دکھائی تم نے
دی ہے ہر موڑ پہ کفار کے لشکر کو شکست
اور ہاتھوں میں نہ تلوار اٹھائی تم نے

پیام اعظمی

شریعت کی بالاتری کے لیے قیام کیجیے۔

صبر حصول اجر میں معاون ہے (خاتون عصمتؑ)

تسبیح زہراؑ

ناظم علی خیرآبادی

دیندار سماج، مذہبی معاشرہ اور پابند اسلام لوگوں کی نگاہ میں تسبیح کی حیثیت، اہمیت اور عظمت جانی پہچانی تھی، صاحبانِ دین و دیانت اور سالکان راہ عبادت و ریاضت اسے زندگی اور بندگی کے استحکام کا بہترین وسیلہ سمجھتے تھے ان کے لبوں پر تکبیر، تحمید اور تسبیح کے تسکین بخش محبت آفریں نغمے اور ہاتھ میں تسبیح کے دانوں کی گردش جس طرح قلب مومن کو چھوتی ہوئی عقل و فکر کے نہاں خانوں کو منور کر جاتی تھی اس کا اندازہ اربابِ معرفت کو تھا، اہلِ عرفاں اور ماہرین نفسیات جانتے تھے کہ زبان تسبیح میں ان چھوٹے چھوٹے جملوں کی تکرار اور چند دانوں کی مسلسل گردش کا انسانی زندگی کے عروج و ارتقاء سے کیا رابطہ ہے اور وہ کس قسم کے اصلاحی روحانی اور شکست ناپذیر جذبات کی تشکیل انسان کے اندر پیدا کرتے ہیں اور اس کا کتنا مضبوط تعلق حاکمِ اعلیٰ اور مرکزِ قوت و طاقت سے ہو جاتا ہے جس کے بعد دنیا کی مادی طاقتیں اس کے سامنے سپر انداز ہو جاتی ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی آواز کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچنے اور رہبر انقلاب آقائے خمینی طاب ثراہ کے معمولات شب و روز سے آگاہی کے پہلے تک زمین کے سینہ پر رواں دواں انسانوں کی ایک بڑی اکثریت تسبیح کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔ مسلمانوں کا ایک مخصوص حلقہ زہاد اس کی عظمت کا شناسا تھا اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھنا باعث عزت و شرف سمجھا تھا یا عرب کے بدو علاقائی اور ماحولی رسم و رواج کے تحت اسے اپنے ہاتھوں میں گھماتے رہتے تھے جن کی اکثریت اس کی حقیقت سے بے خبر تھی لیکن انقلاب اسلامی کے قدموں نے جب شاہی تخت و تاج کو روند کر طاغوتی خوف و دہشت کے بال و پر نوچ دیئے اور دنیا کی نگاہوں نے رہبر انقلاب اسلامی کے ہاتھوں میں تسبیح کا ناقابل شکست و تسخیر اور ہمہ جہت کامیاب اسلحہ دیکھ لیا تو عالم کی تقدیر ساز طاقتوں نے اس کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ بخیال خود فکر و نظر کے بام عروج پر سانسیں لینے والے اور اپنے نظریات کے دام میں دنیا کو مقید کرنے والے ایک روحانی رہبر کے تسبیح کے دانوں کے فیصلے کے مقابلہ میں دم بخود نظر آنے لگے تو اس کی غیر معمولی طاقت کا لوہا مان لیا مفکرین نے مضامین اور بیانات کے ذریعہ تسبیح کی اہمیت کا اظہار شروع کر دیا صاحبانِ قلم نے "تسبیح جیت گئی ٹینک ہار گیا" "تسبیح و ٹینک کی جنگ" اور "تسبیح کی ناقابلِ تسخیر قوت" جیسے عنوانات پر اپنے خیالات کو صفحہ قرطاس کی زینت بنا دیا اور دنیا کو اندازہ ہونے لگا کہ

عبادتوں میں جتنا صبر کرو گے اتنا اجر پاؤ گے۔

امر بالمعروف فلاح عامہ کیلئے ہے (خاتون عصمتؑ)

چودہ سو برس پہلے اسلام کے رسول اور انسانیت کے ہادی نے مشکلات اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کا جو ذریعہ اور کشمکش حیات میں راحت و سکون کا جو وسیلہ اہلِ عقل و خرد کے حوالے کیا تھا وہ آج تک کتنا کارآمد اور فائدہ بخش ہے۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں تسبیح زہرا ایک عظیم سماجی واقعہ سے مربوط ہے جس میں ظاہری طور پر تین معظم شخصیتوں کا وجود ملتا ہے اور ذکر خدا سے متعلق تین جملوں کی سلسلہ ہے۔ جس کی تعقیبات نماز پنجگانہ کے ذیل میں انفرادی حیثیت ہے اور جس کے پڑھنے کی بیحد تاکید کی گئی ہے۔ شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع میں واقعہ کو نقل فرمایا ہے کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ نے بنی سعد کے ایک شخص سے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اپنی اور جناب فاطمہ زہراؑ کے بارے میں ایک بات کی خبر دیتا ہوں، معصومہؑ کی زندگی کا وہ دور جب وہ میری شریکۂ حیات کے طور پر زندگی بسر کر رہی تھیں تو وہ امور خانہ داری میں اس طرح منہمک رہتی تھیں کہ پانی کھینچنے اور چکی چلانے سے ہاتھ کی جلد سخت ہو گئی تھی جاروب کشی کی وجہ سے کپڑے غبار آلود ہو جاتے تھے اور چولہا پھونکتے پھونکتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے جس کی بنا پر انھیں شدید زحمت اٹھانا پڑتی تھی تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ جا کر اپنے پدر بزرگوار رحمۃ اللعالمین پیغمبر ختمی مرتبتؐ سے ایک نوکرانی طلب کریں تو آپ کی زحمت دور ہو جائے۔ شہزادی خدمتِ رسول اکرمؐ میں آئیں تو آنحضرتؐ کے پاس اصحاب تشریف فرما تھے اور آپ ان سے مصروفِ گفتگو تھے اس وقت اظہار مدعا کو نامناسب خیال کرتے ہوئے شہزادی واپس آ گئیں آنحضرت نے سمجھ لیا کہ شہزادی کسی ضرورت سے آئی تھیں؟ میں نے خیال کیا کہ شاید شہزادی کو اظہارِ مطلب میں حیا دامنگیر ہو جائے اس لئے میں نے خود عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ شہزادی پانی بھرتی ہیں، چکی چلاتی ہیں، مکان صاف کرتی ہیں اور چولھا جلاتی ہیں جس کی بنا پر ان کے کپڑے غبار آلود اور ہاتھ میں گھٹے پڑ گئے ہیں میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ جا کر آپ سے نوکرانی کے بارے میں سوال کریں تاکہ ان گھریلو کاموں میں مدد ملے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی بات کی تعلیم دیتا ہوں جو نوکرانی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔ شب میں استراحت سے تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ تینتیس ۳۳ بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھا کرو یہ سنکر جناب معصومہؑ نے تین بار فرمایا کہ میں اللہ و رسول کے فیصلے پر راضی ہوں —— واقعہ کا انداز یہ بتاتا ہے کہ شہزادی کونین اپنی تمام تر عظمت و شرف کے باوجود کس طرح امور خانہ داری میں مصروف رہتی تھیں کہ خود انھوں نے کوئی زحمت نہیں محسوس کی اور نہ کبھی مولائے کائنات سے شکوہ کیا ان کی مصروفیت کو دیکھ کر خود امیر المومنینؑ کو احساس زحمت پیدا ہوا اور خواہش کی کہ پیغمبر اسلامؐ سے نوکرانی کا مطالبہ کریں۔ جناب معصومہ کی زندگی اگر کائنات کی تمام دیندار عورتوں کے لئے نمونۂ عمل ہے اور یقیناً ہے تو امور خانہ داری میں مصروف ہر اس عورت کے لئے درس عمل ہے جو شکایتوں کی زیادتی اور مطالبات کی کثرت کی بنا پر شوہر کی زندگی کانٹوں کا بستر بنا دیتی ہے اسے یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمیں حرف شکایت زبان پر لانے کے بجائے اتنے صبر و تحمل اور خدمت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ شوہر کو خود بخود احساسِ تکلیف ہونے لگے اور ہماری قدر و قیمت میں اضافہ ہو جائے یقیناً شرعی قانون کے تحت کوئی شوہر اپنی زوجہ کو امور خانہ داری کے لئے مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے لیکن مرد و عورت زن و شو زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں تو جبتک

ایک پہیہ دوسرے پہیے کا تعاون نہ کریگا اس وقت تک گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی شاید یہی وجہ ہے کہ شہزادی کونین جناب فاطمہ زہراؑ نے شوہر کے ساتھ اتنا تعاون کیا کہ گھر کے اندر کے تمام امور کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی اور گھر کے باہر کے امور سے مولائے کائناتؑ کا تعلق رہا اور حضرت علیؑ نے بیرون خانہ کے امور سے فرصت پاکر شہزادیؑ سے متعلق امور میں اتنا تعاون کیا کہ دونوں تاریخ کی نہ صرف زینت بن گئے بلکہ ہمیشہ کے لئے تاہلی زندگی کے واسطے نمونۂ عمل بن گئے اور پیغمبر اسلامؐ کو ان کے حسن عمل کی تعریف میں فقرے بیان کرنا پڑے امیر المومنینؑ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضرتؐ ہمارے پاس تشریف لائے شہزادیؑ چولہے کے پاس تھیں اور میں دال چن رہا تھا آنحضرتؐ نے مجھے پکارا میں نے جواب دیا تو فرمایا کہ سنو میں تمہیں امر خدا سناتا ہوں جو شخص اپنی زوجہ کی امور خانہ داری میں مدد کرتا ہے تو اس کے جسم کے ایک ایک بال کے برابر سال بھر کی ایسی عبادت کا ثواب عطا فرماتا ہے جس کا دن روزہ اور رات عبادت کے لئے قیام میں بسر ہوتی ہو۔

جناب معصومہؑ کو زبان رسالت مآب سے تحفۂ تسبیح ملا جسے آپ نے زندگی کا معمول بنا لیا ہر نماز کے بعد اسے پڑھتی تھیں رفتہ رفتہ تسبیح کے خاموش دانوں میں قوتِ گویائی آگئی اور اس کی آواز خانۂ عصمت کی چار دیواری سے نکل کر صاحبانِ ایمان کے قلب و دماغ تک پہونچی اور اس کی افادیت عام ہونے لگی چونکہ آنحضرتؐ نے اس کو جناب معصومہؑ کو تعلیم فرمایا تھا اس لئے تسبیح زہراؑ کے نام سے مشہور ہوئی ـــــ اس تسبیح کی واقعی اہمیت اور عظمت کا علم تو صرف عالم الغیوب خدا اور اس کے ہادیان برحق محمدؐ و آل محمدؐ کو تھا لیکن انھیں معصوم ذوات مقدسہ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے توصیفی جملوں کے ظواہر نے جس بات کی نشاندہی کی ہے اس سے بھی اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے

جناب امام جعفر صادقؑ نے شجر آدمیت کی نئی کونپلوں کی زیبائش اور آرائش اور انھیں شیطانی باد سموم سے بچانے کے لئے جن امور کی تعلیم کا حکم دیا ہے وہ نماز اور تسبیح زہراؑ ہے امامؑ ارشاد فرماتے ہیں اپنے ایک صحابی ابو ھارون سے کہ ہم اپنے بچوں کو تسبیح فاطمہؑ کا اسی طرح حکم دیتے ہیں جس طرح انھیں نماز کا حکم دیتے ہیں تو تم بھی اسے اپنے لئے لازم رکھو کیونکہ اس کی پابندی سے صرف بدبخت منحرف رہ سکتا ہے۔

نماز برائیوں اور ناپسندیدہ امور سے روکتی ہے اور یاد خدا کا سب سے بہترین ذریعہ ہے اسی طرح تسبیح زہراؑ بھی تذکرہ پروردگار اور حمد الٰہی کا سب سے اچھا طریقہ ہے کیونکہ خداوند عالم کی مکمل حمد الحمد للہ کے ذریعہ ہوتی ہے، سبحان اللہ بہترین تسبیح خدا اور اللہ اکبر سب سے پسندیدہ جملہ ہے اور اگر مکمل توجہ کے ساتھ تسبیح زہراؑ میں نماز پنجگانہ کی تعقیبات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی مصروف رہیگا تو زبان اور ہاتھ کے ذریعہ کئے جانے والے ناپسندیدہ امور سے محفوظ رہیگا اور بدبختی کے منحوس سائے اس سے کوسوں دور رہیں گے شاید اسی وجہ سے تسبیح زہراؑ کے صرف ہاتھ میں گردش دیتے رہنے کا ثواب بھی بیان کیا گیا ہے چاہے زبان سے ان جملوں کو نہ بھی ادا کرے اور اگر زبان و ہاتھ دونوں مصروف رہیں تو عین ممکن ہے کہ ایک سچے مسلمان کے صفات اس کے اندر پیدا ہو جائیں کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

جناب معصومۂ کونینؑ نے بٹے ہوئے اون پر گرہ دیکر اس تسبیح کو تیار کیا تھا جسے وہ اپنے ہاتھ میں گردش دیتی رہتی تھیں اور تسبیح پروردگار کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ

ماں باپ کی خدمت گذاری عذاب الٰہی سے رستگاری کا

صلۂ رحم عمر کی قوت کے لئے ہے۔ (خاتون عصمت)

جب جنابؑ حمزہ کی شہادت ہوئی تو ان کی قبر کی مٹی سے تسبیحیں تیار کیں جنہیں لوگ استعمال کرنے لگے یہ سلسلہ شہادتِ امام مظلومؑ حضرت امام حسینؑ تک چلتا رہا اور جب کربلا کے میدان میں ۶۱ھ میں یزید کے ظلم و ستم سے آپ کی شہادت ہوئی تو اس سرزمین کے فضل و شرف کے پیشِ نظر خاکِ کربلا سے تسبیح تیار کی جانے لگی جو آج تک جاری ہے اور صاحبانِ ایمان کے لئے تسکینِ روحانی کا بہترین ذریعہ ہے۔

تعقیباتِ نماز کے سلسلہ میں تسبیح زہراؑ کی بیحد فضیلت وارد ہوئی ہے کثرت سے روایات معصومینؑ میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں سے چند احادیث کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

- حمد باری تعالیٰ کے لئے تسبیح زہراؑ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور اگر کوئی چیز اس سے افضل ہوتی تو رسولؐ اکرم جناب فاطمہ زہراؑ کو وہی چیز عطا فرماتے۔
- تسبیح زہراؑ وہ ذکر کثیر ہے جس کا حکم خداوند عالم نے قرآن مجید میں دیا ہے "اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" خدا کا زیادہ ذکر کرو۔
- امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد تسبیح زہراؑ میرے نزدیک ہزار رکعت نماز سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

بقیہ صفحہ ۷۸ کا

شوہر ہی سے بیان کرےگی۔ اسی لئے حضرت علیؑ ان تمام باتوں کو سن کر پوچھتے تھے کہ تمہیں یہ باتیں کس نے بتائیں تم تو یہاں گھر میں امور خانہ داری میں مصروف ہو۔ جناب فاطمہؑ بڑے فخر سے جواب دیتی تھیں کہ مجھے یہ باتیں آپ کے فرزند حسنؑ نے بتائی ہیں۔

چنانچہ ایک دن حضرت علیؑ گھر کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ گئے، اور امام حسنؑ وحی ترجمان کی باتیں سن کر گھر آئے اور والدہ ماجدہ کی گود میں حسب معمول بیٹھ گئے اور لگے سنانے۔۔۔ لیکن آج زبان گرہ گیر ہونے لگی۔ یہ موقع ماں اور بیٹے دونوں کے لئے حیرتناک تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر اس کے اسباب کے متعلق سوچنے لگے۔ جناب فاطمہؑ نے بیٹےؑ سے پوچھا بیٹا۔ آج تمہیں ہچکچاہٹ کیوں ہے؟ کیوں۔ تمہاری زبان رکنے کیوں لگی؟ کل کی روانی آج کیوں نہیں۔

امام حسنؑ نے عرض کی۔ مادر گرامی! آپ حیرت نہ کریں۔ معلوم ہوتا ہے آج میرا کوئی بزرگ پس پردہ سن رہا ہے۔ اسی لئے میری زبان گرہ گیر ہو رہی ہے۔ اس کا رعب میرے بیان کی روانی و شادابی میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔

حضرت علیؑ نے یہ سنکر ٹوٹ کر اپنے بیٹے کو پیار کیا — اپنی آغوش میں بھینچ کر لگے بوسے برسانے — بچے کو اپنے حصول علم و دانش میں اس قدر بھی آپے سے باہر نہ ہونا چاہیے کہ بزرگوں کے احترام کو نظر انداز کر بیٹھے۔ وہی تعلیم قدر و قیمت کی حامل ہے جو صحیح روایتی تحفظ کے ساتھ ارتقا پذیر ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ بے لگام ہوکر غلط سمت میں جا پہونچے گی۔

عزیزوں سے بے التفاتی — قید تنہائی —

محمد علی صفوی

فاطمہ پیغمبر کی نظر میں

انسان ساز مکتب اسلام بلند اصول کا وضع کرنے والا اور فرد و اجتماع کی سعادت و نیک بختی کے لئے بے مثال قانون سازی کی بنیاد قائم کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ وہ انھیں بے مثال اصولوں کی بنیاد پر انسانوں کی اس طرح پرورش کرتا ہے کہ وہ خود انسانی سماج میں الٰہی نمونہ بن جائیں ۔ ان تمام نمونوں میں آشکار و واضح ترین نمونہ جناب فاطمہ زہرا ہیں ۔ فاطمہ زہرا ایک عنوان سے دختر ہیں خاتم المرسلینؐ کی دختر نیک اختر یعنی دختر عفت و پاک دامنی دختر قناعت و تقویٰ دختر فضیلت و ایمان ہیں ۔ اور آپ ایک لحاظ سے زوجہ ہیں حضرت علیؑ کی زوجۂ مطہرہ یعنی صبر و روشن ضمیری، کردار سازی و مہربانی و فداکاری میں نمونۂ کامل ہیں ۔ اور ایک لحاظ سے ماں ہیں یعنی حسنؑ و حسینؑ کی ماں، زینب و ام کلثوم کی ماں جناب محسن کی ماں ۔ اور ایک لحاظ سے آپ ایک زن مسلمہ زن معظمہ ہیں معلم اخلاق و مربیؑ حیات انفرادی و اجتماعی اور بہ نسبۂ کلی کہا جا سکتا ہے کہ جناب فاطمہ خدائے متعال کے پاکیزہ و شفاف آئینوں میں سے ایک آئینہ ہیں جس کے اندر الٰہی جلال و جمال و کمال کو دیکھا جا سکتا ہے ۔ جناب فاطمہ زہراؑ کے بارے میں تفصیلی طور سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے بس عاجز انسان آپ کے بارے میں جو کچھ بھی کہے گا وہ آپ کے جلال معنوی کے دریا میں سے ایک قطرہ ہوگا ۔ آپ اپنے زمانہ میں تاریخ کی مظلوم اور مستضعف و محروم عورتوں کو اجتماعی، سیاسی اقتصادی اور معنوی کامیابی و سرفرازی سے ملانے والا رشتہ ہیں اور نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں انسانی زندگی کے خاتمہ تک ایک بزرگ و متدین و متمدن خاتون ہیں جنھوں نے عورتوں کو حقیقی زندگی کی تعلیم دی انھیں اپنی قدر و قیمت سے واقف کرایا اور حقارت آمیز مادی زندگی سے ہٹا کر حقیقی اور معنوی صحیح و سالم زندگی کی طرف راہنمائی کی ۔

آپکے والد بزرگوار اور رسول اکرمؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور مادر گرامی قبیلۂ قریش کی فرد سیدہ عالیہ جناب خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۰ جمادی الثانیہ کو خدا کے آخری رسول جناب محمد مصطفیٰؐ کی بعثت کے پانچویں سال مکہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور آپ کی وفات سنہ ۱۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی ۔

آج کے علم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ لڑکی بہترین روحی و تربیتی صفات مسلسل اپنی ماں سے حاصل کرتی رہی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موروثی و اکتسابی

شراب نوشی کی ممانعت رجس سے پاک کرنے کے لئے ہے (خاتون عصمت)

صفات ہر لڑکی کے باپ سے حاصل کرنے سے پہلے ماں سے حاصل ہوتے ہیں اور لڑکی کے وجود میں منتقل ہوتے ہیں اور آج کے علم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مائیں چھوٹے بچوں کی شخصیت بنانے اور کردار سازی میں نمایاں حصہ لیتی ہیں اور قیمتی نقش چھوڑتی ہیں۔ ماں کے اخلاق و عادات افکار و رفتار اور مختلف مسائل میں دوسروں سے تعلقات و روابط، عقائد و آرا، طرز بیان، نشست و برخاست وغیرہ کا براہ راست اثر اولاد میں ہوتا ہے جن صفات کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے وہ ساری باتیں عالی منزلت خاتون اسلام شریک حیات رسول اکرمؐ جناب خدیجہؑ میں پائی جاتی تھیں، اور اُن سے وہ ساری باتیں جناب فاطمہ زہراؑ میں منتقل ہو گئیں ـــ جناب خدیجہؑ ہی تو وہ تھیں جنھوں نے سب سے پہلے پیغمبر اسلام کی ندائے توحید پر لبیک کہی اور اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو سب کچھ راہ اسلام و ایمان میں قربان کر دیا۔ اسلام لانے کے وقت سے تا دم مرگ آپ ہمیشہ ہر مرحلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی حامی و مددگار رہیں، اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ۔ میں نے خود مرسل اعظمؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں بنی اسرائیل کی عورتوں میں جناب مریمؑ تھیں، اور اس اُمت میں بہترین عورت جناب خدیجہؑ ہیں ـــ اور آپکے والد ماجد معلم اخلاق و انسانیت، معلم قرآن و حدیث، مجسم خلق عظیم صاحب قرآن و وحی الٰہی، بشریت کو مادی و روحانی تباہی سے نجات دلانے والے بے نوا انسانوں اور صحراؤں میں اونٹ چرانے والوں کو زمام حکومت سنبھالنے کے لائق بنانے والے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں

سرکار رسالتؐ نے فضائل و کمالات کی بنا پر اپنی لخت جگر جناب فاطمہ زہراؑ کے بارے میں بہت سی احادیث بیان فرمائیں یعنی حیات دینی و دنیاوی کا ایک مکمل نمونہ ہونے کی سند عطا فرمائی

(۱) پیغمبر اسلام نے آپ کو۔ ام ابیہا کے نام سے پکارا جس کی وجہ مورخین و محدثین کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ جناب فاطمہ زہراؑ نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ وہ برتاؤ کیا اور حُسنِ خدمت کا وہ نقش چھوڑا جو ایک ماں اپنے بچےؐ کے لئے چھوڑتی ہے کہ اگر کفار و مشرکین۔ رسول اکرمؐ کو ستاتے تھے اور اللہ کا رسولؐ گھر میں محزون و ملول آتا تھا تو جناب فاطمہؑ باپ کو تسلی دیتی تھیں اور آپ کا غم غلط کرتی تھیں۔ جب دشمن جانوروں کی اوجھڑی جسم اقدس مرسلِ اعظمؐ پر ڈال دیتے تھے اور اسی حالت میں رسول مقبولؐ گھر میں تشریف لاتے تھے تو جناب سیدہؑ اس آلائش کو اپنے پدر بزرگوار کے جسم اقدس سے دور کرتی تھیں، اس کی صفائی کرتی تھیں، آپؐ کے جسم و لباس کو دھو دیتی تھیں، اور اس طرح یک گونہ رسول اکرمؐ کو سکون ہو جاتا تھا ـــ اور دوسری وجہ ام ابیہا۔ کی یہ بھی ہے کہ یہ لقب جناب فاطمہؑ کے نہایت احترام و عظمت کی نشاندہی کرتا ہے ـــ اور وجہ بھی ہے کہ یہ لقب مظلوم و ستم دیدہ عورت کے عزت و احترام کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔

(۲) ایک جگہ پیغمبر فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ میرا جز ہے جو چیز اُسے بے قرار کرتی ہے وہ چیز مجھے بھی بے قرار کر دیتی ہے، اور جس چیز سے فاطمہؑ کو خوشی ہوتی ہے اس سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے۔

(۳) ایک اور مقام پر مرسلِ اعظمؐ فرماتے ہیں فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جو اُسے ستاتا ہے وہ مجھے ستاتا ہے اور جو اُسے خوش کرتا ہے وہ مجھے خوش کرتا ہے۔

(۴) ایک موقع پر حبیب خداؐ فرماتے ہیں:۔ فاطمہؑ وہ ہے کہ اس کے غضب سے خدا غضبناک ہوتا ہے، اور اس کی رضا سے خدا راضی ہوتا ہے۔

شراب سے دوری پاکیزگی ہی پاکیزگی ۔

(۵) ایک موقع پر سرکارِ رسالت نے فرمایا ہے فاطمہؑ میرا جزو ہے جو اسے غضبناک کرتا ہے وہ مجھے غضبناک کرتا ہے۔

(۶) اور ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے فاطمہؑ میرا جزو ہے جو اسے ستاتا ہے وہ مجھے ستاتا ہے۔

(۷) ایک مرتبہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہو۔

(۸) اور ایک مرتبہ حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا ہے:- جو شخص فاطمہؑ کو پہچانتا ہے اس نے مجھے پہچان لیا ہے اور جس نے اسے نہیں پہچانا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ فاطمہ بنت محمدؐ ہیں، یہ میرا جزو ہے یہ میرا وہ دل ہے جو میرے پہلو میں ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے خدا کو ستایا۔

(۹) رسولِ خداؐ نے جناب فاطمہؑ کے بارے میں فرمایا ہے اے فاطمہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو (یا عالمین کی عورتوں کی سردار ہو)

(۱۰) جناب پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ چار عورتیں تاریخ بشریت میں صاحبِ فضیلت ہیں (۱) جناب مریم دختر عمران (۲) آسیہ دختر مزاحم زوجہ فرعون، (۳) خدیجہ بنت خویلد (۴) اور میری بیٹی فاطمہؑ

(۱۱) اور ایک مقام پر رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے براہِ راست اپنی پارہ جگر کو خطاب فرما کر جناب مریمؑ اپنے زمانہ میں تمام دنیا کی عورتوں کی سردار تھیں اور اے فاطمہ تم اپنے زمانہ میں تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہو۔

(۱۲) جناب رسولِ خداؐ نے بارہا فرمایا ہے کہ فاطمہؑ میرا دل ہے، فاطمہؑ میری روح ہے جو شخص اسے اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔

(۱۳) حضور اکرمؐ نے ایک روز جناب فاطمہ زہراؑ سے خطاب فرمایا کہ اے فاطمہ تم جانتی ہو کہ تمہارا نام فاطمہ کیوں رکھا گیا ہے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ موجود تھے آپ نے استفسار فرمایا کہ یا رسول اللہؐ آپ ہی فرمائیں کیوں فاطمہؑ نام پڑا۔ تو سرکارِ رسالت نے فرمایا کہ اس وجہ سے فاطمہ نام پڑا کہ خدائے تعالیٰ نے فاطمہ کو اور اُن کی نسل کو آتشِ جہنم سے دور رکھا ہے۔

(۱۴) انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ آیتِ تطہیر نازل ہونے کے بعد میں متواتر نو مہینے تک مسجد جامع مدینہ نماز فریضہ ادا کرنے حضور کے ساتھ رہتا تھا اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ رسولِ خداؐ نے اپنی دختر نیک اختر کے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام نہ کیا ہو اور اس آیت کی تلاوت نہ کی ہو۔ یعنی روزانہ مرسلِ اعظم ایسا ہی کرتے تھے۔

جب رسولِ خداؐ باہر سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں جناب فاطمہ سے رخصت ہوتے تھے اور جب سفر سے پلٹتے تھے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ سے ملاقات کرتے تھے۔ اور جب فاطمہ زہراؑ مرسلِ اعظمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتی تھیں تو رسولِ خداؐ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی جگہ سے ہٹ جاتے تھے اور اپنی جگہ جناب فاطمہ زہراؑ کو بٹھاتے تھے۔ اور جب آپ محرابِ عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور تمام مدینہ میں پھیل جاتا تھا اور اہلِ آسمان کے لئے اس طرح روشن ہوتا تھا جس طرح ستارے اہلِ زمین کے لئے روشن ہوتے ہیں آپ نے پوری زندگی دنیاوی زندگی اور ظاہری زندگی کے لحاظ سے فقر و فاقہ اور عسرت میں گزار دی مگر کبھی اپنے شوہر سے کسی چیز کی فرمائش نہ کی کیوں کہ رسولِ خداؐ نے وصیت و ہدایت کر دی تھی کہ بیٹی علیؑ بہت خود دار انسان ہیں کبھی کسی چیز کی فرمائش نہ کرنا

وہ شادی اور یہ شادیاں

ابن جعفر

شادی وہ بھی تھی جو رسول اکرمؐ کے گھر ہوئی تھی اور جس میں دختر پیغمبرؐ کی شادی حضرت علیؑ ابن ابیطالب سے ہوئی تھی اور شادیاں وہ بھی ہیں جو ہمارے سماج میں ہوتی ہیں ——— لیکن اگر کسی شخص نے اس شادی میں شرکت کی ہوتی اور پھر آج کی شادیوں میں شرکت کرتا تو اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ دونوں شادیاں ایک ہی مذہب اور مسلک کی بنیاد پر ہو رہی ہیں اور دونوں کا عقیدہ، نظریہ اور اصول حیات ایک ہی ہے۔ شرکت تو بڑی بات ہے اگر کوئی تاریخ میں اس شادی کے خصوصیات پڑھ لے اور آج کی شادی کے خصوصیات پر نظر کرے تو دونوں کا فاصلہ میلوں اور کوسوں میں نظر آئیگا اور یہ بآسانی اندازہ ہو جائیگا کہ دونوں کا تعلق ایک قانون حیات اور اصول زندگانی سے نہیں رہا۔

ابن جعفر نے اپنی زندگی میں بے شمار شادیوں میں شرکت کی ہے اور شرق و غرب عالم میں پھیلے ہوئے مختلف قسم کے مسلمین اور مومنین کی شادیوں کا بغور مطالعہ کیا ہے لہذا اس کا فرض ہو گیا ہے کہ اسلام کی اس مثالی شادی کا ایک نقشہ پیش کر دے جو ہر اعتبار سے مسلمہ اور آج کے جملہ مشکلات کا حل ہے اور جس کے بغیر لاکھ کوشش کی جائیں مسائل میں اضافہ ہو سکتا ہے مسائل کا حل نہیں نکل سکتا ہے۔ ذیل میں اس مثالی شادی کے چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو عصمت کے امتیازات میں شامل ہیں اور جنہیں آج بھی بآسانی اختیار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ذہن اسلامی ہو اور معصومین علیہم السلام صرف محبوب نہ ہوں مقتدا بھی ہوں اور ان سے تعلق صرف عقیدہ و مودت کا نہ ہو بلکہ اطاعت و اتباع کا ہو ——— اگرچہ ابن جعفر کو ان تمام وسوسوں کا اندازہ ہے جو ان بیانات کے مقابلہ میں شیطان رجیم مومنین کرام کے دلوں میں پیدا کرے گا اور جن میں سرفہرست یہ عذر ہوگا کہ معصومینؑ کی بات اور ہے اور ہماری بات اور ہے ۔ یہ معاملات اس عقد کے ہیں جہاں طرفین معصوم تھے اور ہمارے یہاں طرفین غیر معصوم، بلکہ بعض اوقات بالکل بے دین ہوتے ہیں ——— اگرچہ ہم اس شادی کا نام بھی اسلامی شادی رکھتے ہیں۔

ابن جعفر نے خصوصیات عصمت کے نظر انداز کرنے کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ یہ بہانہ نہ تلاش کیا جا سکے۔ یہ اور بات ہے کہ نہ ماننے والے شمس پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اندھے افراد کو غدیر کی دوپہر نظر نہیں آتی ہے تو مدینہ کی رات میں منعقد ہونے والا عقد کیا نظر آئیگا۔

ابن جعفر نے یہ بھی [illegible] ہے کہ حتی الامکان واقعات کی شرعی صورت حال کا بھی تذکرہ کر دیا جائے کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ بہت سے حالات و مشکلات کا حل ضرور ہیں لیکن شرعی لزوم کی حد میں نہیں ہیں اور خود معصومینؑ کے یہاں بھی اس سے مختلف مثالیں مل سکتی ہیں۔

۱۔ شادی کی عمر:۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات تقریباً مسلم ہے کہ معصومۂ عالمؑ کی ولادت بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی ہے اور آپ کا عقد جنگ بدر کے بعد ہوا ہے اور مولائے کائنات نے جنگ بدر سے حاصل شدہ زرہ ہی کو بیچ کر معصومۂ عالمؑ کا مہر ادا کیا ہے اور اس بنا پر معصومۂ عالمؑ کا عقد تقریباً ۹۔۱۰ برس کی عمر میں ہوا ہے جیسا کہ خصائص نسائی ص ۳۱ اور تذکرہ ابن الجوزی ص ۳۱۶ کی اس روایت سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے صدیقہ طاہرہؑ کے لئے پیغام دیا تو رسول اکرمؐ نے ابتدائی جواب دیدیا کہ "انها صغيرة" فاطمہ ابھی کمسن ہے۔ اگرچہ آپ کو خدائی فیصلہ کا انتظار تھا لیکن اس جواب سے اس خیال کی تردید بہرحال ہو جاتی ہے جس میں معصومہ عالمؑ کی ولادت کو بعثت سے پانچ سال پہلے قرار دیا گیا ہے اور جس کی بنا پر معصومہ عالمؑ کی عمر تقریباً ۱۹۔۲۰ سال تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر کی بچی کو کسی سماج میں کمسن نہیں کہا جاتا ہے چہ جائیکہ عرب سماج میں۔

اس روایت سے یہ بہرحال واضح ہو جاتا ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کے عقد کی پہلی بنیاد یہ تھی کہ عورت جیسے ہی سنِ بلوغ میں داخل ہو اس کا عقد کر دیا جائے چاہے رخصتی میں تاخیر ہو جیسا کہ معصومۂ عالمؑ کے عقد میں ہوا ہے کہ رخصتی چند ماہ کے بعد یا ایک سال کے بعد ہوئی ہے۔ اگرچہ ایک سال کے بعد بھی عمر ۱۰۔۱۱ سال سے زیادہ کی نہ ہوگی۔

معصومہؑ کے عقد میں معاذ اللہ نہ لڑکی کے انحراف کا کوئی خطرہ تھا اور نہ شوہر کوئی دولتمند اور بظاہر صاحبِ ثروت و مال تھا لیکن اس کے باوجود سرکار دو عالمؐ نے عقد کر کے واضح کر دیا کہ عقد زندگی کے ایک مسئلہ کا حل ہے جسے بروقت حل ہونا چاہیئے۔ اس کا دولت و مال اور سند [illegible] سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان امور کا اضافہ مشکلات میں اضافہ کر سکتا ہے۔ مشکلات کا حل نہیں پیدا کر سکتا جیسا کہ نسلوں سے دیکھا جا رہا ہے۔

۲۔ انتخاب رشتہ:۔ روایات اسلامی میں یہ صراحت موجود ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کا پیغام ان تمام حضرات نے بھی دیا ہے جنکی دنیاوی حیثیت تھی اور جو اپنے پیروں پر کھڑے تھے۔ راحت و آرام کا سامان بھی مہیا کر سکتے تھے اور اچھی خاصی پارٹی بھی دے سکتے تھے لیکن وحی الٰہی نے ان سب کے مقابلہ میں اس علیؑ کا انتخاب کیا ہے جن کے پاس یہ مادی اسباب و وسائل نہیں تھے لیکن ایمان و کردار سب سے بالاتر تھا جو مسئلہ کا دوسرا حل ہے کہ رشتہ کے انتخاب میں دنیاوی وسائل کے بجائے ایمان و کردار کا حساب کیا جائے تاکہ زندگی بھی قوانین اسلام کے سایہ میں گذرے اور عاقبت بھی بخیر ہو۔

۳۔ انتظام مہر:۔ مولائے کائنات کے پیغام پر رسولِ اکرمؐ نے پہلا سوال یہ کیا کہ مہر کس طرح ادا کرو گے اور جب مولائے کائنات نے یہ جواب دیا کہ میرے پاس ایک زرہ ایک تلوار اور ایک اونٹ ہے تو فرمایا کہ زرہ فروخت کر کے مہر کا انتظام کرو جس سے دو باتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ مہر کا انتظام بروقت ہونا چاہیئے اور اسے حتی الامکان اُدھار نہیں ہونا چاہیئے کہ اس سے بیشمار مسائل پیدا ہوتے ہیں اور طویل ترین مقدمہ بازی بھی ہوتی ہے جیسا کہ دور زمینداری سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

۲۔ مہر کے لئے سامان بھی فروخت کرنا پڑے تو کیا جائے لیکن ضروریاتِ زندگی کو فروخت نہ کیا جائے۔ تلوار جہاد کی ضرورت ہے اور اونٹ معیشت کی لہٰذا زرہ کو فروخت کر دیا جائے۔ جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ کھیت اور باغ بیچ کر شادی کرنا اور پھر فاقہ کرنا دانشمندی اور سیرتِ معصومینؑ کے

خلاف ہے اور پھر اس سامان کو مہر کے بجائے جہیز اور ولیمہ کے لئے بیچنا تو بالکل ہی جہالت اور نافہمی کے مرادف ہے۔

واضح رہے کہ معصومۂ عالم کا ایک مہر شفاعت بھی ہے لیکن اس کا تعلق آسمانی عقد سے ہے لہذا اسے درس زندگی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۴۔ سامانِ جہیز:۔ یہ غلط ہے کہ اسلام میں جہیز کا تصور نہیں ہے یا جہیز ایک لعنت ہے۔

اسلام خود بھی چاہتا ہے کہ لڑکی گھر سے رخصت ہو تو ضروریات زندگی کو اپنے ہمراہ لے جائے تاکہ فی الفور مشکلات کا شکار نہ ہو لیکن یہ سامانِ جہیز کس طرح فراہم کیا جائے اس میں اختلاف ہے۔ ہمارا سماج یہ ذمہ داری لڑکی کے والدین پر ڈالتا ہے۔ اسلام نے مہیا کرنے کی ذمہ داری زوجہ کے باپ ہی پر رکھی ہے لیکن قیمت کی ادائیگی مہر کے مال سے رکھی ہے، تاکہ جو جسقدر مہر ادا کرے اسی اعتبار سے جہیز کی توقع کرے۔

رسول اکرمؐ نے زرہ کی قیمت ۴۸۰ درہم یا ۵۰۰ درہم کو تین حصوں پر تقسیم کرکے ایک سے سامان خانہ داری خرید فرمایا جس کی کل قیمت ۶۳ درہم تھی یعنی مہر کا تقریباً ۱/۸ اور ایک تہائی سے خوشبو وغیرہ کا انتظام کیا جو اس امر کی علامت ہے کہ شادی کے موقع پر عورت کا خوشبو وغیرہ استعمال کرنا انتہائی اہمیت رکھتا ہے تاکہ شوہر کا پہلا تاثر پاک و پاکیزہ اور عطر بار و خوشبودار ہو اور زندگی آخر تک کردار کے پھولوں سے مہکتی رہے۔

ایک تہائی نقد مولائے کائنات کے حوالے کردیا تاکہ روزانہ کے ضروریات کا انتظام کریں اور اسطرح عورت دوبارہ مرد کے مشکلات میں اپنے مال سے شریک ہوجائے اور مہر ادا کرنے والا خالی ہاتھ اور تہی دست نہ ہوجائے۔

۵۔ محفلِ عقد:۔ صدیقہ طاہرہؑ کا عقد عالم انوار میں عرشِ اعظم پر ہوا ہے جہاں جبریل امین نے خطبہ عقد پڑھا ہے اور راحیل فرشتے نے محفل عقد سے خطاب کیا ہے لیکن وہ عقد امت کی زندگی سے بالاتر ہے لہذا سردست اس عقد کا ذکر کیا جارہا ہے جو رسول اکرمؐ کی نگرانی میں زمین پر ہوا ہے جسمیں تمام مسلمانوں کو شریک کیا گیا ہے اور محفل عقد مسجد میں منعقد ہوئی ہے جو سماج کے بیشمار مسائل اور بےتحاشہ اخراجات کا بہترین حل ہے۔ اگر رسم و رواج سے چپٹے رہنے والے افراد ایسے اجتماعی مراکز اور مذہبی مقامات کی اہمیت کا اندازہ کرسکیں۔

۶۔ دعوتِ ولیمہ:۔ عقد کے بعد رسول اکرمؐ نے مولائے کائنات کو ولیمہ کا حکم دیا کہ رب العالمین کھانا کھلانے کو پسند کرتا ہے اور یہ فرمایا کہ جملہ اجاب، صفہ، فقراء و مساکین مدینہ سب کو مدعو کیا جائے اور کوئی خصوصی دعوت نامہ جاری نہ کیا جائے۔ مولائے کائنات نے ایک بلندی پر کھڑے ہو کر سب کو آواز دی اور سب نے شرکت کی۔ انتظام نہایت درجہ مختصر تھا لیکن امامت و نبوت کی برکت اور نیت کے اخلاص سے رب العالمین نے اسی انتظام کو سارے مجمع کے لئے کافی بنادیا۔

ظاہر ہے کہ ہر آدمی کے ہاتھ میں نبوت و امامت کی برکت نہیں ہوتی ہے لیکن روایت سے دو باتوں کا اندازہ بہرحال ہوتا ہے۔

۱۔ ولیمہ میں صرف بڑے لوگوں کو مدعو نہ کیا جائے بلکہ غربا کو بھی جگہ دی جائے کہ انھیں کو کھانا کھلانا باعث اجر و ثواب ہے۔ ۲۔ ولیمہ میں کھانا کھلایا جائے صرف فروٹ اور چائے کافی پر اکتفا کرنے سے رسم و رواج ادا ہوجاتی ہے لیکن کھانا کھلانے کی فضیلت ختم ہوجاتی ہے۔

مذکورہ بالا تعلیمات کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ہماری شادیاں اس شادی سے بالکل مختلف ہیں جسے امت اسلامیہ کیلئے نمونہ عمل بننا چاہیئے تھا اور جس کی پیروی کے بغیر ملت کے مسائل کا حل ہونا ناممکن ہے۔ اسلامی شادی وہی ہے جسکے ہر مرحلہ پر اسلام معیار ہو اور جس میں شوہر صاحب ایمان و کردار ہو تو زوجہ "نعم العون علی طاعۃ اللہ" اس کے بغیر شادی بھی ایک سماجی رسم ہے اسلامی رشتہ نہیں۔

"ہمیں انصاف چاہیے"

سید احسان حیدر رضوی
حوزۂ علمیہ امام خمینیؒ ۔ السیدہ زینب
(سوریہ)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب سے قافلۂ آدمیت چلا ہے اور جب سے اس کائنات میں پہلی فرد بشر نے قدم رکھا ہے ، اسی لمحے سے قافلۂ عدل و ظلم بھی رواں دواں ہے ۔ روئے زمین پر حضرت آدمؑ کے قدم رکھتے ہی جو قافلۂ عدل کے علمبردار بن کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے ، ظلم کے کارواں کی باگ ڈور ابلیس لعین نے سنبھال لی اور حکم خدا کی نافرمانی کر کے عمارت ظلم کی بنیاد رکھی اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا جو آج تک باقی ہے اور بنیاد ظلم اس وقت تک قائم رہیگی جبتک سلسلہ عدل کا آخری وارث پردۂ غیب میں ہے ، یا اس طرح کہا جائے کہ قافلۂ عدل کا جبتک آخری علمبردار پردۂ غیب سے ظاہر نہیں ہوتا جو کہ ساری کائنات میں حقیقی عدل و انصاف قائم کرنے والا ہے ، قافلۂ عدل کو سرگرداں و پریشان اور راہ راست سے ہٹانے کی ناکام کوشش میں ظلم لگا رہیگا اور جب عادل حقیقی کا وارث حقیقی اس دنیا میں ظاہر ہوگا تو وہی بنیاد ظلم کو اس طرح برباد و مسمار کریگا کہ پھر ظلم کا نام و نشاں بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹ جائیگا ۔

قرآن مجید کے پاک و پاکیزہ الفاظ کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق بھی اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ اگر آدمؑ نے علم عدل بلند کیا تو ابلیس لعین نے بھی دوسری طرف ظلم کا جھنڈا اونچا کیا ، ایک طرف ہابیل وارث عدل بنے تو انکے مقابلے میں قابیل نے وراثت ظلم اپنے ذمہ لی ، ایک جانب نوحؑ کشتی عدل کے ناخدا بنے تو دوسری طرف انکی پرستار ظالم قوم نے کشتی عدل کا مذاق اڑایا اور پہاڑوں کو ظلم کا مأمن سمجھا ، ایک طرف ابراہیمؑ نے خلت عدل اختیار کی تو دوسری طرف ظلم نار نمرود بن کر ظاہر ہوا ، ایک طرف موسیٰؑ قافلہ سالار عدل بنے تو دوسری جانب ظلم مجسم فرعون اپنی پوری ظالم قوم کو لیکر مقابلے پر آگیا ، ایک جانب عیسیٰؑ وارث عدل قرار پائے تو دوسری طرف انکی قوم نے قیادت ظلم کرتے ہوئے آپکی والدۂ گرامی محافظۂ عدل جناب مریمؑ پر بہتان ظلم لگایا ۔ غرض ایک سلسلہ ہے کہ جو آدمؑ سے لیکر ابتک چلا آرہا ہے ، لیکن ہر صفحۂ تاریخ اس بات کا گواہ ہے کہ ظلم کے پاس ہمیشہ خود ساختہ خدائی ، تخت و تاج جاہ و حشمت اور سلطنت سب کچھ رہا ہے اور ظلم نے عدل کے خلاف اپنے ہر جائز اور ناجائز حربہ کا استعمال بھی کیا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عدل کو شکست ہوئی ہو بلکہ ہمیشہ ظلم ہی کو منہ کی کھانی پڑی ہے ۔

آج ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی تأمل نہیں ہے کہ شکست ہمیشہ ظلم کی ہوئی ہے لیکن ہر دور میں صاحب عدل کو ظلم سے شکوہ و گلہ رہا ہے اور کبھی کبھی تو شکوہ اس حد تک

پہونچا کہ نبیٔ خدا ہونے کے باوجود ظلم سے مقابلہ کرتے کرتے جب تھک گئے تو بارگاہِ خداوندی میں بددعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

یہ مقابلہ عدل و ظلم مرسل اعظم حضرت ختمی مرتبت کے دور سے پہلے تک بلکہ آپکی زندگی بعثت کے ابتدائی دنوں تک بہت ٹھیک ٹھاک تھا کیونکہ اگر ایک طرف علمبردار عدل نے رائیت عدل بلند کیا تو دوسری جانب ظالم نے بھی کھل کر اور علی الاعلان اپنے کو شجرہ ملعونہ کے وارث ہونے کا ثبوت پیش کیا ـــــ لیکن حیاتِ پیغمبرؐ سے ہی جب ظلم نے اپنے ہزاروں سالہ تجربہ شکست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ کھل کر مقابلہ ناممکن ہے تو اس نے بھی مقدس لبادۂ عدل اپنے ناپاک بدن پر ڈال لی اور منافقت سے کام لینا شروع کر دیا، اور یہ مرحلہ عدل کے لئے سب سے سخت تھا۔ تاکہ لبادۂ عدل دیکھ کر لوگ اس کے خلاف احتجاج نہ کرنے پائیں ـــــ حیاتِ مرسل اعظمؐ تک بھی معاملہ کچھ غنیمت تھا لیکن بعد پیغمبرؐ، عدل کل کی بیٹیؑ جو اپنے باپ کی تنہا وارث تھی، پر انھیں عادل نما ظالموں نے ظلم کی انتہا کر دی۔

چونکہ یہ سال ۱۴۱۱ھ سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات حسرت آیات بلکہ شہادت عظمیٰ کے چودہ سو سال مکمل ہونے کا اعلان کر رہا ہے لہٰذا آپ پر ہونے والے مظالم پر سرسری نظر ڈالنا مقصود ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عدل کو سب سے زیادہ نقصان عادل نما ظالموں نے پہونچایا ہے اور رسول اکرمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی انھیں ظالموں نے جو ظاہراً لبادۂ عدل پہنے تھے خود رسول اکرمؐ کی بیٹیؑ پر سب سے زیادہ ظلم ڈھایا ـــ اور اس میں بھی آپ پر سب سے بڑا ظلم وہی تھا کہ جو اول روز ابلیس نے کیا تھا۔ ابلیس کا جرم بھی یہی تھا کہ اس نے حکمِ خدا کی نافرمانی کی تھی اور آدمؑ کے سامنے سجدہ نہیں کیا تھا اس کی سزا اسے ابدی لعنت اور مردود بارگاہِ ایزدی ملی تھی اور آج انھوں نے بھی سیدۂ عالمیان کے سامنے بھرے دربار میں ہتک قرآن کی اور قرآن کے حکم کی کھلم کھلا نافرمانی کی۔ یہی آپ پر وہ ظلم تھا جو آپ آخری لمحۂ حیات تک نہ بھلا سکیں بلکہ اپنے بعد کے لئے وصیت بھی فرما دی۔

اس مقام پر یہ نکتہ خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ وہ عادل نما بیکران ظلم جو کل عادل پروردگار کے عادل نمائندۂ خاص حضرت ختمی مرتبتؐ کے زندگی کے آخری لمحات میں جب آپ نے تحریر عدل کے لئے قلم و قرطاس کا مطالبہ کیا تھا تو یہ کہہ کر آپ پر ظلم کیا تھا کہ العیاذ باللہ رسولؐ پر بخار کی شدت ہے جس کی وجہ سے آپ ہذیان کہہ رہے ہیں اور ہمارے لئے بعد رسولؐ کتابِ خدا کافی ہے، وہی لوگ آج جب کتابِ خدا ہی کی رو سے کائنات کی سب سے بڑی عادلہ خاتون اپنے حق کا تقاضہ کر رہی ہے تو اس کی بات ٹھکرا رہے ہیں اور علی الاعلان، کھلم کھلا مسجد نبی میں اپنے کو خلیفۂ رسولؐ کہنے والے قرآن کے فیصلے اور حکم کے خلاف فیصلہ دے رہے ہیں اور قرآنی احکام کا مذاق اڑا رہے ہیں اور وہی لوگ جو کل کتاب خدا کو کافی بتلا رہے تھے آج سیدۂ عالم کے قرآنی استدلال کے مقابلے میں احادیث کا سہارا لے رہے ہیں۔

شاید فاطمہ زہراؑ اس بات کو بھی واضح کرنا چاہتی تھیں کہ ہر انداز سے ظالم کا ظلم واضح ہو جائے۔ اسی وجہ سے آپ نے مسجد میں آکر اپنے حق کا مطالبہ کیا تو استدلال کے طور پر قرآنی آیات کا سہارا لیا کیونکہ آپ نے چند ہی روز پہلے انھیں زبانوں سے سنا تھا کہ ہمارے لئے کتابِ خدا

باقی ص ۱۰۲ پر

عورت کا بہترین شرف — نہ وہ کسی نامحرم کو دیکھے نہ نامحرم اسے دیکھے (خاتون عصمت)

فاطمہؑ — اپنے گھر میں

سید کرامت حسنین جعفری متعلم جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب

ایک عورت جب ازدواجی زندگی میں قدم رکھتی ہے اور عائلی ذمہ داریاں سنبھالتی ہے تو صحیح معنوں میں اسکے کردار کے جوہر کھلتے ہیں۔ شادی سے پہلے وہ ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہونے والے رشتوں کے درمیان زندگی بسر کرتی ہے مگر شادی کے فوراً بعد یہ رشتے دوگنا ہوجاتے ہیں۔ یعنی شوہر کے سارے رشتے بھی اس سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔ اور جسقدر قرابتداروں اور عزیزوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اسی قدر اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔

اب تک صرف اس کے اپنے والدین ہی اسکے والدین کی حیثیت رکھتے تھے اس کے اپنے چچا ماموں ہی اس کے اپنے چچا ماموں تھے، اس کے بھائی بہن اس کے بھائی بہن تھے مگر اب شوہر کے ماں باپ بھی اس کے ماں باپ کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں شوہر کے بھائی بہن اسکے بھی بھائی بہن بن جاتے ہیں شوہر کے چچا ماموں بھی اب اس کے چچا اور ماموں ہوجاتے ہیں — الغرض ان دہرے رشتوں کے نازک تقاضوں کو پورا کرنا ایک بڑے امتحان سے گذرنے سے کم نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب اسے ایک نیا گھر بسانا ہے ایک نئے خاندان کو تشکیل دینا ہے اور ایک نئی نسل کو عالم وجود میں لانا ہے۔ یعنی شریک حیات کی حیثیت سے راہِ حیات میں شوہر کے قدم سے قدم ملاکر زندگی کے مرحلوں اور منزلوں کو سر کرنا ہے ہر موڑ پہ اسے سہارا دینا ہے۔

اب اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ شوہر کے پسندیدہ طرز حیات اور نقطۂ نظر سے واقف ہو بلکہ اسے یہ بھی علم ہو کہ ایک اجنبی معاشرے میں کس طرح زندگی بسر کی جائے گی اتنے بڑے خاندان سے کس طرح سلوک کیا جانا چاہئے اور ایک نسل کی کس طرح تعمیر ہوسکتی ہے شوہر کے ساتھ کس طرح رہ کر زندگی بسر کی جائے۔

تاریخ — کی روشنی میں اگر اس موضوع اور گوشے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کائنات میں واحد خاتون جناب فاطمہ زہراؑ ملیں گی جن کی ازدواجی زندگی ہر لحاظ سے ایک کامیاب، مکمل، نمونۂ عمل اور رہبرانہ زندگی ہے — وہ فاطمہؑ جو اپنے باپ کے گھر میں اتنی باعزت و باوقار اور کردار کے اعتبار سے اتنے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں کہ خود باپ (رسولِ اسلامؐ) نے اُمّ ابیہا کہا چنانچہ جب آپکا عقد مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے ہوتا ہے اور شہزادی اپنے میکے سے سسرال جاتی ہیں بلکہ رسالت کے گھر سے امامت و وصایت اور خلافت و ولایت کے گھر

بردے رواج دین کا مزاج

منتقل ہو رہی ہیں اور نبوت کے چراغ سے روشنی حاصل کرکے امامت کے لئے ہمراز بن رہی ہیں اب ان کے کمالات ازدواجی زندگی میں آکر اور نمایاں طور پر ظاہر ہوئے ہیں۔

مولائے کائنات نے آپکو اپنی زوجیت کے لئے دین اور آخرت کی خاطر منتخب کیا تاکہ کارِ تبلیغ اور جہاد زندگی میں ان کا ساتھ دیں اور ان کی مدد کریں اور خود آپ کا مقصد بھی سو فیصد یہی تھا۔ اب ان کی اس ازدواجی زندگی کا کیا کہنا جس میں زوجین فکر و رجحان کردار و افعال طرز زندگی اور مقصد زندگی میں ایک فکر رکھتے ہوں ۔ چنانچہ راہِ تبلیغ و ہدایت میں مولائے کائنات کو ایک معاون مل جانے کی وجہ سے اب بہت سکون اور چین مل رہا ہے۔

پورا خاندان بنی ہاشم اس مبارک و مسعود جوڑے پر نازاں ہے جناب فاطمہ کا کردار اس قدر پاک و پاکیزہ ہے کہ خاندان کا ہر فرد آپکا احترام کرتا ہے۔ خود مولائے کائنات اور جناب صدیقۂ طاہرہ ایک دوسرے کی عزت اور احترام کرتے ہیں جناب فاطمہ مولیٰ علی کا احترام اس طرح کر رہی ہیں جس طرح ایک مسلمان عورت کو اپنے امام کا احترام کرنا چاہیئے کیونکہ جناب فاطمہ حضرت علی کے حق کو جس طرح پہچاننا چاہیئے پہچانتی ہیں اور ان کی ویسی ہی اطاعت کرتی ہیں جیسا اطاعت کا حق ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ مولا علی رسول اسلام کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں وہ ولایتِ عظمیٰ خلافتِ کبریٰ اور امامتِ مطلقہ کے مالک ہیں ــــ اسی طرح مولائے کائنات بھی جناب فاطمہ کا ویسا احترام کرتے ہیں جس احترام کے وہ لائق ہیں اس لئے نہیں کہ وہ انکی زوجہ ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ سیدۃ نساء العالمین ہیں ان کا نور رسول اللہ کے نور سے ہے وہ صاحبِ عظمتِ کاملہ ہیں اور مجموعۂ فضائل ہیں ایسے فضائل کہ ان میں سے ایک بھی فضیلت اگر دنیا کی کسی عورت کو مل جائے تو وہ لائقِ احترام ہو جائے۔ نسب کے اعتبار سے اشرف و ارفع روحانیت و تقدس کے اعتبار سے سب سے افضل ۔

اب اندازہ کریں کہ کس قدر حسین اور پاکیزہ ماحول جناب فاطمہ اور حضرت علی کی ازدواجی زندگی میں تھا اور اس پاک و پاکیزہ ماحول سے کس قدر مطمئن تھے کہ فقر کوئی تبدیلی نہ لاسکا فاقہ کشی کوئی تغیر نہ لاسکی حوادث دنیا کوئی اضطراب نہ پیدا کر سکے دنیا پرستوں کی طرف سے مصائب و آلام کی یلغار قطعی اثر انداز نہ ہو سکی ۔

حضرت علی کو جناب فاطمہ سے کسقدر سہارا ملا اس کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ مولا علی کی پوری زندگی میں سب سے زیادہ تلخ اور ناساعد حالات اور مشکل ترین زندگی وفاتِ رسول کے بعد کی زندگی ہے جس میں آپ پر دنیا پرستوں اور مادہ پرستوں اور اسلام دشمنوں نے ہر ممکن اذیت اور مصائب و آلام کی یلغار کی اور ہر ممکن کوشش کی کہ آپ کو شہید کر دیا جائے تاکہ اسلام کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ اس مشکل ترین وقت میں آپ کے لئے ایک ہی سہارا جناب فاطمہ کا تھا اور اس وقت مولا علی کی زندگی کا ذریعہ صرف اور صرف جناب فاطمہ تھیں جن کی وجہ سے دشمنانِ اسلام حضرت علی کو شہید کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

حقِ شوہر کے سلسلے میں دیکھا جائے تو خود مولائے کائنات کا یہ ارشاد جو "بحار الانوار" میں مولائے کائنات کے مناقب کے باب میں ہے کافی ہے ۔ مولا فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں زندگی بھر کبھی بھی فاطمہ پر غصہ نہیں ہوا اور نہ کسی امر کیلئے میں نے انھیں مجبور کیا اور نہ ہی وہ مجھ پہ کبھی غصہ ہوئیں اور کبھی میری نافرمانی نہیں کی بلکہ جب میں ان کے چہرۂ مبارک

باقی صفحہ پر